اجداد العرب

سیرۃ المزمّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد دوم (اجداد العرب)

سنہ تحریر؛ اپریل 2008ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛ (محدث لائبریری)https://kitabosunnat.com

ابتدائے کلام

سیرۃ المزّمل کی جلد دوم میں خاص کر بنو اسرائیل کے احوال بیان کئے گئے ہیں جو اللہ کی لاڈلی قوم تھی مگر انہوں نے پیہم اللہ کے انبیاء کا انکار کیا جس کی بدولت آخر دنیا کی زمام کار ان سے چھین لی گئی اور نبوت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کی طرف منتقل ہو گئی۔ نبوت کی اس تبدیلی کے مفہوم سے وہ پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ دنیا پہ اب ان کا روحانی اقتدار ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا راستہ اختیار کرتے، دنیا اور آخرت کی کامیابیاں سمیٹتے۔ انہوں نے انکار اور

انحراف کی راہ اختیار کی جس کی بدولت ان کے حصے
میں دنیا اور آخرت کی ذلت آئی۔ چنانچہ خود اپنے ھی
اعمال کی جزا کے طور پہ جب ان کو ملعون کیا گیا تو
انہوں نے رد عمل کے طور پہ اسلام اور محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ بنا لیا اور ڈٹ کر اسلام
کے مقابلے میں کھڑے ھو گئے۔ مگر ان کی قسمت میں
شکست ذلت اور در بدری لکھ دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ
دن اور آج کا دن قوم بنی اسرائیل ذلت کی اتھاہ
گھرائیوں اور خالق کی زیادہ سے زیادہ نافرمانی کی
طرف اپنا سفر جاری رکھے ھوئے ھے۔ چناچہ پہلے تو نبی
اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی طرف
دعوت دی جسے قوم بنی اسرائیل نے بری طرح ٹھکرا دیا
اور ان میں سے چند ھی خوش قسمت تھے جن کی
زندگیوں میں اسلام کی روشنی مقدر کی گئی تھی ورنہ
تمام قوم نے انکار اور انحراف کی راہ چنی اور آج تک وہ
اپنی اسی ضد اور انا پہ قائم ھیں، حق سے انکاری ھیں۔
اسلام اور مسلمانوں سے ان کا بغض دنیا میں معلوم و
معروف ھے جس کی بنیاد صرف اور صرف حسد پہ رکھی
ھے۔ وہ خود کو خدا کی اس قدر لاڈلی قوم جانتے تھے کہ
خدا کے اس فیصلے پر بھی اعتراض کر بیٹھے کہ اس نے نبوت
کا سلسلہ بنی اسرائیل سے منقطع کر کے بنی اسماعیل
کی طرف منتقل کیوں کر دیا۔ خود ان کی اپنی تاریخ اللہ
کے انبیاء کے خلاف جرائم سے بھری پڑی تھی جس کی

پاداش میں انہیں ملعون قرار دے گیا تھا ان کے پاس اب صرف ایک ھی راستہ بچا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام لیتے مگر اُن کی ابدی کج روی نے انہیں انکار پہ اکسایا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔اگرچہ یہ کتاب بنی اسماعیل کے تذکرے کے لیے لکھی گئی ھے مگر بر سبیل تذکرہ یہاں کچھ ذکر قوم بنی اسرایل کا بھی آگیا ھے کہ قرآن نے اِن کو مخاطب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اِن کو ھدایت کی طرف بلایا مگر ھدایت شاید اُن کے مقدر میں ھی نہ تھی تاھم اسلام کا دامن ظرف اس قدر وسیع ھے کہ وہ قیامت تک لوگوں کی توبہ قبول کرنے کو تیار ھے۔کوئی توبہ کرنے والا ھو تو سہی۔

حقیر
افتخار احمد افتخار

حسن ترتیب

ابتدائے کلام	3
حسن ترتیب	6
ریگزارِعرب سے	13
تاریخ عرب قبل از اسلام	23
العرب البائدہ	30
قوم عاد	34
قوم ثمود	59
العرب العاربہ	101
ملوکِ سبا کے احوال	105
سبا کے باسی	110
اہل سبا کے اخلاق وعقائد	116
قوم سبا کا زوال	118

سلطنت معین	121
نبطیوں کی ریاست	125
ماہناہیہ کی بادشاہت	129
شاہ تدمور	132
بنوحمیر کی حکومت	135
سلطنت حیرہ	143
ملوکِ غسان	160
آل کندہ	166
نقش لوح وقلم، داستان سوئے حرم	171
نمرود کی شاہی	173
ابوالانبیاء خلیل اللہ	184
اولین فکرو تدبر	188
آتش نمرود	192
ہجرت	199

حضرت حاجرہ، شہزادی یا کنیز	201
پھر ہجرت	208
بیت اللہ کی تعمیر	211
قربانی	220
ذبیح کون؟	224
چراغ شب آخر	236
حضرت اسماعیلؑ	224
تاریخ انبیائے بنی اسرائیل	252
اہل کنعان کے قدیم مذاہب	271
زبان وادب	279
قوم بنی اسرائیل، ایک تعارف	285
قوم بنی اسرائیل تاریخ کے آئینوں میں	296
قوم بنی اسرائیل، عقائدی تنزل	336
قانون وشریعت	353

ادب اور معاشرت	360
بنو اسماعیل حجاز میں	378
حجاز میں بنو اسماعیل کی سرداریاں	382
اجداد العرب	388
عدنان بن عدد	395
معد بن عدنان	402
نزار بن معد	408
مضر بن نزار	411
الیاس بن مضر	414
مدرکہ بن الیاس	418
خزیمہ بن مدرکہ	421
کنانہ بن خزیمہ	423
نضر بن کنانہ	426
مالک بن نضر	431

فہر بن مالک	433
غالب بن فہر	435
لوئی بن غالب	437
کعب بن لوئی	443
مرہ بن کعب	453
کلاب بن مرہ	455
قصیٰ بن کلاب	459
عبدمناف بن قصیٰ	473
اشاریہ	476
ماخذ و مصادر و مراجع	503
اختتام	545

ریگزارِ عرب سے

کھجوروں کے جھنڈ میں پوشیدہ صحرائے عرب کے نخلستان خوابیدہ سے تھے اور منتظر تھے کہ صحرا کی شدت سے مارا کوئی قافلہ کب ان کے دامن میں پھیلے بسیط ردائے خامشی کے حصار کو توڑے گا اور صحنِ چمن میں کھلے گل کی پنکھڑی پہ کوئی نگاہِ تحسین اٹکے گی۔ اِک احساسِ تشنگی تھا جس نے ریگزارِ عرب کی وسعتوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ تب صحرا کے جگہ بدلتے ٹیلوں کی اوٹ سے سورج اپنی شفق بکھیرتا ہوا ڈوب جاتا کہ کچھ ہی دیر بعد جب صحرا کی ریت دن بھر کی حرارت اپنے ذروں سے خارج کرے گی تو ہدی خوانوں کے قافلے اس کی ویرانی کو دور کرنے آئیں گے اور تب ان کیسینوں میں موجود صدیوں کی روایتیں اور حکایتیں پیرہن سخن میں بدلیں گی اور درِ صحرا سلگتے آلاؤ کے گرد اِک محفل جمے گی جو تہذیب عرب کی نمائندہ مجلس ہوگی۔ عرب کا سلسلہء دشت اپنی ویرانی اور سختی میں بے مثال تھا مگر گرد بادوں سے الجھتے ساربان اپنے قافلوں کی منزل کھوجتے رہے۔ صحرا کے بگولے انسان کی قوت برداشت پہ ششدر جھلتے صحراؤں کے سینے پہ رواں قافلے دیکھا کیے۔ مگر جہاں اس سکوتِ دشت میں انسانی عزم وثبات کے نشان

تھے، وہیں کچھ سسکیاں بھی تھیں جو اِن صحراؤں کے بوسیدہ سماج کا عکس تھیں ان معصوم بچیوں کی کچھ صدائیں تھیں جنھیں زندہ دفن کر دیا گیا تھا، شکستہ آرزوؤں کی کچھ آہیں تھیں جو صحرا کے بگولوں کے ہم رقاب رہتیں جن سے ساربانوں کے اونٹ بدکتے اور منزل کی پہچان کھوتے دور تک نکل جاتے۔ ریگزارِ عرب کی بلندیاں اور پستیاں انسانی شرف کی تذلیل پہ نادم تھیں، پشیماں تھیں اگرچہ اس کے باسی بہت سی خصوصیات کے بھی حامل تھے مگر ان کا طرزِ زیست بہ حیثیت مجموعی نہایت پست تھا۔ ایک طرف وہ اخلاقی پستی کا شکار تھے تو دوسری طرف خالق کے ہر احسان سے عاری تھے۔ ان کے احساس کی زمین بنجر ہو چکی تھی، ان کی زندگیوں میں سینکڑوں دلچسپیاں تھیں مگر وہ اپنے آباء کی اخلاقی عظمت کے ہر احساس سے تہی تھے۔ اگرچہ ان کو سیّدنا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر آج تک فخر تھا مگر وہ ان کی تعلیمات سے بہت دور جا چکے تھے جس پہ ریگزارِ عرب کا ہر ذرہ نالاں تھا برانگیختہ تھا۔

نخلستانوں کی خنکی میں اِک بیزاری تھی تو بادِ صرصر میں وہ شدت کہ جس سے انسانی جسم میں دوڑنے والا خون ابلنے لگے، وہ در جہاں کبھی صدائے توحید کا غلغلہ تھا وہ آج صنم کدہ تھا، کعبۃ اللہ کی چھت پہ ہبل نامی بت رکھا تھا جس کی وہ پوجا کرتے اور کعبہ کے اندر سینکڑوں بت ان کی عبادات کا مرکز بن چکے تھے۔ انھیں توحید سے منہ موڑے مدتیں گزر چکیں تھیں۔ چونکہ ان کے ہاں کوئی اجتماعی سماجی اور سیاسی نظام موجود نہ تھا اس لیے عربوں کی اخلاقی حالت بھی ان کی عقائدی حالت کی طرح ہی پست تھی۔ عرب مورخین کے مطابق قدیم زمانوں میں یہ سرزمین سامی خاندان کا گہوارہ رہی تھی۔ تاہم قدیم زمانوں یعنی عرب بائدہ کے حالات بہت کم معلوم ہو سکے ہیں جس سے کوئی اندازہ قائم کیا جا سکے کہ عرب بائدہ کی اخلاقی حالت معاصر اقوام عالم کے مقابلے میں کیا تھی۔ قیاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں جب ربع مسکون پہ انسانی آبادی تعدادِ نفوس کے اعتبار سے بہت کم تھی۔ عموماً تمام معاشروں کی اخلاقی حالت یکساں درجے ہی کی رہی ہوگی۔ اس لیے بنی اسماعیل کے عروج و ترقی سے پیشتر اور عرب بائدہ کے بعد قحطانی عربوں کے دور میں اندرونِ عرب میں بہت سی حکومتوں اور سلطنتوں کا نشان ملتا ہے جن کا ذکر عرب مورخین نے قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کے کسی بھی دور میں پورا خطہ عرب کسی ایک منظّم حکومت یا کسی ایک جابر حکمران کے تحت نہیں رہا۔ صوبہ صوبہ اور قبیلہ قبیلہ الگ الگ

حکومتیں قائم تھیں جن کا اخلاقی، سماجی اور سیاسی نظام سراسر قبیلوں کی قدیم روایات اور ان کے آباء کے قائم کردہ نظریات پہ مشتمل تھا۔اس لیے ان حکومتوں کو مشکل ہی سے حکومتیں قرار دیا جاسکتا ہے۔زیادہ سے زیادہ انھیں ایک قبائلی اور سرداری نظام قرار دیا جاسکتا ہے جس کی روایت ان کے ہاں کافی قدیم اور نہایت مستحکم تھی۔اندرونِ عرب کے بہت سے قبیلے خانہ بدوشی کے عالم میں زیست کرتے تھے اور اپنے اس عمل پہ فخر کرتے تھے کہ وہ مکینوں کی طرح زمین کے مقید نہیں۔وہ اپنے خیمے اپنے اونٹوں پہ لادے بہار کے ساتھ پانی کی تلاش میں سفر کرتے اور جہاں کہیں زمین کا رنگ سبز نظر آتا اور قریب پانی کا کچھ انتظام موجود ہوتا وہ اپنے خیمے اونٹوں سے اتارتے اور وہیں مقیم ہوجاتے۔مگر وہ زیادہ عرصہ ایک جگہ نہ ٹھہرتے اور مسلسل سفر میں رہتے کہ یہی ان کا پسندیدہ اندازِ زیست تھا۔تاہم بعد میں خطہ عرب میں چند متمدن شہر بھی آباد ہوگئے اور کئی ریاستیں قائم ہوگئیں جن میں سے چند ایک نے نہایت شہرت حاصل کی۔ان کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔اہل عرب کی عمومی حالت یہ تھی کہ ان کی گزر بسر مشکل سے ہوتی تھی اس لیے کہ ان کی زمین بنجر اور ضروریات زندگی نایاب تھیں۔

چنانچہ اس احساس نے اہل عرب کو جفاکش اور مستعد بنادیا تھا، ضروریات زندگی کی کمی نے ان کے تمدن کو ترقی نہ کرنے دی۔ان کی معاشرت میں نمایاں اصلاح وتغیر کا کوئی قابل ذکر واقعہ موجود نہ تھا۔مشاغل کی کمی اور مناظر کی یک رنگی نے ان کی فرصتوں کو بہت وسیع کر دیا تھا۔ریگستانوں کی وسعت و کثرت ، پیداوار کی کمی اور قیمتی اشیاء کی ناپیدگی نے کسی بیرونی حملہ آور کو خطہ عرب کی طرف متوجہ نہ کیا اور وہ صدیوں ایسے ہی گمنامی اور وحشت کی زندگی بسر کرتے رہے۔چونکہ سیاحوں اور تاجروں کی دلچسپی کا بھی کوئی سامان خطہ عرب میں موجود نہ تھا اس لیے غیر قوموں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی ترقی اور سماجی نظام سے اہل عرب عموماً بے خبر ہی رہے۔وہ بیرونی دنیا کے تمدن اخلاق اور معاشروں سے متاثر نہ ہوئے۔ظاہر ہے ان حالات میں اہل عرب میں دو ہی چیزیں ترقی کرسکتیں تھیں ایک شعر گوئی جس کے لیے وسیع فرصتیں اور کھلے میدانوں میں راتوں کو بیکار پڑے رہنا کافی محرک تھے اور دوسرے حفاظتی خود اختیاری کی مسلسل مشق اور صعوبت کشی کی عادت جس نے ان کو جنگ و پیکار اور بات بات پر معرکہ آرائی اور زور آزمائی کا شوقین بنادیا تھا۔وہ آپس میں معرکہ آرائیوں کے میدان گرم رکھنے کے سبب خودستائی اور باہمی تفاخر کی جانب بھی زیادہ مائل ہوگئے تھے۔فخر و تعلیٰ کے لیے بہادری اور سخاوت دو مضمون بہت دلچسپ تھے، بے کاری اور

شاعری نے ان کو عشق بازی اور ان کے امراء کو شراب خوری کی طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ بہادری اور سخاوت نے ان کو اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور قول وقرار کا پکا بنا کر مستحقِ تکریم بنا دیا تھا۔ جوا اور تیر اندازی مشاعرے، مفاخرت اور مسابقت وغیرہ ان کے دل پسند مشاغل تھے۔ الغرض اہل عرب کے اخلاق ملک عرب اور اس کی آب وہوا نے بے ساختہ طور پہ مرتب کر دیئے تھے۔

عرب بائدہ کی طرف حضرت ہود عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت صالحہ عَلَیْہِ السَّلَام وغیرہ کئی انبیاء مبعوث ہوئے اور ان انبیاء کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام طبقہ ہلاک و برباد ہوا۔ دوسرے طبقہ یعنی قحطانی عربوں کی طرف بھی بعض ہادی مبعوث ہوئے مگر اہل عرب بہت کم ان کی طرف متوجہ ہوسکے۔ چنانچہ نافرمانیوں اور سرکشیوں کی پاداش میں ان پر بار بار ہلاکتیں وارد ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ ملک عرب کے باشندوں کی سرکشی اور آزاد مزاجی نے ان کو تعلیمات انبیاء سے بھی مستفیض نہ ہونے دیا۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام پر بھی اس ملک کے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ دین ومذہب کے معاملے میں ان کے فخر و نسب اور خودستائی نے ان کو اپنے نسبی بزرگوں کی مدح سرائی پر متوجہ کرکے باآسانی مشاہیر پرستی پر آمادہ کر کے بالآخر انھی کے ناموں کے بتوں کی پوجا کا عادی بنا دیا تھا۔ بت پرستی نے ان کو اوہام پرستی کی عجیب و غریب حماقتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ جب قحطانی قبائل کا زور ملک سے کم ہونے لگا اور اسماعیلی یا عدنانی قبائل نے زور پکڑنا شروع کیا تو قبیلہ خزاعہ کی مکہ پر چڑھائی اور قبیلہ بنوجرہم کی شکست نے عدنانی قبائل کو اطرافِ ملک میں پریشان وآوارہ کرکے حجاز میں بنی اسماعیل کے ابھرتے ہوئے زور کو سخت صدمہ پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے ہر حصہ اور ہر صوبہ میں عدنانی اور قحطانی قبائل ایک دوسرے کے ہمسر ومد مقابل نظر آنے لگے اس طرح تمام جزیرہ نمائے عرب میں آزاد ومطلق العنان چھوٹے چھوٹے قبائل کے سوا کوئی بھی بڑی اور قابل تذکرہ حکومت باقی نہ رہی اور کسی بھی عرب حکمران کی حکومت اپنی رعایا پر ایسی نہ تھی جیسی فارس کے کسی معمولی سے جاگیردار اور اہلکار کی باشندگان فارس پر ہوتی تھی۔ اس طواف الملوکی اور قبائل کی آزادی کے زمانے میں ملک عرب کے اندر بدتمیزی اور بداخلاقی نے اور بھی تیز رفتاری سے ترقی کی جو دراصل ان کی بہ حیثیت قوم تنزلی کا سفر تھا جو اس وقت تک اپنی پوری رفتار سے جاری رہا جب تک کہ اس تاریک تر ملک عرب میں آفتابِ اسلام طلوع ہوا۔ اہل عرب کی بڑی تعداد خانہ بدوشی کی حالت میں رہتی

تھی اور بہت تھوڑے لوگ تھے جو قصبوں اور شہروں میں رہتے تھے یا جنھوں نے خانہ بدوشی کی روش کو چھوڑ کر متمدن شہروں میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اہل عرب کے ہاں اپنے سلسلہ نسب کو یاد رکھنے اور اسے محفوظ رکھنے کا عام رواج تھا۔ وہ اپنے آباؤ وجداد کے ناموں اور کارناموں کو نہایت فخر سے بیان کرتے تھے اور اس ذریعہ سے لڑائیوں میں جوش اور بہادری دکھانے کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔ پتا نہیں یہ ملک کی آب وہوا کا اثر تھا یا ان کے نسب دانی کا شوق کہ اہل عرب کی قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ کئی کئی سو اشعار کے قصیدے ایک مرتبہ سن کر یاد کر لینا اور نہایت صحت کے ساتھ دوبارہ سنا دینا ایک معمولی بات تھی۔ شاعری اور قادر الکلامی کے عام شوق نے ان کی زبان اور اسلوبِ بلاغت کو اس قدر ترقی دی تھی کہ وہ بجا طور پر تمام غیر عرب اقوام کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے پھر ان کے اندر بدلے اور انتقام کا داعیہ نہایت مضبوط تھا اس لیے اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص کسی دوسرے قبیلے کے ہاتھ سے مارا جاتا تو جب تک مقتول کا قبیلہ اس قتل کا بدلہ نہ چکا لیتا سکون سے نہ بیٹھتا۔ قصاص نہ لینا اور خاموش ہو کر بیٹھ رہنا ان کے نزدیک پرلے درجے کی بزدلی تھی جس سے وہ شدید نفرت کرتے تھے۔

علم انساب میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، اگرچہ سارے عرب قبائل کو نسب دانی کا دعویٰ تھا مگر ان کو بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ ان کا فن اہل قریش کے مقابل ہیچ ہے، کیونکہ عکاظ کے میلے میں بارہا قبیلہ قریش نے ان پہ اپنی برتری ثابت کی تھی کہ وہی نسب دانی کے فن میں معزز ہیں۔ ایام جاہلیت میں ان کے ہاں نسبی ترجیح کے دعویٰ میں اختلاف پر ہی تلواریں چل جایا کرتیں اور یہ عداوت پشت در پشت چلا کرتی۔ علم الانساب یا نسب دانی کا تاریخ سے گہرا تعلق ہے بلکہ اس علم کے بغیر علم تاریخ بالکل بیکار رہے۔ چنانچہ عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات ہی وجود میں آئیں۔ اسلام سے پہلے عرب کے حکمران حیرہ کے بادشاہ نے اپنے حالات قلم بند کرائے جو ایک مدت تک محفوظ رہے۔ مشہور عرب مورخ ابن ہشام نے اپنی کتاب "**التیجان**" میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ عہد اسلام میں زبانی روایتوں کا بہت بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا تھا جو بعد میں تاریخ مرتب کرنے والوں کی راہنمائی کرتا رہا۔ چنانچہ تاریخ عرب پہ جو علمی سرمایہ بعد کے مسلمانوں کو دستیاب ہوا اس میں علم الانساب کے حوالے سے بھی کافی تصنیفات موجود تھیں اور ان کے مرتب کرنے والے بلند پایہ لوگ تھے۔

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "**الفاروق**" میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں عبید بن شربہ نامی شخص کو صنعا سے بلایا تاکہ اہل عرب کی تاریخ مرتب کی جاسکے۔ عبید بن شربہ نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا تھا اور اس کو عرب وعجم کے اکثر معرکے بھی یاد تھے۔ عبید بن شربہ کی مدد سے "**کتاب الملک**" مرتب کی گئی۔ اگرچہ قدیم "**کتاب الهند**" میں عبید بن شربہ کی متعدد تصنیفات کا ذکر موجود ہے۔

عبید بن شربہ کے بعد عواخہ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ کا نام قابل ذکر ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ عواخہ بن الحکم نے تاریخ عرب کے علاوہ خاندِ بنوامیہ اور خاص حضرت امیر معاویہؓ کے حالات پر بھی ایک کتاب لکھی جس کا بعد میں متعدد زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لیے دنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ ساتھ مذہبی عظمت وعقیدت کا مرکز بھی تھے۔ ان کے تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے ان لوگوں نے معاملات کو مختلف صیغوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، حجاج کی خبر گیری، شیوخ وقبائل کا انتخاب، فصل مقدمات، مجلس شوریٰ کے معاملات جیسے تمام اہم صیغوں پر اہل قریش ہی قابض تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ محکمہ سفارت بنوعدی کے پاس تھا جو حضرت عمرؓ کے جدِ اعلیٰ تھے۔ جب بھی باہر کے کسی قبیلے سے کوئی سفارتی معاملہ درپیش ہوتا تو اس کو عدی ہی کی ذمہ داری تصور کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عربوں میں پیش آنے والے مختلف معرکوں میں ثالث کا کردار بھی ادا کیا کرتے۔ اہل عرب میں دستور تھا کہ ان میں سے جب کسی کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا تو کسی لائق اور نسب شناس شخص کو ثالث بنایا جاتا جو مذکورہ شخص کی نسبی برتری کی تصدیق کرتا۔

چنانچہ سفارت اور ثالثی کے دونوں منصب نسلاً بعد نسلاً عدی کے خاندان میں چلے آتے ہیں۔ مشہور ایرانی مورخ جاحظ نے اپنی کتاب "**البیـــان و التتبیین**" میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ خود اور ان کے باپ خطاب اور ان کے دادا تینوں بہت بڑے ماہر انساب تھے۔ مصر کی مطبوعہ ایک اور تاریخ عرب میں بیان کیا گیا ہے کہ عرب میں فیصلہ، منافرہ اور سفارت موروثی منصب ہیں اور ان کے انجام دینے کے لیے علم انساب کا جاننا سب سے مقدم امر مانا جاتا تھا۔ جاحظ نے مزید لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے انساب کا فن اپنے باپ خطابؓ سے سیکھا تھا۔ جب کبھی وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کیا کرتے تو اپنے باپ کا حوالہ ضرور دیتے گویا آپ جدی نسب داں تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب حضرت

حسان بن ثابتؓ نے اہل کفار کے ان شاعروں کا جواب دینے کے لیے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی جو آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ان کا نسب جاننے کے لیے تم حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ ماہر انساب ہیں اور تم سے زیادہ جانتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی جدی ماہر انساب تھے۔اس ضمن میں عروہؒ کا قول ہے کہ میں ایام العرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ کسی کو ماہر فن نہیں جانتا۔اس کے علاوہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "**الفاروق**" میں بیان کیا ہے کہ علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا۔یہ حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا جو کئی پشتوں سے ان کے ہاں چلا آرہا تھا۔چنانچہ حضرت عمرؓ کی نسب دانی پہ دلیل پیش کرتا یہ واقعہ "**کتاب الخراج**" سے بیان کیا جاتا ہے۔

"حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب صحابہؓ کو روزینہ دینے کے لیے ایک فہرست مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے رائے پیش کی کہ حضرت عمرؓ کو مقدم رکھا جائے مگر حضرت عمرؓ نے ان سے اختلاف کیا اور کہا کہ ترتیب و رواج میں سب سے مقدم آنحضرت ﷺ پھر آپ کے تعلق داروں کے قرب و بعُد کا لحاظ رکھا جائے۔چنانچہ اس فہرست کو خاندان بنو ہاشم سے شروع کیا گیا اور اس میں بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتدا کی گئی۔بنو ہاشم کے بعد بنو امیہ قریب تھے۔ان کے بعد بنو عبد شمس، پھر بنو عبدالعزیٰ یہاں تک کہ حضرت عمر کا خاندان یعنی بنو عدی کا پانچواں نمبر تھا اور ان کو پانچویں نمبر پر ہی لکھا گیا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ ابن جریر طبریؒ نے بھی علم الانساب کے حوالے سے اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ سے منسوب کیا ہے جس میں بیان کیا گیا؛

"پندرہ ہجری میں جب حضرت عمرؓ نے فوج کو ایک منظّم ادارے کی صورت میں مرتب

کرنا چاہا تو انھوں نے اس فوج کی فہرست کی تیاری کے لیے مدینہ منورہ کے تین چوٹی کے نسب دانوں کا انتخاب کیا جن میں محترم بن نوفل، جبیر بن معطمؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ شامل تھے۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اہل عرب میں نسب شناسی ایک موروثی علم کی حیثیت میں موجود تھا اور ان دِنوں خاص کر یہ تین بزرگ اس فن میں ممتاز تصور کیے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان اصحاب کو بلا کر یہ خدمت ان کے سپرد کی کہ وہ تمام قریش اور انصار کا ایک ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام اور اس کا نسبی احوال مفصل طور پہ درج ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے ابتدائی طور پہ جو نقشہ تیار کیا اس میں اول بنو ہاشم، دوم حضرت ابوبکرؓ کا خاندان اور تیسرے نمبر پر حضرت عمر کے خاندان کو رکھا۔ ان کی یہ ترتیب خلافت وحکومت کے حوالے سے تھی تاہم حضرت عمرؓ نے ان سے اختلاف کیا اور ان کو کہا کہ وہ اس ترتیب کو بدلیں اور اس کا آغاز ذات مبارک آنحضرت محمد ﷺ سے کریں اور لوگ جو درجہ بہ درجہ آنحضرت ﷺ سے دور ہوتے گئے اسی نسبت سے ان کا نام آخر میں درج کرتے جاؤ یہاں تک کہ میرے قبیلے کی باری آئے تو میرا نام لکھو‘‘

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اہل عرب کے ہاں علم نسب دانی تفاخر کا سرمایہ تصور کیا جاتا۔ ’’**تاریخ العرب**‘‘ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کا احوال اور نسب تو چھوڑیں ان کو تو اپنے پسندیدہ گھوڑوں اور اونٹوں تک کی درجنوں پشتوں کا احوال یاد رہتا اور وہ مواقع فخر پہ اس کے بیان سے باز نہ رہتے۔ جاحظ کی تاریخ میں علم نسب دانی کے حوالے سے مزید بیان کیا گیا کہ تمام قریش میں اشعارِ عرب اور انساب واخبار کے حافظ چار تھے جن کے نام یہ ہیں (محترم بن نوفل، ابولہم، خویطب بن عبدالعزیٰ اور عقیل بن ابی طالب) اور یہ سب نسلاً قریش تھے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور محترمہ بن نوفل اور جبیر بن معطم قریش ہی کی ایک شاخ بنی نوفل سے متعلق تھے۔ چنانچہ اب یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اہل عرب کے ہاں فن حسبی یا علم الانساب ایک موروثی اور غیر معمولی فن تھا جس کی بنا پر ہی فہرستوں کی ترتیب وتکمیل حتیٰ کہ

سفارت فیصلہ منافرہ اور شیوخ قبائل وغیرہ کا انتخاب عمل میں لایا جاتا۔ یہ امر بھی اب کسی شک وشبہ سے ماوراء ہے کہ اہل قریش خصوصاً اس فن میں بہت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ گویا ہاشمی خاندان موروثی طور پہ اس فن کا وارث اور صاحب الرائے تھا۔ نیز یہ بات بھی واضح ہوچکی کہ علم الانساب کے بیان میں آنحضرت محمد کریم ﷺ کا نسب نامہ ہی سب سے پہلے بیان کیا جانا چاہیے اور یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں مقرر کیا گیا جس میں بعد میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ دولت مند صاحب الرائے اور فیاض تھے۔ مہاجرین اور انصار میں ان کا اثر عام تھا اور معززین مکہ ہر بات میں ان سے مشورہ کیا کرتے۔ یہ ان کا اثر و رسوخ ہی تھا کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہی کئی پائے کے لوگ ان کی ترغیب پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی دعوت پر لبیک کہا اور قافلہ حق کے مسافر بنے چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''کہ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا گروہ موجود تھا تاریخ کے تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کیا کرتے تھے۔ تفریح اور گرمئی صحت کے لیے مجالس میں گذشتہ لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا کہ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات اور رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جائیں اور یہی چیزیں ان کے ہاں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ تصور کی جاتیں۔ شاید اسی بنا پر عرب ترک، عجم، تاتار، ہندی، افغانی، مصری، یونانی غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں مگر اس عموم میں اہل عرب کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان کے ہاں علم تاریخ ہی کے سلسلے سے متعلق چند ایسی باتیں پائی جاتیں تھیں جن کا تذکرہ دوسری قوموں کی تاریخ میں موجود نہیں مثلاً علم الانساب کا چرچا۔ گویا اس حوالے یہ امر تصدیق شدہ ہے کہ اہل عرب کو دیگر دنیا پر تاریخ نویسی میں اس حوالے سے افضلیت حاصل ہے کہ ان کے ہاں علم الانساب کا بہت چرچا تھا جبکہ دیگر اقوام کی تاریخ اس امر سے خالی رہی اور یہ فن انھی سے خاص تھا اور ان کے

ہاں انساب کا یاد رکھنا ہی سب سے اہم امر تھا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ ابن خلدون کے ہاں بھی اہل عرب کے علم الانساب کا تذکرہ موجود ہے اور انھوں نے اپنی مشہور تاریخ" **تاریخ ابن خلدون** "میں بیان کیا ہے کہ علم الانساب یعنی نسب کی جمع کا شعور اور لغات وحفظ رکھنے کا طریقہ مضر، قریش، ثقیف، بنی اسد، حزیل اور خزامہ وغیرہ میں عام تھا۔اس کے دیگر اسباب میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اہل عرب کے یہ قبائل تنگ حال اور تنگ عیش تھے مگر اپنی سرزمین چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ان کے پاس قابل کاشت زمین تھی اور نہ ہی جانوروں کے بڑے ریوڑ اس کے باوجود وہ اپنے ان لق ودق صحراؤں کو چھوڑ کر عراق وشام کے سرسبز میدانوں کی طرف ہجرت کرنے سے انکاری تھے۔یہی وجہ تھی کہ ان کے ہاں اختلاط نسل کی نوبت نہ آئی اور ان کی نسل خالص ہی رہی جو ان کا سرمایہ افتخار تھا۔اگرچہ یہ قبائل آپس میں ترویج کر لیتے تھے مگر اس سے ان کے نسب میں کسی طرح کا شک وشبہ پیدا نہ ہوتا تھا۔چنانچہ اہل عرب اپنے کسی ساتھی کی شرافت نسب میں مدح کرتے تو کہتے کہ "ھو احسن نسبا تمیم" یعنی تمیم کا نسب احسن ہے۔زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کو اپنی نسبت پر فخر وناز کا مرض لاحق تھا اس لیے ان کے درمیان اکثر اوقات تنافر اور تفاخر کی مجالس بپا رہتیں اور شاید ان کی ایسی ہی دلچسپیوں کی وجہ سے ان کے اخلاق پست تھے اور بہ حیثیت قوم وہ حالت جمود میں زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔اہل عرب کے ہاں اگرچہ ذہانت، شجاعت ،فراست، ایفائے عہد غیرت، فصاحت وبلاغت اور سخاوت جیسے عمدہ اوصاف بھی موجود تھے مگر وحی الٰہی کی عدم پیروی کی وجہ سے ان کے اندر جس اخلاقی خلا نے جنم لیا تھا اُس نے اِس غیور قوم کو اخلاقی پستی کے اس اندھے غار کی طرف دھکیل دیا جس کے حالات مورخین نے بکثرت بیان کیے ہیں جو اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ ان شاء اللہ

تاریخ عرب قبل از اسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے جو خطہ عرب میں مقیم ہوئے۔ اللہ نے ان کو برکت عطا کی۔ وہ پھلے پھولے اور بہت جلد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب بھر میں پھیل گئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا فرزند قیدار بہت نامور ہوا جس کی اولاد خاص مکہ میں مقیم ہوئی اور اس نے ہر طرح سے کعبۃ اللہ کا حق ادا کیا جو دنیا میں توحید کی واحد درسگاہ تھی۔ ظہورِ اسلام تک عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد مقیم تھی۔ بنو عدنان اور بنو قحطان دراصل اسماعیلی قبائل ہی تھے جو ملک عرب کے اصل باشندے تھے۔ عدنانی اور قحطانی قبائل سارے عرب میں اور حدود حجاز سے باہر یمن سے شام تک دور دور پھیلے ہوئے تھے۔ خال خال یہودی قبائل بھی آباد تھے جن کی اکثریت یثرب اور خیبر کے علاقوں میں مقیم تھی۔ اہل عرب کی تاریخ کے بیان میں چونکہ عدنانی اور قحطانی قبائل کا ذکر کثرت سے آئے گا اس لیے ذیل میں ان کا ایک مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

خاندان بنوقحطان کی تین بڑی شاخیں تھیں جو بہت سے قبائل پر مشتمل تھیں

۱۔بنوقضاعہ ۲۔بنوکہلان ۳۔بنوازد

خاندانِ بنوقحطان کی مشہورشاخوں یا قبائل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بنوکلب، بنوتنوخ، بنوجرم، بنوجہنیہ، بنونہد، بنوعذرہ، بنواسلم، بنوتغلب، بَلِی، بنوسلیح ضجعم، بنونمر، تیم اللات اور بنواسد۔

خاندان بنوقحطان میں کہلان نامی خاندان بھی بہت سے معروف قبائل پر مشتمل تھا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

بجیلہ، جذام، کندہ، ہمدان، عاملہ، جزام، خشم، مذحج اور مشہور سخی حاتم طائی کا قبیلہ طے بھی بنوکہلان ہی کی ایک شاخ تھی۔

قبیلہ ازد کی شاخیں درج ذیل ہیں۔

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان اور دوس قبائل کا تعلق بنوازد سے تھا۔ چنانچہ انصار بنوازد ہی تھے جن کے پاس آنخضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے تشریف لے گئے تھے اور جنھوں نے ان کی حفاظت اور معاونت کا عہد کیا۔ کچھ علمائے انساب نے قبیلہ حمیر کو جو یمن کے حکمران تھے کو بھی بنوازد میں ہی شامل کیا ہے۔

عدنانی قبائل مضر کی اولاد تھے جو بعد میں عرب کے دومشہور خاندانوں میں منقسم ہوئے یعنی بنوخندف اور بنوقیس۔

خاندان بنوخندف کے مشہور قبائل اوران کی شاخوں کی تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں بنو خندف کے مشہور قبائل یہ ہیں۔

ان میں ہذیل، کنانہ، اسد، مزنیہ، رباب، تمیم، ہون جیسے قبائل شامل ہیں، اب ان قبائل کے مشہور خاندانوں کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔

بنوکنانہ کے مشہور خاندانوں میں قریش اور دول شامل ہیں۔قریش جو شانِ عرب تھے جن میں نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔

بنو رباب میں عدی، تیم، عکل اور ثور نامی خاندانوں نے شہرت حاصل کی۔

تیم کے مقبول خاندان یہ ہیں،، مقاعس، یربوع، بہدلہ، ریاح، کلیب، ثعبلہ اور

بنو قیس بھی اولاد مضر تھے۔ بنو قیس کے مشہور قبائل یہ ہیں۔

عداون، غفطان، اعصر، سیلم اور ہوازن۔

بنو قیس کے یہ قبائل بھی بہت سے معروف خاندانوں پہ مشتمل تھے جن کی اہل عرب میں بہت اہمیت

تھی ان کے مشہور خاندانوں کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

قبیلہ غفطان کے مشہور خاندان یہ ہیں۔

عبس، ذیبان، فزارہ، مرہ،

اعصر میں مندرجہ ذیل خاندان شامل ہیں۔

غنی اور باہلہ۔

قبیلہ ہوازن بہت پھلا پھولا اور اس میں بہت سے مشہور خاندان شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

بنوسعد، بنو عامر، بنو نصر، بنی سلول، بنی ثقیف، بنو خثیم،

بنو عامر کی مزید شاخیں یہ ہیں۔

بنو ہلال، بنو نمیر اور بنو کعب۔

ان کے علاوہ جزیرہ عرب میں کچھ یہودی قبائل بھی آباد تھے جن کے نام یہ ہیں۔

بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ [1*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مشہور فرانسیسی مورخ موسیو لیبان (Leban) نے تاریخ وتمدن عرب پہ کئی کتابیں لکھیں ہیں۔ انھوں نے تمدنِ عرب پہ بحث کے دوران اصولِ عمرانی کی بنا پر اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ کسی زمانے میں عرب کا تمدن اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا کیونکہ اصول ارتقاء سے یہ بات ثابت ہے کہ کوئی قوم محض حالتِ وحشت سے یک لخت اعلیٰ درجہ کی تہذیب وتمدن حاصل نہیں کرسکتی اور حقیقت یہ ہے کہ اسے محض ایک قیاسی خیال قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے پیچھے بہت سی تاریخی روایات بھی موجود

ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے جیسے کہ یمن وغیرہ نے ایک دور میں ترقی کے اوجِ کمال تک سفر کیا تھا۔ اہل مغرب کے وہ محققین جنھوں نے بعد کے زمانوں میں کھدائی کے دوران ان علاقوں سے کتبے اور دیگر شواہد جمع کیے وہ یمن کی قدیم تہذیب وتمدن کا اعتراف فراخ دلی سے کرتے ہیں۔ یورپی محقق اور آثار قدیمہ کے ماہر (Mooler) نے ان علاقوں سے ملنے والے کتبات اور آثار کے مشاہدے سے جنوبی عرب پہ حکمران قدیم خاندانوں کے پچیس سے زائد ناموں کا ذکر کیا ہے جو عرب کے طاقتور اور متمدن حکمران ہو گزرے ہیں اور جن کا ذکر اشعارِ جاہلیت میں بھی کثرت سے مذکور ہے۔

اہل عرب کی تاریخ بیان کرنے کے لیے ماخذ کم ہیں۔ مورخین کو عہد جاہلیت کی چند ہی تصنیفات دستیاب ہو سکیں جن کا تذکرہ ابن ہشام نے کیا ہے۔ ورنہ مورخین کا زیادہ تر انحصار انھی زبانی روایات پر تھا جو قدیم زمانوں سے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آ رہیں تھیں یا پھر اشعارِ جاہلیت کا وہ وسیع ذخیرہ تھا جو اسلام کی آمد تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آ رہا تھا۔

اہل عرب کی تاریخ مرتب کرنے والے لوگوں نے اشعارِ جاہلیت پہ بہت زیادہ انحصار کیا کیونکہ یہی وہ واحد صنف تھی جس میں قدیم زمانوں کے تمدنی، سیاسی، تہذیبی اور عقائدی احوال کا تفصیلی تذکرہ موجود تھا۔ حتیٰ کہ عرب کی معدوم اقوام مثلاً "طسم جدیس اور عاد و ثمود کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایات محفوظ تھیں کہ مورخین اسلام نے عرب کی تاریخ پہ کئی کتابیں تحریر کیں جو آنے والے زمانوں میں لوگوں کی راہنمائی کرتی رہیں۔ اس سلسلے میں ابن ہشامؒ اور کلبیؒ نے مبادیات تاریخ فراہم کیں۔

علامہ کلبیؒ نے اہل یمن کے قدیم تمدن اور سلاطین عرب پر بھی سیر حاصل بحثیں کی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اہل عرب میں کوئی خاص نظم حکمرانی نظر نہیں آتا مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اہل عرب ہمیشہ سے اصول حکمرانی سے نابلد تھے۔ اس لیے کہ ماضی میں خطہ عرب کئی متمدن ریاستوں سے آشنا رہ چکا تھا جنھوں نے صحرائے عرب اور اس سے ملحق علاقوں میں برسوں بلکہ صدیوں حکومت کی۔ عرب مورخ علامہ ہمدانی نے اپنی مشہور کتاب "**اکلیل**" میں سلاطین حمیر پر خاص ایک باب باندھا ہے جس کا ماخذ آثارِ قدیمہ اور حمیری کتبات ہیں اس کے علاوہ روم اور یونان کے مورخین کے ہاں بھی اہل عرب کی تاریخ پہ سیر حاصل کام ہوا جس نے بعد میں آنے والی اقوام کے لیے مشعل راہ کا کام دیا۔ اس سلسلے میں رومی مورخ (Planie) اور یونانی مورخ (Frastes) کا نام علمی حوالے سے

بہت آشنا قرار دیا جاسکتا ہے۔سبا اور حمیر کے قدیم حکمران قبائل کی عظمتِ اقتدار اور وسعتِ فتوحات کا ذکر بھی اہل عرب کے جاہلی ادب میں اس قدر متواتر ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں۔عرب مورخین تو اس بات کا بھی دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ ایک زمانے میں سلاطین حمیر نے ایران کے اکثر دور دراز کے صوبے بھی فتح کر لیے تھے۔اس زمانے کے بکثرت سنگی کتبے بھی اسی امر کی دلالت کرتے ہیں۔اس سلسلے میں گذشتہ نصف صدی میں چھپنے والا لٹریچر پڑھنے سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ اہل مغرب قدیم عرب کے اعلیٰ تمدن کے اسی طرح داعی ہیں جس طرح کہ عرب مورخین علامہ ثعلبیؒ اور علامہ ہمدانی نے بیان کیا ہے۔چنانچہ ایک جرمن مفکر (Pro Noledxy) اہل عرب کی تاریخ پہ کچھ اس طرح رقمطراز ہے؛

''ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل جنوبی اور غربی عرب میں طاقتور عرب حکمران تھے اور یہ علاقہ حمیر اور سبا کا علاقہ کہلاتا تھا۔ان کے موسم اگرچہ سخت گرم تھے مگر یہی گرمی یہاں موسلا دھار بارشوں کا باعث بھی بنتی تھی جس کے نتیجے میں ان کی زمینیں نرم اور زرخیز ہو جاتی تھیں۔ ان کا سارا علاقہ زراعت کے لیے نہایت زرخیز ہو چکا تھا جس کی وجہ سے قوم میں عام خوشحالی کا دورہ تھا اور ان کا تمدن وسعت اور رفعت کی جانب گامزن تھا جس کا ذکر یہاں سے ملنے والے کثیر کتبات فراہم کرتے ہیں۔ان کا فنِ تعمیر آج کے جدید انسان کو بھی حیرت میں مبتلا کر دے کہ قوم عاد و ثمود نے سنگی ستونوں پر بلند و بالا عمارات ایستادہ کیں اور پہاڑوں کو تراش کر فن تعمیر کو نئے پہلوؤں سے آشنا کیا۔ان کے کھنڈرات آج بھی ان عمارات کی عظمت پر دلیل فراہم کرتے ہیں۔ان کے نظارے آج بھی جذباتِ مدح و ستائش کو تحریک فراہم کرتے ہیں۔اہل یونان و روم کے مورخین نے اہل عرب کو ''دولت مند عرب'' کا لقب دیا تھا۔ مورخین کے علاوہ قرآن اور دیگر الہامی صحائف بھی قدیم عربوں کی عظمت پہ گواہی پیش کرتے ہیں۔تورات میں متعدد ایسی عبارتیں موجود ہیں جو سبا کی عظمت اور شوکت کو بیان کرتی ہیں۔باب سلاطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کی ملاقات کو کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور قوم عاد و ثمود کی تمدنی رفعتوں اور عقائدی پستیوں کا ذکر قرآن میں تفصیل

سے مذکور ہے۔ پھر قوم نابت کا تذکرہ بھی عرب مورخین کے ہاں بالعموم موجود رہا ہے۔ نابت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے تھے جنھوں نے عرب میں مستحکم حکومتیں قائم کیں۔ قوم نابت غالباً اہل ثمود کی باقیات سے تھی اور انھوں نے اپنے تمدن کی اولیات اہل ثمود سے ہی حاصل کیں تھیں اور کتابت کا فن جو سبائیوں نے ابتدائی زمانوں میں شمالی علاقوں سے حاصل کیا تھا اب اس کو خود انھوں نے عرب کے اکثر حصوں میں جاری کر دیا تھا۔ اس فن کو ایک طرف دمشق اور دوسری طرف ابی سینیا تک پھیلا دیا تھا جس کی بدولت بعد میں اہل عرب کی فصاحت و بلاغت کو وہ عروج حاصل ہوا کہ اہل عرب خود کو زبان داں اور ہر غیر عرب کو عجمی یا گونگا کہا کرتے تھے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم نابت کی حکومت حدود شام سے متصل تھی جو قوم ثمود کی مرادف اور قائم مقام تھی۔ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مسئول تھا بلکہ حجاز و نجد کے بڑے صوبے بھی نابتی قبائل ہی کے زیر تصرف تھے۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز تھے وہیں بنو اسماعیل سے ہونے کا احساسِ تفاخر بھی ہر دم ان کے ہم قدم تھا۔ وہ بیرونی خطرات سے نبٹنے کے لیے ہر دم مستعد رہتے۔ نابتی نہایت جنگجو اور پر مشقت قوم تھے جس کی بنا پر انھوں نے اپنی ریاست کو استحکام بخشا۔ مورخین نے شام و فلسطین میں ان کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازوں پر ان کی راہزنی کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران و شام سے متصل تھے ان میں بھی اہل عرب کی متمدن ریاستیں قائم تھیں۔ مثلاً حیرہ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا یا حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا۔ ان علاقوں میں بھی تہذیب و تمدن کے آثار ملتے ہیں۔ مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ سمرقند کا شہر ان یمنی فاتحین نے آباد کیا تھا جنھوں نے ایران کو فتح کیا تھا۔ یمن اور اس سے ملحق علاقوں میں بکھرے بکثرت کھنڈرات ان کے ماضی کا تمدن بہ زبان عبرت بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ مورخین نے ان آثار کی تاریخ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تاہم ریگزارِ عرب میں اسلام کی بازگشت سے بہت پہلے ہی اہل عرب کی قدیم اور متمدن ریاستیں تاریخ کے دھارے میں بہہ چکی تھیں اور اب ان کا طرزِ زیست محض ان روایات پر مبنی تھا جو قبائلی نظام

عصبیت پر مبنی تھا۔ خطہ حجاز میں اب صرف چند بڑے سردار حکمران رہ گئے تھے جن کا تذکرہ اہل تاریخ کے ہاں موجود ہے۔ یمن میں عرب سردار حکمران تھے جن کو مقول کہا جاتا تھا۔ عراق میں ابھی آل منذر کی حکومت قائم تھی تاہم وہ اہل فارس کے زیر اثر تھے۔ حدود شام میں غسانی خاندان بھی حکومت کر رہا تھا جو نسلاً خالص عرب ہونے کے مدعی تھے تاہم وہ بھی مطلق العنان حکمران نہ تھے بلکہ قیصر روم کے حواری کے طور پہ جانے جاتے تھے اور ان کی اکثر آبادی نے عیسائیت کو بھی قبول کر رکھا تھا۔

رومی بالعموم اہل عرب کو اپنی ریاست کی حدود سے دور ہی رکھتے۔ تاہم سرحدی علاقوں میں عرب قبائل کی لوٹ مار سے محفوظ رہنے کے لیے انھوں نے اہل عرب ہی سے مدد حاصل کی اور غسانی قبائل کے اثر و رسوخ کو استعمال کیا۔ چنانچہ قیصر روم نے اہل غسانہ سے حارث کو ملک یا بادشاہ کا لقب عطا کیا اور اس کی قوت میں اضافہ کیا۔ دراصل رومی قیصر اس سے دو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے ایک تو یہ کہ وہ عرب کے بدو قبائل کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور دوسرے وہ اہل حیرہ کے مقابل ایک طاقتور عرب حکمران کو کھڑا کرنا چاہتے تھے جو اہل فارس کے حریف تھے۔ جس کے بعد غسانی خاندان کے سربراہ حارث اور حیرہ کے عرب حکمران منذر کے درمیان ٹھن گئی اور ان دو عرب قبائل کے درمیان تین نسلوں تک جنگ و جدل کا میدان کارزار گرم رہا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ آلِ غسان اور آلِ منذر کے درمیان شروع ہونے والی یہ کشمکش ۵۴۴ء سے شروع ہو کر ۶۲۸ء تک جاری رہی حتیٰ کہ صحرائے عرب کے سلگتے ویرانوں میں توحید کا ابدی نغمہ گونجا جس کے بعد اہل عرب کو وہ سماجی، تہذیبی، اخلاقی، عقائدی اور عسکری رفعت عطا کی گئی کہ دور دور تک دنیا ان کے قدموں میں سمٹنے لگی اور اہل عرب جو کل تک ایک دوسرے کے دست بہ گریباں تھے اب ان کی تربیت اس نہج پہ ہوئی کہ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے انسانوں کو اس ابدی پیام فلاح سے روشناس کرایا جائے جس نے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا تھا، جس نے ان کے دلوں کو موڑ دیا تھا، جس نے ان کی اندھیری راتوں میں اجالا کر دیا تھا، جس نے اہل عرب کو صحرا نوردی اور گلہ بانی سے اٹھا کر جہانبانی کا منصب سونپ دیا تھا۔

العرب البائدہ

کہتے ہیں انسان نے جب سے شعوری ارتقاء کا سفر شروع کیا ہے وہ تب سے ہی اپنی سماجی تعمیر میں مصروف عمل ہے۔گزرنے والے ہر دن نے اسے زندگی کے نئے پہلوؤں سے آشنا کیا۔اس کے شعور نے اسے وہ فکری مقام عطا کیا جہاں اسے اپنی زندگی میں اس خلا کا احساس حاصل ہوا جو خالق کی دوری سے پیدا ہوتا ہے۔وہ سماجی طور پہ پختہ کار ہو گیا مگر روحانیت سے عاری اس زندگی میں ایک کسک،ایک کمی نے ہر دم اس کا احاطہ کیے رکھا کہ کوئی معبود ہے جو اس کی نظروں سے اوجھل ہے۔کوئی ہے جو اس کے کام بناتا ہے کوئی ہے،جو اس کی مشکلات پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔کوئی ہے جو اس کی پوجا و پرستش کے لائق ہے۔کوئی ہے جو برتر قوتوں کا مالک ہے۔کوئی ہے جو اسے زندگی کا ڈھنگ سکھاتا ہے۔کوئی ہے جو اس سے محبت کرتا ہے تو فطری طور پہ انسان اس محبت کا جواب دینے کے لیے بے چین تھا اور اس کی اسی بے چینی کو دور کرنے کے لیے اللہ کے پیغمبر ہر دور میں انسان کی راہنمائی کرتے رہے۔مگر انسانی تہذیب کا یہ پہلو نہایت عجیب ہے کہ جب کبھی بھی اللہ کے پیغمبر اللہ کا پیغام لے کر انسانوں کی طرف اترے تو انسان نے کم ہی اس کا والہانہ

جواب دیا بلکہ اس کے برعکس اکثر و بیشتر وہ اپنے آباء کے قائم کیے ہوئے بوسیدہ رستوں کو چھوڑنے پہ آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ گردش لیل ونہار نے ایسی بہت سی اقوام کا مشاہدہ کیا ہے جنھوں نے نہایت شدت سے اللہ کے انبیاء کا انکار کیا اور اس کی پاداش میں انھیں خالق کے قہر کا سامنا کرنا پڑا۔ عرب بائدہ دراصل کچھ انھی اقوام کی داستان ہے جو خطہ عرب میں قدیم زمانوں سے آباد تھے مگر خالق کے امر سے انکاری تھے۔ جن کو خالق نے زمین کے سینے کا بوجھ قرار دیتے ہوئے فنا کی وادی میں اتار دیا اور اب وہ تاریخ عالم میں محض چند نام ہیں جو مغضوب تصور کیے جاتے ہیں، یا چند آثار ہیں جن کو کبھی بھی نگاہ تحسین سے نہیں دیکھا جاتا، چند کتبے، صحرائے عرب کے ویرانوں میں بکھرے چند کھنڈر اور اہل عرب کی قدیم داستانوں میں ان کا تذکرہ ہی ان اقوام کا بچا کچھا اثاثہ ٹھہرا۔ ان کا ذکر اب ایک بھولی بسری داستاں بن چکا ہے اور یہ ذکر بھی آج صرف اس لیے زندہ ہے کہ آسمانی کتابوں نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے ان کی داستان عبرت کا تذکرہ کیا ہے۔

مورخین اور اہل عرب کے جاہلی ادب میں ان قوموں کے احوال قدرے تفصیل سے مذکور ہیں۔ جن قبائل کو آج ہم عرب بائدہ کے نام سے جانتے ہیں ان میں سے چند مشہور قبائل یہ ہیں۔ قوم عاد قوم ثمود، طسم، جدیس اور جرہم اولیٰ، خطہ عرب میں بسنے والی یہ قدیم اقوام اب صرف روایات اور قدیم داستانوں میں زندہ تھیں۔ اگرچہ کبھی وہ تمدن کی رفعتوں کو چھوتی تکبر کی اس حد سے گزری تھیں جہاں خالق کے عتاب نے اِن کو آلیا۔ مورخین کی تحقیق اور جاہلی دور کے عرب شعرا سے اس امر کی توثیق ہوتی ہے کہ عرب بائدہ جو جزیرہ نمائے عرب کے قدیم باسی تھے وہ حضرت نوحؑ کی اولاد تھے جو طوفان نوح میں بچ رہے۔ طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد نے سکونت کے لیے جزیرۃ العرب کا انتخاب کیا۔ وہ خطہ عرب کے زرخیز اور ساحلی علاقوں میں پھیل گئے۔ عرب بائدہ اصل میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں حام اور سام کی اولاد تھے جو خطہ عرب کے قدیم مکین تصور کیے جاتے ہیں۔ وہ عرب کے مختلف خطوں میں بس گئے تھے جس کی تفصیل مورخین کے حوالے سے ہم تک پہنچی ہے۔ چنانچہ خلیج فارس کے زرخیز ساحلوں اور وسیع میدانوں میں آل نوح سے کوش کی اولاد آباد ہوئی۔ رودِ فرات کے جنوبی علاقہ پر جرھم اول کی اولاد نے قبضہ جمایا اور بحرین کے گردونواح کو لود اور اس کے بیٹوں نے اپنا مسکن بنایا۔ حضر موت اور یمن

کے میدانوں پر آلِ عاد متصرف ہو گئے۔ جدیس اور اس کی اولاد نے وادیٔ عرب کو اپنا مسکن بنایا۔ جبکہ شام کی جنوبی سرحدوں سے لے کر اندرون عرب کی شمالی حدود تک قوم ثمود آباد ہوئی۔ یہ سب عرب بائدہ تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں حام اور سام کی اولاد تھے۔ عرب البائدہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ان سات افراد کی اولاد تھے جو قدیم عرب کے باسی تھے۔ مورخین نے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ان سات افراد کے نام یوں لکھے ہیں۔

کوش حام کے بیٹے اور حضرت نوح کے پوتے تھے، عیلام اور لود بھی حضرت نوح کے پوتے اور ان کے دوسرے بیٹے سام کی اولاد تھے اور سام کے بیٹے ارم کی اولاد کو ہی عادِ ارم کہا جاتا ہے جن کی طرف اللہ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا مگر انھوں نے اللہ کے نبی کا انکار کیا اور تباہ کیے گئے۔ پھر ارم جو حضرت نوحؑ کے پوتے تھے ان کے بیٹے عامر کی اولاد سے قوم ثمود اور جدیس نے جنم لیا اولاد جدیس کے حالات تو تاریخ کے اندھیروں میں کہیں کھو گئے مگر قوم ثمود کو قرآن نے داستانِ عبرت کی صورت زندہ رکھا۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو معمور کیا گیا مگر اس قوم نے اللہ کی نشانی دیکھ لینے کے باوجود انکار کی روش اختیار کی اور آخر کار زمین کے سینے سے نابود کر دی گئی [2*]۔

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آل سام انھی علاقوں تک محدود رہی ہوں گی۔ اندرون عرب کے تاریخی حالات قدرے اندھیرے میں ہیں چونکہ ساحلی اور زرخیز میدانوں میں بسنے والی اقوام نے تمدنی اور عسکری ترقی کی منازل طے کیں اور ناموری حاصل کی۔ اس لیے ان کا تذکرہ تاریخ عالم میں محفوظ رہا مگر ریگستانوں اور عرب کے دیگر ویرانوں میں بسنے والے قبائل عسرت اور تنگدستی کا شکار رہے جس کی وجہ سے وقت کی راکھ میں کہیں کھو کر رہ گئے کیونکہ تاریخ کی روایت یہ ہے کہ وہ نامور اور معروف افراد یا قوموں کو ہی اپنے صفحات میں جگہ دیتی ہے۔ خطہ عرب کی قدیم بادشاہتوں میں عاد و ثمود تو عذاب الٰہی کا شکار ہوئے اور حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیئے گئے تاہم نبط، تدمور اور لحیان کی عظیم الشان بادشاہتیں بھی طلوع اسلام سے قبل معدوم ہو چکیں تھیں۔ نبطی اور تدمور کی بادشاہتیں عربوں نے قائم کی تھیں اور یہ خاص طور پہ جزیرہ نما عرب کی سرحدوں پر واقع ہوئیں تھیں۔ ثمود اور لحیان کی بادشاہتیں نسبتاً اندرونِ عرب کی ریاستیں تھیں کیونکہ ان کا محل وقوع شمال مشرقی حجاز اور وسطی عرب کا بڑا حصہ تھا۔ اسی طرح شمال اور مشرقی عرب کی غسانی اور لخمی بادشاہتیں بازنطین اور فارس کی سرحدوں پر واقع ہونے کی وجہ سے سرحدی

ریاستیں تھیں جب کہ وسطی عرب کی کندہ بادشاہت ایک اندرونی ریاست تھی۔طلوع اسلام کے وقت غسانی،لخمی اور کندہ کی بادشاہتیں موجود تھیں جو اسلام کے سیلابِ حق میں ڈوب کے رہ گئیں اور مسلمان سالاروں نے ان کو اسلامی قلمرو میں شامل کرلیا۔

قوم عاد

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد نے خطہ عرب میں کئی پرشکوہ حکومتیں قائم کیں۔قوم عاد نے عرب کے اسی دور اول میں عظمت حاصل کی۔قوم عاد کے جدِ امجد عاد بن عوص تھے جنھوں نے اول اول احقاف کے علاقے میں سکونت اختیار کی جو یمن اور یمامہ کا درمیانی علاقہ تھا۔تاہم انھوں نے حجاز کو اپنا مرکز قرار دیا۔پھر ان کی اولاد نے خوب ترقی کی اور وہ احقاف سے نکلے اور جزیرۃ العرب کے شمالی اور مشرقی حصوں میں بھی پھیل گئے [3*]۔قوم عاد کو عرب کی قدیم ترین قوم قرار دیا جاتا ہے جس کے افسانے اہل عرب میں زبان زدِ عام تھے۔ان کا بچہ بچہ قوم عاد کی تاریخ سے آشنا تھا۔قوم عاد کی شوکت و حشمت ضرب المثل تھی۔پھر دنیا سے ان کا نام ونشان تک مٹ جانا بھی ضرب المثل ہو کر رہ گیا کہ عربوں میں اب ہر قدیم چیز کے لیے ''عادی'' کا لفظ بولا جانے لگا۔آثار قدیمہ کے ماہرین کو آج تک عادیّات کہا جاتا ہے۔اہل عرب کے ہاں جس زمین کے مالک نابود ہو چکے ہوں یا وہ آباد کاروں سے خالی ہو اس کو ''عادی العرض'' کہا جاتا۔اہل عرب کے قدیم جاہلی ادب میں قوم عاد کا مفصل تذکرہ موجود ہے اور عرب کے ماہرین انساب بھی اپنے خطہ کی معدوم شدہ اقوام

میں سب سے پہلے قوم عاد ہی کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ بنی ذہل بن شیبان کا ایک شخص حاضر ہوا جو ان علاقوں میں مقیم تھا جو کبھی قوم عاد کے تصرف میں تھے۔ اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کو ان تمام روایات سے آگاہ کیا جو قدیم زمانوں سے ان کے ہاں قوم عاد کے متعلق سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھیں۔ قوم عاد کا مسکن احقاف حجاز یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقعہ ہے۔ قوم عاد ایک طاقتور اور جنگجو قوم تھی اس لیے جلد ہی انھوں نے یمن کے مغربی ساحل سے لے کر عمان اور حضر موت تک اور پھر حضر موت سے عراق تک اپنی طاقت کا سکہ رواں کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا مگر عروج اور خوشحالی نے قوم عاد کو مغرور بنا دیا تھا اور وہ شرک کے قبیح مرض میں بھی مبتلا ہو چکے تھے جس کی وجہ سے عاد کے متکبر سرداروں نے قوم کو حضرت ہودؑ کی دعوت قبول کرنے سے روک دیا اور اسی بنا پر آخر اللہ کے عذاب نے اُن کو آلیا۔ تاریخی حیثیت سے طلوع اسلام کے وقت اس قوم کے آثار دنیا سے ناپید ہو چکے تھے مگر جنوبی عرب میں کہیں کہیں کچھ پرانے کھنڈر ضرور موجود ہیں جنھیں قوم عاد سے نسبت دی جاتی ہے۔ قوم عاد تین بتوں کی پرستش کیا کرتی جن میں سے ایک کا نام صدا تھا، دوسرے کا نام صمود اور تیسرے کا نام ہبا تھا۔

اللہ کے نبی حضرت ہودؑ بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح [4*] نے ان کو اللہ کی واحدانیت اور عبادت کی طرف بلایا اور انھیں کمزوروں پر ظلم کرنے سے باز رہنے کی تاکید کی۔ حضرت ہود علیہ السلام ایک مدت تک قوم عاد کو فلاح اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے مگر قوم عاد انکار کی ضد پر اڑی رہی جس پر اللہ کی طرف سے ان پر قحط سالی کا عذاب مسلط کیا گیا۔ مسلسل تین سال تک ان کے ہاں بارش کا ایک قطرہ تک نہ برسا تو قوم عاد کے سرداروں کو تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے ستر افراد کا ایک قافلہ اپنے پانچ سرداروں کی راہنمائی میں مکہ روانہ کیا تاکہ وہ معاویہ بن بکر کے پاس جائیں اور ان کے ساتھ مل کر بارش کے لیے دعا کریں۔ مورخین نے عاد کے ان سرداروں کے نام تحریر کیے ہیں ان میں قیل بن عتر، لقیم بن ہزال، مرثد بن سعد، جلہمہ بن الخیری اور نعمان بن عاد شامل تھے [5*]۔ قوم عاد کا یہ قافلہ جب مکہ کے سردار معاویہ بن بکر کے پاس پہنچا تو اس نے ان کا خوب اکرام کیا کہ وہ سب اس کے عزیز و اقارب تھے۔ کیونکہ معاویہ بن بکر کی شادی آلِ عاد سے لقیم بن ہزل کے ہاں ہوئی تھی۔ قوم عاد کا یہ وفد معاویہ بن بکر کے ہاں اترا اور دیر تک اس کے ہاں ٹھہرا رہا کہ یہاں ان کو نہ گوشت کی کمی تھی اور نہ ہی شراب کی۔ پھر معاویہ بن بکر کی خوبصورت لونڈیاں

صبح وشام ان کے لیے رقص وسرور کی محفل سجاتیں جس کی وجہ سے وہ سست پڑ چکے تھے اور اپنے اس مقصد کو بھی قدرے فراموش کر چکے تھے جس کے لیے وہ دور دراز سے سفر کر کے مکہ پہنچے تھے۔ادھر مکہ کے سردار معاویہ بن بکر کو بھی ان کا یہ طویل قیام ناگوار گزر رہا تھا مگر عرب کی روایتی مہمان نوازی کی وجہ سے اس سلسلے میں وہ ان سے براہ راست کچھ کہنے سے بھی گریزاں تھا۔معاویہ بن بکر کو ان لوگوں کی بھی فکر تھی جن کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے اور جو قحط سالی کا شکار تھے۔معاویہ بن بکر نے اپنی اس پریشانی کا ذکر اپنی لونڈیوں سے کیا تو انھوں نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ آج جب وہ ان کے لیے رقص وسرور کی محفل سجائیں گی تو اشعار میں ان کو اس طرف متوجہ کیا جائے گا۔چنانچہ معاویہ بن بکر نے ان کے لیے چند اشعار موضوع کیے جن کو آج تک عربوں کی فصاحت اور بلاغت کے حوالے کے طور پہ پیش کیا جاتا ہے۔مورخین نے ان اشعار کو محفوظ رکھا جو یہاں پیش کیے جارہے ہیں۔

الا یا قیل ویحك قم فیهنم
لعل اللّٰہ یسقینا غما ما

”آگاہ رہو اے قیل! ہلاکت ہو تمھارے لیے اٹھو اور جاؤ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بادلوں سے سیراب کردے“۔

فیسقی ارض عادِ ان عاداً
قد امسوا لا یبینون ا کلاما

”عاد کی سرزمین کو سیراب کردے کیونکہ عاد بات کرنے کی طاقت نہیں رکھتے“۔

من العطش الشدید فلیس نرج

بہ الشیخ الکبیر و لا ا لغلاما

''ان کی عورتیں پہلے خیر وعافیت سے تھیں اب بیوہ اور مسکین ہو چکی ہیں''۔

وقد کانت نسالو ھم بخیر

فقد امست نساؤ ھم عیامیٰ

''اگر چہ یہاں تم خیر سے ہو اور تم کو دن اور رات یہاں جو چاہیے عطا کیا جاتا ہے''۔

وان الوحش تاتیھم جھاراً

ولا تخشیٰ لعادی سھاما

''بے شک وحشی جانور الاعلان ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ تیر سے نہیں ڈرتے''۔

وانتم ھا ھنا فیما ا ستھتیم

نھار کم ویلکم ا لتماما

''پیاس کی شدت کی وجہ سے ہم کسی بڑے سے امید رکھتے ہیں نہ کسی بچے سے''۔

فقبح و فدكم من وفد قوم

ولا لقوا التحيه و السلاما

''پس تو سمجھ لے اور اپنی قوم عاد کے وفد کی برائی کر اور انھیں سلام تک نہ کر''۔

قوم عاد کا وفد باندیوں کی زبان سے نکلے اشعار کے مفہوم تک پہنچ گیا اور انھیں اپنے رویے پر شرمندگی محسوس ہوئی اور وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہماری قوم تو تکلیف کی حالت میں ہے اور ہم یہاں نہ صرف عیش وعشرت میں ہیں بلکہ اپنے مقصد تک کو فراموش کر چکے ہیں۔ پھر انھوں نے پکارا کہ بہت سستی ہو گئی اب اٹھو اور حرم میں داخل ہو کر اپنی قوم کے لیے بارش کی دُعا کرو۔ تب وہ معاویہ بن بکر کے گھر سے نکلے اور حرم کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کے ایک ساتھی نے ان سے تکرار کی اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ جس دعا کے لیے ہم جا رہے ہیں وہ اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگی۔ واللہ تم کو بارش سے سیراب نہ کیا جائے گا جب تک تم شرک میں مبتلا رہو گے۔ یہ مرثد بن سعد بن عقیر تھے جو اندرون خانہ حضرت ہودؑ پر ایمان لا چکے تھے اور جن کی خواہش تھی کہ ان کے باقی ساتھی بھی اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لے آئیں۔ ان کے ساتھیوں نے ان کو حیرت سے دیکھا اور پھر جان گئے کہ مرثد حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر کر رہے ہیں۔ مرثد بن سعد کا ایمان اب ان کے ساتھیوں پر ظاہر ہو چکا تھا جس کو وہ اب تک چھپائے ہوئے تھے۔ چنانچہ مرثد بن سعد نے بھی اب کھل کر ان کو دین حق کی دعوت دی اور دلیل سے اپنی بات کو ان تک پہنچانے کی کوشش کی۔

جس کے جواب میں قوم کے عاد ایک سردار جلہمہ بن الخیری نے یہ شعر کہے۔

ابا سعد فانك من قبيل

ذوى كرم و امك من ثمود

"یعنی اے ابوسعد! یاد کر تو ایک مکرم قبیلے سے ہے اور تیری ماں ثمود سے ہے"۔

فانائن نطیعك ما بقینا
ولسنا فاعلین لما ترید

"جب تک ہم زندہ ہیں ہرگز تیری اطاعت نہ کریں گے اور وہ کام نہ کریں گے جو تو چاہتا ہے"۔

اتامرنا لنترك آل رفدٍ
وزمل و آل صدَّ و العبود

"کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم آلِ رفد، صدا اور عبود (قوم عاد کے قبائل) کو چھوڑ دیں"۔

و انترك دین آباءٍ کرام
ذوی رای و انتیع دین هود

"اور ہم چھوڑ دیں اپنے محترم آباء واجداد کا دین اور پیری کریں ھود کی؟[*6]"۔

قوم عاد کے سردار مرثد بن سعد سے سخت نالاں تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مرثد حرم پاک میں ان کے ساتھ داخل ہو کر دعا کریں۔ چنانچہ وہ سب معاویہ بن بکر کے والد بکر کے پاس پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مرثد بن سعد کو اس وقت تک اپنی قید میں رکھیں جب تک وہ حرم میں دعا نہ کر لیں۔ قوم عاد کے سردار معاویہ بن بکر کی بجائے اس کے والد کے پاس اس لیے گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ بن بکر

اور مرثد بن سعد بہت اچھے دوست ہیں اور معاویہ بن بکر سعد بن مرثد کے خلاف مشکل ہی ہے کسی کاروائی پر آمادہ ہوگا۔ معاویہ بن بکر کے والد بکر نے قوم عاد کے وفد کو یقین دلایا کہ وہ اطمینان سے حرم میں جا کر دعا کریں وہ مرثد بن سعد کو روکے رکھیں گے۔ تاہم حقیقت حال کا علم جب معاویہ بن بکر کو ہوا تو اس نے مرثد بن سعد کو فوراً رہا کر دیا۔ چنانچہ قوم عاد کے سردار ابھی حرم پاک میں پہنچے ہی تھے کہ مرثد بھی وہاں پہنچ گئے اور سب نے قوم کی سیرابی کی دعا کی۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن روانہ ہو گئے۔

مورخین نے بتایا ہے کہ عرب بائدہ کے قبائل میں عاد سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ تھا۔ قوم نوح کی تباہی کے بعد یہ سب سے پہلی قوم تھی جس نے اپنی سیاسی قوت منظم کی اور خطہ عرب کے وسیع علاقوں پہ تسلط حاصل کیا۔ عرب کے قدیم شعراء نے قوم عاد کو بڑی مہم جو قوم کے طور پہ یاد کیا ہے۔ قدیم جاہلی ادب اور مورخین کی کاوشوں سے یہ قرار پاچکا ہے کہ قوم عاد کا زمانہ قوم نوح کی تباہی اور حضرت موسیٰ کے عروج کے درمیان یعنی ۲۲۰۰ ق م سے ۱۵۰۰ ق م کا زمانہ ہے۔ تاہم ان کی شان وعظمت کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے اگرچہ یہ لوگ زمانہ مسیح علیہ السلام تک باقی رہے۔

چنانچہ پہلے اور دوسرے دور کے عاد کو بالترتیب عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ عاد ثانیہ کو قوم ثمود بھی کہا جاتا ہے جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا مگر ان کے انکار کے سبب ان کو بھی عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑا۔ عرب مورخین کے اس دعویٰ کی تصدیق اب آثار قدیمہ سے ہو چکی ہے کہ قوم عاد نے اپنی حکمرانی بابل مصر اور دوسرے علاقوں میں قائم کی۔ بابل میں اس خاندان کا سب سے مقبول بادشاہ حمورابی تھا جس نے انسان کو پہلا تحریری دستور فراہم کیا۔ اس لیے حمورابی ہی کو دنیا کا پہلا مقنن مانا جاتا ہے۔ مصر کے فراعنہ بھی اعمالیق یعنی عرب بائدہ کے انھی قبائل کی اولاد تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر قوم عاد کی برتری، اُن کی شان وشوکت اور ان پہ خالق کے احسانات کا تذکرہ کیا ہے مثلاً:

وَاذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ ۝

القرآن الحكيم (سورة الاعراف ٧ ؛ آيات ٦٩)

ترجمہ:

"یاد کرو (اللہ کے اس فضل واحسان کو کہ) نوح کی قوم کے بعد اس نے تم کو خلیفہ بنایا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

وَزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْطَةً ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ آیات ۶۹)

ترجمہ:

’’اور جسمانی ساخت میں تمہیں خوب تنومند کیا‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اَلَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الفجر ۸۹ ؛ آیات۷)

ترجمہ:

’’جس کے مانند ملکوں میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الفجر ۸۹ ؛ آیات۹)

ترجمہ:

’’تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ کیا کیا‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

فَاَمَّا عَاد‘‘فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

القرآن الحکیم (سورۃ حمٓ سجدہ ۴۱ ؛ آیات ۱۵)

ترجمہ:

’’رہے عاد تو انھوں نے زمین میں حق کی راہ سے ہٹ کر تکبر کی روش اختیار کی اور کہنے لگے کہ

کون ہے ہم سے زیادہ زور آور"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۙ وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ۚ

O

القرآن الحکیم (سورۃ شعرا ۲۶۱ ۴۱ ؛ آیات۱۲۹)

ترجمہ؛

اور تمھارا حال یہ ہے کہ ہر اونچے مقام پر لا حاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ آیات ۷۰)

ترجمہ؛

"انھوں نے (ہود سے) کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن کی ان آیات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا کہ قوم عاد اپنے وقت کی مقبول اور طاقتور قوم تھی جس نے زندگی کے ہر شعبے میں بے پناہ ترقی حاصل کی تھی۔ قرآن کے اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاد کے لوگ بڑے تنومند اور زور آور تھے اور ان کا تمدن بڑا شاندار تھا۔ وہ اونچے اونچے ستونوں پہ بلند و بالا عمارتیں بنانے کی خصوصیت کی بنا پر پوری دنیا میں مشہور تھے۔ ان کا سیاسی اور عسکری نظام بھی بڑا مستحکم تھا اسی مادی اور سماجی ترقی نے ان کو سخت متکبر بنا دیا تھا جو اللہ کے انبیاء سے انکار کا سبب بنا۔ وہ محض اپنی عظمت اور شان

وشوکت کونمایاں کرنے کے لیے ایسی عالیشان عمارتیں تعمیر کرتے جن کا کوئی مصرف تھا اور نہ کوئی حاجت۔ جن کا اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہ تھا کہ وہ قوم عاد کی عظمت اور شان کی نشانی کے طور پہ کھڑی رہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بارہا ان کو اس کائنات کی بے ثباتی کی طرف متوجہ کیا اور ان کو اس امر سے باز رہنے کی تلقین کی کہ تم ان عمارتوں کی تعمیر میں اس قدر مگن ہو جیسے تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔تاہم یاد رہے کہ بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ شاندار عمارتیں بنانا کوئی منفرد فعل نہیں ہے جس کا ظہور کسی قوم سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس کی اور سب چیزیں تو ٹھیک ہوں اور بس وہ یہی کام غلط کرتی ہو۔حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت حال تو کسی قوم میں رونما ہی اس وقت ہوتی ہے جب ایک طرف تو اس میں دولت کی ریل پیل ہو اور دوسری طرف اس کے اندر نفس پرستی اور مادہ پرستی کی شدت بڑھتے بڑھتے جنون کی حدوں کو چھونے لگے (آج مغربی اقوام کا یہی حال ہے) اور جب کسی قوم کی حالت یہ ہوجائے تو اس کا سارا نظام تمدن ہی فاسد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی تعمیرات پر جو تنقید کی اس سے مقصود یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک یہ عمارتیں ہی بجائے خود قابل اعتراض تھیں بلکہ وہ بحیثیت مجموعی ان کے فسادِ تمدن وتہذیب پہ گرفت کر رہے تھے اور ان عمارتوں کا ذکر انھوں نے اس حیثیت سے کیا تھا کہ سارے ملک میں ہر طرف یہ پھوڑے اس فساد کی نمایاں ترین علامت کے طور پہ ابھرے نظر آتے تھے جو اُن کی شان وشوکت کا مظہر تھے جس نے انھیں تکبر کی راہ پہ ڈال دیا۔اور اللہ کا نبی جانتا تھا کہ تکبر کی راہ قوم کو ذلت اور بربادی کے اس گڑھے کی طرف لے جائے گی جس کی دوسری طرف صرف فنا ہے۔آخر اللہ کے نبی کا یہ خدشہ حقیقت کا روپ دھار گیا اور قوم عاد صرف داستانوں کی حد تک باقی رہی اور ان کے بچے بچے کو اللہ کے عذاب نے آلیا اور اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوتا ہے۔

قوم عاد اپنی خشک سالی سے پریشان تھی اور ان کو قحط کا خدشہ درپیش تھا جس کی وجہ سے سرداران قوم نے فیصلہ کیا کہ حضرت ہودؑ سے دُعا کرائی جائے کہ اللہ ان کے علاقوں کو سیراب کرے۔چنانچہ انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا۔حضرت ہودؑ نے اپنے پیغام واحدنیت کو دہرایا اور ان سے کہا کہ اگر وہ بتوں کی پوجا چھوڑ کر خاص اللہ کی پوجا کرنے لگیں تو وہ ان کے لیے دُعا کریں گے اور سالوں

سے خشک ان کی زمینوں کے لیے اللہ آسمانوں سے بارش نازل فرمائیں گے اوران کی کھیتیاں ہری بھری ہو جائیں گی۔شاید وہ اللہ کے پیغمبر سے دھوکہ کرنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے اس لیے انھوں نے کہا کہ آپ اللہ سے بارش کی دُعا کریں بعد میں ہم اللہ پر ایمان لانے کے بارے میں سوچیں گے۔تب قوم عاد نے دیکھا کہ آسمان پر گھنے بادل جمع ہورہے ہیں۔پوری قوم ایک مدت سے اس منظر کے لیے ترسی ہوئی تھی چنانچہ پوری قوم گھروں سے باہر نکل آئی ان کی نظریں آسمان پر تھیں جن پر جمع ہونے والے بادل اب گہرے ہورہے تھے۔مگر وہ متکبر قوم نہ جانتی تھی کہ ان کالے بادلوں کے اندر ان کے لیے دردناک عذاب چھپا ہوا ہے۔وہ تو ان بادلوں کو دیکھ کر خوشی منارہے تھے مگر ان گہرے بادلوں کے پس پردہ حقیقت سے تو صرف ان کا خالق ہی آگاہ تھا۔چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ○ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعاً وَأَبْصَاراً وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاحقاف ۴۶ ؛ آیات ۲۶)

ترجمہ:

"مگر میں (ہودؑ) دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو، پھر جب انھوں نے اس عذاب کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے" یہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کردے گا "۔۔۔۔نہیں، بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچارہے تھے ، یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب چلا آرہا ہے ، جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گا۔"

آخران کا یہ حال ہوا کہ ان کی رہنے کی جگہوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا،اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں،ان کو ہم نے وہ کچھ دیا تھا جو تم لوگوں کو نہیں دیا ہے،ان کو ہم نے کان، آنکھیں دیں اور دل اور سب کچھ دے رکھا تھا مگر وہ کان ان کے کسی کام نہ آئے،نہ آنکھیں نہ دل کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اسی چیز کے پھیر میں وہ آگئے جس کا وہ انکار کرتے تھے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور جگہ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے کہ:

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُم مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ O فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الاحقاف ۴۶ ؛ آیات ۲۸)

ترجمہ؛

”تمھارے گردوپیش کے علاقوں میں بہت سی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں،ہم نے اپنی آیات بھیج کر بار بار طرح طرح سے ان کو سمجھایا،شاید کہ وہ باز آجائیں،پھر کیوں نہ ان ہستیوں نے ان کی مدد کی جنھیں اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے تقرب اِلی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے معبود بنا لیا تھا ،بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے،اور یہ تھا ان کے بناوٹی عقیدوں کا انجام جو انھوں نے خود سے گھڑ رکھے تھے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الحاقہ ۶۹ ؛ آیات ۲۸)

ترجمہ:

’’اور قوم عاد کو ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رکھا، (تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ) وہ وہاں اس طرح پچھڑے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں اب کیا ان میں سے کوئی تمہیں باقی نظر آتا ہے؟

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ القمر ۵۴ ؛ آیات ۲۲)

ترجمہ:

’’عاد نے جھٹلایا، تو دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات، ہم نے ایک پیہم نحوست کے دن ان پر سخت طوفانی ہوا بھیج دی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں، پس دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات، ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنایا ہے، تو کیا پھر کوئی

ہے جو نصیحت قبول کرے؟؟؟

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ؛

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الفجر ۸۹ ؛ آیات۹)

ترجمہ؛

”تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے کیا برتاؤ کیا اونچے ستونوں والے عادارم کے ساتھ جن کی مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ؛

وَفِي عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الذاریات۵۱ ؛ آیات۴۲)

ترجمہ؛

”اور (تمھارے لیے نشانی ہے) عاد میں جب کہ ہم نے ان پر ایک ایسی بے خیر ہوا بھیج دی کہ جس چیز پر بھی وہ گزر گئی اسے بوسیدہ کر کے رکھ دیا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم عاد ہی کے متعلق مزید ارشاد ہوتا ہے کہ؛

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ آیات۲)

ترجمہ:

''آخر ہم نے اپنی مہربانی سے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے اور ایمان لانے والے نہ تھے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد پہ اللہ کا یہ عذاب اتنا شدید تھا کہ صحیح معنوں میں قوم عاد کی جڑ کاٹ دی گئی یعنی ان کا مکمل استیصال کر دیا گیا اور ان کا نام ونشان تک دنیا میں باقی نہ چھوڑا گیا۔ یہ بات خود اہل عرب کی روایات سے بھی ثابت ہے اور موجودہ اثری اکتشافات بھی اسی امر پہ گواہ ہیں کہ عادِ اولیٰ بالکل تباہ ہو گئے اور ان کی یادگاریں تک دنیا سے مٹ گئیں۔ اسی وجہ سے عرب مورخین نے انھیں عموماً عرب کی امم بائدہ ہی میں شمار کیا ہے۔ پھر یہ بات بھی عرب کے تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ قوم عاد کا صرف وہ حصہ ہی باقی رہا جس نے اللہ کی واحدانیت کا اقرار کیا اور حضرت ہودؑ کی دعوت پر ایمان لے آئے تھے۔ انھی بقایا عاد کو تاریخ میں عادِ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کو ملنے والے ایک کتبے سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قوم عاد کی تباہی کے بعد کئی صدیوں تک عادِ ثانی حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کی پیروی کرتے رہے۔ حصن غراب سے ملنے والے اس قدیم کتبے کے بارے میں ماہرین کی رائے ہے کہ وہ اٹھارہ سو قبل مسیح کی تحریر ہے۔ اس کے چند جملے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

''ہم نے ایک طویل زمانہ اس قلعہ میں اس شان سے گزارا کہ تنگی اور بدحالی ہماری زندگی سے کوسوں دور تھی، ہماری نہریں دریاؤں کے پانی سے لبریز رہتی تھیں۔ اور ہمارے حکمران ایسے بادشاہ تھے جو برے خیالات سے پاک اور اہل شر وفساد پر سخت تھے۔ وہ ہم پر ہود علیہ السلام کی

شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور عمدہ فیصلے ایک کتاب میں درج کر لیے جاتے تھے، ہم معجزات اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے اور ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس قدیم کتبے کی یہ عبارت آج بھی اس بات کی تصدیق کے لیے کافی ہے کہ عاد کی قدیم عظمت اور خوشحالی کے وارث آخر کار وہی لوگ ہوئے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور جنھوں نے حق کو پہچان لیا۔علامہ ابن جریر طبریؒ نے تاریخ طبری میں قوم عاد کے احوال تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب قوم عاد پر اللہ کا عذاب آ پہنچا تو حضرت ہود علیہ السلام ایمان لانے والے چند ساتھیوں سمیت اللہ کے حکم کے مطابق ساحل سمندر کی طرف نکل گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب اس عذاب الٰہی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔قوم عاد ہوا کے خوشگوار اور اولین جھونکوں کا مزہ لے رہی تھی جب اچانک ہی انھیں احساس ہوا کہ ہوا کی رفتار معمول سے کچھ زیادہ ہے اور طوفان کی تیزی اور تندی میں ہر لحہ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔تب وہ اپنے گھروں کی طرف بھاگے اور انھوں نے دیکھا کہ تیز ہوا انسانوں اور اونٹوں کو اپنے ساتھ اڑائے پھرتی ہے۔کچھ لوگ جو اپنی پناہ گاہوں میں پہنچنے میں کامیاب رہے تھے ان کو بھی اللہ کے اس عذاب نے ہلاک کر کے رکھ دیا۔قرآن میں اس بات کی تصریح موجود ہے اور اس کا ذکر بھی ابھی اوپر گزرا ہے کہ تند ہوا کا یہ طوفان قوم عاد پہ سات راتوں اور آٹھ دن تک مسلط رہا اور عاد جو لمبے قد والے انتہائی طاقتور لوگ تھے ہوائیں انھیں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی مانند اٹھائے پھریں اور جہاں اس کا جی چاہا انھیں پٹخ دیا۔پھر جب پوری قوم عاد ہلاک ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ رنگ کا ایک قوی ہیکل پرندہ ان علاقوں کی طرف روانہ کیا جس نے قوم عاد کی لاشوں کو اپنی چونچ میں اٹھایا اور زمین کا یہ گند سمندر میں لا پھینکا[7*]۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کا سردار اپنے پانچ وزیروں کے ہمراہ طوفاں کے آخر میں اس وقت ہلاک ہوا جب اس نے اپنی قوم کی بربادی پہ نوحہ کر لیا۔وہ ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رہا تھا۔ہوا کچھ تھمی تو وہ اپنے دیگر سرداروں کے ہمراہ اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلا کہ دیکھے اس کی قوم کے ساتھ کیا بیت گئی۔جیسے ہی

وہ لوگ وادیٔ میں پہنچے تو ہوا نے پھر سے انھیں گھیر لیا اور خلجان کے سوا باقی سب کو ہلاک کر دیا۔ خلجان گھبرا کر پہاڑ کی چوٹی کی طرف بھاگا جہاں اس کی ملاقات حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوئی۔ اس نے اپنے سر میں خاک ڈالی ہوئی تھی اور اپنی قوم کا نوحہ کر رہا تھا۔ حضرت ہودؑ نے اس کو ایک بار پھر دین اسلام کی دعوت دی جسے اس نے اس لیے رد کر دیا کہ جب اس کی قوم باقی نہیں رہی تو اسے بھی زندگی کی مزید چاہت نہیں۔ اللہ کی ہوا حرکت میں آئی اور اس بدبخت کو اٹھا کر وادی میں پٹخ دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھی مرثد بن سعد نے بھی اپنی قوم کی بربادی پہ نوحہ کہا جس کو تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا۔ پیش خدمت ہے۔

عصر عاد رسولهم فا مسواً
عطا شاً ما تبلهم ا لسماء

''عاد نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو انھیں پیاسا کر دیا گیا ان سے بارش چھین لی گئی''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

وسير وفدهم شهراً ليسقواً
فارد فهم مع العطش العماءُ

''ان کا ایک وفد ایک ماہ تک چلتا رہا تا کہ اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرے اور موسلادھار بارش برسانے والا بادل ان کے ساتھ تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

بكفر هم بر بهم جهاراً
على آثار عا د هم العفاءُ

یعنی اپنی تکذیب ہی کی بنا پر وہ بارش سے محروم تھے۔انھوں نے اعلانیہ اپنے رب سے کفر کیا اسی وجہ سے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

ا ل ا نزع الا لہ حلوم عاد
فان قلوبھم قفر ھواءُ

سن لو اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے عاد سے عقلیں سلب کر لیں اس لیے کہ ان کے قلوب خواہشات کے گھر تھے۔

من الخبر التمین ان یعوہ
وما تغنی النصیحۃ والشفاءُ

وہ واضح خبر کے سننے سے بھی عاجز تھے اس لیے کوئی نصیحت انھیں خیر پہ نہ لا سکی۔

فنفسی او ابنتا ی ام ولدی
لنفس نبینا ھودٍ فداءُ

میرے جان و مال اور میرے بیٹوں کی ماں سب کے سب ہمارے نبی ھودؑ پر قربان۔

اتا نا وا لقلوب مصمدات

علیٰ ظلم وقد ذھب الضیاءُ

جب وہ ہمارے پاس مبعوث کیے گئے تو ہم ظلم کیا کرتے تھے اور لوگ دین کی روشنی سے محروم تھے۔

لنا صنم یقال لہُ صمود

یقا بہ صدا ءً وا لبھاءُ

ہمارا اللہ ایک ہی معبود ہے جس کے مقابلے میں کافروں کے خدا صدا اور بہا ہیں، لوگ انھی کو خدا سمجھتے تھے۔

فانی سوف الحق آل ھود

واخوا تہ اذا جن المساءُ

میں عنقریب آلِ ہود اور اپنے بھائیوں سے ملوں گا جب شام گزر چکی ہوگی[8*]''۔

مرثد بن سعد کے اپنی قوم کے بارے میں یہ اشعار اہل عرب کے ہاں زندہ تھے اور اماوس کی راتوں میں جب تپتے صحرارات کو خنکی کی بہار جگایا کرتے تو عرب سوز و لحن کے ساتھ ان اشعار کو پڑھا کرتے۔ آج

احقاف کا وہ علاقہ دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہاں کبھی کوئی ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد رہی ہوگی۔احقاف دراصل حقف کی جمع ہے اوراس کے لغوی معنی ہیں ریت کے لمبے لمبے ٹیلے جو بلندی میں پہاڑوں کی حد کو نہ پہنچے ہوں مگر اصطلاحاً یہ صحرائے عرب کے ربع الخالی کے جنوب مغربی حصے کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں۔جہاں آج اتنا سکوت ہے اتنی ہیبت ہے کہ اس کی خامشی سے خرابے بھی شرمانے لگیں۔

مشہور مورخ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا مگر قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ قوم عاد کا اصل وطن الاحقاف تھا جہاں سے نکل کر وہ گردوپیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔آج کے زمانے تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں مقبول روایت یہی ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔موجودہ شہر مکہ سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں ایک قبر کو لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر قرار دیتے ہیں۔اردگرد آباد قبائل نے قبر پہ مزار بنا رکھا ہے اور ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے جس میں مختلف علاقوں سے ہزاروں لوگ شامل ہوتے ہیں۔اگرچہ تاریخی طور پہ ان لوگوں کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ قبر واقعہ ہی حضرت ہود علیہ السلام کی ہے تاہم جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا کم ازکم اس بات کو ضرور ثابت کرتا ہے کہ مقامی روایات اسی علاقے کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ احقاف میں متعدد خرابے ایسے ہیں جن کو مقامی لوگ آج تک دارِ عاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اغلب گمان یہ ہے کہ آج کے یہ خرابے کل کے نخلستان رہے ہونگے اور صدیوں کی موسمی تبدیلیوں نے یہاں کی آب و ہوا کو تبدیل کر دیا ہوگا جس کی وجہ سے کل کے شاداب علاقے آج کے ریگزاروں میں بدل کے رہ گئے ہوں گے۔عادِ ارم کا مسکن آج ایک لق ودق صحرا ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔تقریباً ایک سو پچاس سال قبل ایک انگریز سیاح نے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا اس کی یادداشتیں بعد میں 1946ء میں لندن سے چھپیں تھیں چنانچہ (Arabia and the isies haroid ingrams) نامی کتاب میں مذکورہ سیاح نے صحرائے عرب کے اندرونی علاقوں کا نہایت خوفناک نقشہ کھینچا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

’’حضرموت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں کہ جن میں اگر کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت کے اس سمندر میں اس طرح ڈوب جائے گی جیسے کوئی بھاری چیز سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ ریت کی حدت ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔دن کا درجہ حرارت اتنا خوفناک ہے کہ گھنٹوں میں کسی بھی جاندار کا پانی سوکھ جائے اور وہ کسی درخت کے سوکھے تنے کی مانند گر جائے۔خود عرب کے بدو بھی صحرا کے ان اندرونی علاقوں میں جانے سے بری طرح خائف تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف جانے سے ڈراتے تھے۔اس لیے کہ ان کے ہاں صدیوں سے ان علاقوں کے بارے میں پر اسرار روایات کی بھر مار تھی اور علاقے کے لوگوں نے سینکڑوں فرضی عفریت دریافت کر رکھے تھے جن کی حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میری تمام کوششوں کے باوجود کوئی بھی بدو میرے ساتھ صحرائے عرب کے ان اندرونی علاقوں میں جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔بادل نخواستہ مجھے اکیلے ہی ان علاقوں کا رخ کرنا پڑا جن سے اب میں خود بھی کافی حد تک خوف زدہ تھا۔

تاہم میرے اندر صحرا کے رازوں کو جاننے کا اتنا اشتیاق تھا کہ میں نے اس بات کی پرواہ بھی نہ کی کہ آخر وہ بدوی عرب جو صدیوں سے یہیں مقیم ہیں آخر کیوں ہر قسم کا لالچ دیئے جانے کے باوجود ان علاقوں سے گریزاں ہیں۔تب میں نے جانا کہ صحرائے عرب کے اندرونی علاقے ایک ایسا فسوں تھے جسے صرف وہی جان سکتا ہے جو اپنی جان ہتھیلیوں پر لیے ان میں اترتا ہے۔وہاں کی ریت اتنی باریک اور اتنی سفید تھی کہ آنکھوں کو چبھتی تھی۔پاؤں اس میں ہلکے ہو جاتے تھے اور لگتا تھا کہ انسان نیچے ہی نیچے اور نیچے کی طرف جا رہا ہے۔دوپہر سے بہت پہلے ہی میرا جسم پسینے سے شرابور ہونے لگا تھا اور میں جانتا تھا کہ اگر اسی رفتار سے میرے جسم سے پانی خارج ہوتا رہا تو جلد ہی میں بھی کسی بوسیدہ درخت کے تنے کی طرح گروں گا اور عرب قبائل کی داستانوں میں میری داستان کا بھی اضافہ ہو جائے گا چنانچہ میں الٹے پاؤں واپس اپنے مسکن کی طرف بھاگا اور بمشکل تمام اس تک پہنچا[9*]‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم کی طرف اللہ کا عذاب اترتا ہے تو شجر و حجر اور کوہ دمن تک سے روئیدگی اٹھالی جاتی ہے اور اس سرزمین پہ بسنے والے حرماں نصیبوں کا تو داستانوں سے نام تک مٹ جاتا ہے۔قوموں کی سزا اور جزا کا معاملہ بھی اللہ کے ان معاملات سے ہے عقل جن کا احاطہ نہیں کرسکتی انسانی ادراک کی منزل صرف یہ ہے کہ وہ خالق کی بغاوت سے باز رہے ورنہ اس کے بعد پھر خالق ہی کی مرضی ہے کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ کیونکہ اس حقیقت سے انکار ممکن ہی نہیں کہ کائنات پہ اصل میں فرمانروائی اللہ ہی کی ہے اور وہ جو کام بھی کر رہا ہے وہ بے تکا، بے مقصد، بے حکمت، بے مصلحت نہیں ہوسکتا۔

خالق کے ہر کام میں صریحاً ایک حکیمانہ منصوبہ کارفرما ہوتا ہے اس کی سچائی اس کائنات میں تضاد تلاش کرنا ممکن ہی نہیں۔ ہماری دنیا میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رات ہو اور سورج نصف النہار پہ چمکنا شروع کردے۔ یا ایک روز چاند ہلال کی شکل میں رونما ہو اور اگلی رات کو چودھویں کا چاند بن کے چمکے، یا کبھی رات ہو اور اس کے ختم ہونے میں دیر ہوجائے یا دن ہو اور وہ مستقل طور پہ ٹھہر جائے یا تغیر ایام کا سرے سے ہی کوئی اہتمام نہ ہو کہ انسان جان سکے کہ موسم گرما کن تاریخوں میں آئے گا اور ایام حج کب ہونگے۔ چنانچہ کائنات کی اربوں نشانیوں کو چھوڑ کر (کہ خالق کی نشانیوں کا ادراک ہر دل کے بس کی بات نہیں) انسان اگر صرف سلسلہ شب روز پہ ہی نگاہ فکر کرے تو اسے اس امر کی شہادت مل جائے گی کہ یہ زبردست نظم وضبط کسی قادر متعلق ہی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے قیام سے اس کی مخلوق کی لاکھوں حاجتیں وابستہ ہیں۔ ہزاروں مصلحتیں موجود ہیں جن کا اندازہ صرف فکر وتدبر ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اللہ جو قادرِ مطلق ہے، حکیم ودانا ہے، غالب وعزیز ہے کے قانون سے انسان منہ موڑے گا تو اسے لازماً خسارے ہی کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر کوئی شخص اللہ کے قانون آخرت اور جزا وسزا سے انکار کرے گا تو وہ دو حماقتوں میں سے کسی ایک حماقت میں لامحالہ مبتلا ہوگا کہ یا تو وہ اس کی قدرت کا منکر ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس بے نظیر کائنات کو پیدا کردینے پر تو قادر ہے مگر انسان کو دوبارہ پیدا کرکے اسے جزا اور سزا دینے پر قادر نہیں یا پھر وہ خالق کی اس حکمت اور دانائی کا منکر ہے اور سمجھ بیٹھا ہے کہ خالق نے انسان کو دنیا میں عقل اور اختیار دے کر پیدا تو کردیا ہے مگر وہ نہ تو کسی سے کبھی یہ حساب لے گا کہ اس نے اپنی عقل اور اختیار سے کیا کام لیے ہیں اور نہ ہی وہ کبھی انسان کو اس کی برائی کی سزا اور اچھائی کی جزا دے گا۔

چنانچہ قوم عاد ہو یا دیگر اقوام جن پہ اللہ نے اپنا عذاب نازل کیا وہ اسی قسم کی اخلاقی اور عقائدی گمراہیوں میں مبتلا تھیں اور ان کا قرآن میں بیان کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس امر کے یقینی ہونے کے تاریخی استدلال سے بحث کی جائے۔اس لیے انسانی تاریخ کی چند معروف قوموں کے طرزِ عمل اور ان کے انجام کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس معلوم کائنات میں کوئی اندھا بہرہ قانون فطرت کام نہیں کر رہا بلکہ اس کے پیچھے خدائے حکیم و دانا ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے اور اس خدا کی خدائی میں صرف ایک وہی قانون کارفرما نہیں جسے تم قانون فطرت پکارتے ہو بلکہ اس کے ہمراہ ایک اخلاقی نظام بھی کارفرما ہے جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزاوسزا ہے۔اس خدائی قانون کی کارفرمائی کے آثار خود اس دنیا میں بھی بار بار ظاہر ہوتے رہے ہیں جو عقل رکھنے والوں کو یہ بتاتے ہیں کہ مالک کائنات کا مزاج کیا ہے کہ یہاں جن قوموں نے بھی آخرت سے بے فکر اور خدا کی جزاوسزا سے بے خوف ہو کے اپنا نظام زندگی چلایا ہے وہ قومیں آخر میں فاسد اور مفسد ہی بن کے رہیں اور جس قوم نے بھی زندگی کے بارے میں یہ غیر سنجیدہ رویہ اختیار کیا کائنات کے رب نے آخر کار اس پہ عذاب کا کوڑا برسایا ہی ہے۔

فی الحقیقت اخلاقی اور قانونی اعتبار سے جو قوم کسی نبی کی براہ راست مخاطب ہو اور اللہ کا نبی اپنی زبان سے اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دے یعنی اپنی شخصیت کے ذریعے اپنی صداقت کا زندہ نمونہ ان کے سامنے پیش کر دے اس پر خدا کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور اس کے پاس معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور خدا کے فرستادہ کو دوبدو جھٹلا دینے کے بعد وہ اس کی مستحق قرار پاتی ہے کہ اس کا معاملہ موقع پر ہی چکا دیا جائے۔چنانچہ یہی معاملہ قوم عاد کے ساتھ پیش آیا یہی معاملہ قوم ثمود کے ساتھ پیش آیا اور یہی معاملہ دیگر بہت سی اقوام کے ساتھ بھی پیش آیا کہ انھوں نے حقیقت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا مگر انحراف کی راہ اپنائی اس لیے اللہ کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔

آج نبوت کا دروازہ اگرچہ بند ہو چکا ہے مگر اسلام کا آفتاب نصف النہار پہ ہے آج گمراہی سے راستی پہ پلٹ آنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہ گیا اس لیے کہ شعوری ارتقا کے ساتھ بڑھتی ہوئی عقلی استعداد نے اب گمراہی کو صرف ضد بنا کے رکھ دیا ہے ورنہ تو چند لمحوں میں بھی اپنی ذات کے دروں جھانکنے سے منظر واضح ہو کے رہ جاتا ہے مسئلہ صرف ترجیح کا ہے کہ انسان مادیت کو ترجیح دے رہا ہے یا اسے اپنے اخلاقی وجود کا

بھی ادراک ہے۔کوئی یہ نہ سوچے کہ آج ان قوموں پر عذاب آنے بند ہو گئے ہیں جو خدا سے برگشتہ اور فکری واخلاقی گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اب بھی ایسی تمام قوموں پر عذاب آتے رہتے ہیں چھوٹے چھوٹے تنبیہی عذاب بھی اور بڑے بڑے فیصلہ کن عذاب بھی۔مگر آج کوئی نہیں جو ان عذابوں کے اخلاقی معنی کی طرف انسانی نفس کی توجہ مبذول کرائے۔بلکہ اس کے برعکس ظاہر بین سائنس دانوں اور حقیقت سے ناواقف مورخین اور فلاسفہ کا ایک کثیر گروہ نوح انسانی پہ مسلط ہے جو اس قسم کے تمام واقعات کی توجیہ (چاہے وہ کئی مغربی مما لک میں بہ یک وقت آنے والی سونامی ہو یا میکسیکو کا تباہ کن زلزلہ ہو) طبعیاتی قوانین یا تاریخی اسباب سے وابستہ کر کے انسان کو بھلاوے میں ڈالتا رکھتا ہے اور اسے کبھی یہ سمجھنے کا موقع نہیں دیتا کہ کوئی قوت ہے جو انسان کو تنبیہ کر رہی ہے کہ اس وقت سے پہلے ہی انسان غور کر لے جب وہ خالی ہاتھ اس کے دربار میں پیش ہوگا۔حالانکہ قرآن تو ان لوگوں کے بارے میں بہت واضح ہے کہ وہ بغیر کسی لحاظ کے خطا کاروں کی بستیاں الٹ دیتا ہے جو اپنی زندگی کے بارے میں غیر سنجیدہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ۞ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۞

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ۲۲ ؛ آیات ۴۴)

ترجمہ؛

اب دیکھ لو میری عقوبت کیسی تھی کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پہ الٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے

حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں''۔

قوم ثمود

انسانوں کا ایک گروہ حضرموت کی پہاڑیوں سے نکلا اور سامنے پھیلے وسیع و عریض میدان کو عبور کرنے کے لیے اپنے جانوروں کو تیزی سے دوڑانے لگا۔ یہ لوگ اونٹوں گھوڑوں اور خچروں پر سوار تھے۔ ان کے ساتھ ان جانوروں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی تھے اس لیے یہ لوگ تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کے تعاقب میں کوئی نہ تھا اس کے باوجود انھیں منزل کی جلدی تھی۔ دھوپ کی تمازت ان کے بچوں کو کملائے دے رہی تھی اس لیے وہ جلد از جلد دور نظر آنے والی پہاڑیوں کے سائے میں پہنچنا چاہتے تھے۔ اس قافلے کی راہنمائی ایک عمر رسیدہ شخص کے سپرد تھی جو صحرائے عرب کی ان بھول بھلیوں سے واقف تھا۔ اگرچہ اس بوڑھے کو بھی یہ پہاڑی رستے از بر نہ تھے مگر اس کے چہرے پہ ایک اطمینان تھا جو اس بات کا غماز تھا کہ وہ اپنی منزل سے بہر حال واقف ہے۔ وہ قافلے سے قدرے آگے چل رہا تھا اور فرسنگ دو فرسنگ کے بعد رک کر اپنے سامنے پھیلے وسیع صحرا اور اس کے پس منظر میں پھیلی پہاڑیوں کا جائزہ لے لیتا جو تا حد نگاہ دور تک چلی گئیں تھیں۔ پھر وہ اپنے پیچھے آتے قافلے کو ہاتھ سے چلتے رہنے کا اشارہ کر کے خود

بھی چل دیتا۔اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح بہت جلدی وہ اپنے قافلے کو پہاڑوں کی اس چادر میں سمیٹ لے۔

یہ لوگ کون تھے؟

یہ لوگ ان مومنین کی اولاد تھے جو حضرت ہودؑ کے ساتھ قوم عاد کے علاقوں سے حضر موت کی پہاڑیوں میں آ بسے تھے اور حضرت ہودؑ پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ کے اس عذاب سے محفوظ رہے تھے جس نے قوم عاد کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔مدتوں یہ لوگ حضر موت کی پہاڑیوں میں امن و آشتی سے زندگی گذارتے رہے مگر یعرب ابن قحطان کے غلبے کے بعد ان کا یہاں رہنا دوبھر ہو گیا تھا جس کی وجہ سے انھیں یہ ہجرت درپیش تھی۔ یہ لوگ حضر موت سے نکل کر عرب کے دیگر علاقوں میں سکونت پذیر ہونے لگے۔قوم عاد کی باقیات نے خطہ عرب کے جس علاقے میں سہولت دیکھی وہ وہیں فروکش ہو رہا۔ چنانچہ اس بوڑھے شخص کی معیت میں آلِ عاد کا یہ آخری گروہ تھا جس نے حضر موت کی وادیٔ سے ہجرت کی تھی اور آج وہ اپنے گھر بار اپنے کندھوں پہ اٹھائے معصوم بچوں کی سسکیوں کے ہمراہ اس نئی مگر انجانی منزل کی تلاش میں تھے جو اپنے دامن میں ان کے لیے وسعتیں اور خوشیاں سمیٹے ہوئے ہو۔

آلِ عاد کا یہ قافلہ ایک الگ قبیلے پر مشتمل تھا جو اس کی شاخ ثمود سے تعلق رکھتا تھا۔اس قوم یا قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔اسی مناسبت سے یہ لوگ آلِ ثمود کہلائے اور آلِ ثمود کا یہ قافلہ آج سفر میں تھا۔تب سورج نے قد نکال لیا تھا اور میدان دھوپ سے بھر گیا تھا۔اب بوڑھے شخص کی بے چینی شاید قافلے کے جانوروں تک بھی پہنچ رہی تھی اس لیے ان کے قدم بھی قدرے تیزی سے اٹھ رہے تھے۔شاید انھیں بھی اپنے سواروں کی طرح سامنے نظر آتی پہاڑوں کی چادر اوڑھ لینے کا اشتیاق تھا۔بوڑھا راہنما اب قافلے سے کافی آگے چل رہا تھا مگر اس کا سرخ اونٹ کبھی کبھار گردن گھما کر اپنے پیچھے آتے ہمراہیوں پر ایک نگاہ ڈال لیتا اور پھر اطمینان سے گردن جھکائے چلتا رہتا۔بوڑھے راہنما نے اپنے سیدھے ہاتھ کو سائبان بنا کر اپنی آنکھوں پر رکھا اور دھوپ سے نظریں چرا کر دور کچھ دیکھنے لگا۔اتنی دیر میں پیچھے سے آنے والا قافلہ بھی اس کے ساتھ آ ملا۔اب ہم بہت قریب پہنچ چکے ہیں مگر تم لوگ جلدی کرو کیونکہ میں جانتا ہوں ابھی کچھ دیر میں گرم ہوائیں اس سارے میدان میں پھیل جائیں گی اور اڑتی ریت کے باریک ذرے ہمیں

اور ہمارے جانوروں کو اندھا کر کے رکھ دیں گے اس لیے ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

بوڑھے راہبر نے کہا اور اپنے اونٹ کو ایڑ لگا دی۔

قافلہ اس کے پیچھے نکل کھڑا ہو۔

اگر چہ کئی لوگوں نے خفیف سا اعتراض بھی کیا کہ ان کے جانور اب تھک چکے ہیں۔

''زندہ تو ہیں''۔

بوڑھے شخص نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کہا اور خاموشی سے چلنے لگا''۔

اگر اس طوفان کے پہنچنے سے پہلے ہم پہاڑوں کی اس محفوظ پناہ گاہ تک نہ پہنچے تو ہمارے جانور قدم تک نہیں اٹھا سکیں گے۔

بوڑھے نے اپنے قافلے کو تاکید کی''۔

یہ سامنے نظر آنے والے پہاڑ ہماری مضبوط پناہ گاہ ہوں گے کیوں نہ ہم یہیں سکونت اختیار کر لیں''۔

قافلہ والوں میں سے کوئی بولا:

پانی کے بغیر زندگی گذار لوگے ''بوڑھے نے سوال کیا''؟

تو مشورہ دینے والا اپنا منہ چھپا کر رہ گیا۔

ہمیں سب سے پہلے پانی تلاش کرنا ہے کوئی دوسری بات اس کے بعد سوچیں گے''۔

بوڑھے نے مدبرانہ لہجے میں جواب دیا''۔

دور نظر آنے والے پہاڑ اب قریب نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے صحرا میں جیسے اندھیرا ہونے کو تھا''۔

بوڑھے کا خدشہ درست تھا کیونکہ ہوا کے گرم جھکڑ میدان میں داخل ہو رہے تھے لیکن اس ہوا کا زور وہاں زیادہ تھا جہاں سے یہ قافلہ تھوڑی دیر پہلے گزرا تھا۔

وہ لوگ اب چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے اس سلسلے کے دامن میں پہنچ چکے تھے جہاں نسبتاً بلند پہاڑ بھی قریب ہی تھے جو اس طوفان کی شدت کو روکے ہوئے تھے اور ان کے دامن میں خاموشی تھی جیسے انھیں اس صحرائی طوفان سے کوئی سروکار نہ ہو۔

بوڑھے شخص کے اشارے پر پورے قافلے نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی سواریوں سے اتر کر پہاڑی

ٹیلوں کی اوٹ میں سستانے لگے۔

ہم طوفان کی شدت کم ہونے تک یہیں قیام کریں گے اور شام سے ذرا پہلے اپنا سفر دوبارہ شروع کریں گے۔

بوڑھے راہبر نے اعلان کیا''۔

قافلے والوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے کھول دیئے تا کہ وہ وادیٔ میں پھیلی گھاس چر سکیں اور خود وہ ٹیلوں سے ٹیک لگا کر سستانے لگے۔ اب وہ اپنے وطن حضرموت سے اتنا دور نکل آئے تھے کہ وہاں تک اب یادوں کی گزرگاہ کے سوا کوئی راستہ نہ جاتا تھا۔ ان کے دوسرے بھائی بند عرب کے مختلف خطوں میں آباد ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں میں اس منزل کے خواب تھے، جہاں سرسبز وادیاں ہوں گی، جن کے دامن میں ان کی نسلیں پلیں اور بڑھیں گی، ان کو اپنے بوڑھے راہبر سے بڑی امیدیں تھیں اسی لیے اس کے ہر فیصلے پر وہ سر جھکا دیتے تھے۔

پہاڑوں سے ٹکرا کر دوسری طرف نکل جانے والی گرم ہوا میدانی علاقوں میں چنگاڑتی پھر رہی تھی اور سورج کی کرنیں ابھی تک ان پہاڑوں کے بیرونی حصوں کا طواف کر رہی تھیں۔ لیکن اندر کی طرف پتھروں کے کٹاؤ نے ایسے سائبان بنا دیئے تھے جہاں ان کرنوں کا گزر نہ تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے سائے لمبے ہونے لگے ہیں اور ہوا میں پہلے جیسی تیزی بھی نہیں رہی۔ تب ان کے کانوں میں اپنے راہبر کی مانوس آواز پہنچی کہ کوچ کی تیاری کرو۔ جب تک جانوروں کو سامان اور سواریوں سے لادا جاتا تب تک اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا اور چالیس پچاس آدمیوں کا یہ قافلہ ایک ایک کر کے تنگ راستوں سے نکلا اور پھر سے ریگستان کی وسعتوں میں کھو گیا۔ جانوروں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں اندھیرے میں راستہ دکھا رہی تھیں کہ ان دِنوں رات کا سفر آوازوں کی روشنی میں ہی طے کیا جاتا تھا۔ تب کسی من چلے ہدی خواں نے اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لیے جو شیلے اشعار کا سہارا لیا۔ پھر اس بسیط سناٹے میں آوازوں کا رقص شروع ہوا تو آسمان پر چمکنے والے ستاروں نے اس قافلے کو غور سے دیکھا جو اپنی قسمت کے ستاروں کو ڈھونڈنے گھر سے نکلا تھا۔ رات بھر یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ سحر کی سپیدی نمودار ہوئی۔ قافلے میں شامل بچے اپنی ماؤں کی آغوش عافیت میں تھے اس لیے نہ جانتے تھے کہ ان کے مستقبل کے بارے میں بڑے کیا فیصلہ کر

رہے ہیں۔ یہ لوگ اب ریت کے بلند ٹیلوں سے گزر کر نسبتاً ہموار جگہ پر آ گئے تھے جہاں خشک مگر کافی بلند پہاڑ ان کے منتظر تھے اچانک ان کا بوڑھا راہبر خوشی سے چیخ اٹھا''

وہ دیکھو جنوب مشرق کی طرف کچھ پرندے زمین کی طرف آتے ہیں اور پھر بلند ہو جاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مقام ''حجر'' تک پہنچ گئے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہاں پانی کا ایک چشمہ ہے جو ویران ہے اوراسی چشمے کے نزدیک ہم اپنا مسکن بنائیں گے''بوڑھا راہبر شاید خود ہی سے مخاطب تھا''

ہود بن شالخ علیہ السلام کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں خدا ہمیں ایسی وادی کی طرف لے کے جا رہا ہے جہاں ہماری کھیتیاں ہمیشہ لہلہاتی رہیں گی اور ہماری تجارت خوب چمکے گی۔ پھر اہل ثمود کا یہ قافلہ پہاڑوں کے دامن میں بہتے مذکورہ چشمے تک پہنچ گیا جہاں تا حد نظر پھیلا وسیع میدان انھیں دعوت قیام دے رہا تھا اور یہی مقام حجر تھا جو بعد میں حجر ثمود بھی کہلایا۔ یہ علاقہ حجازِ مقدس اور تبوک کے درمیان تھا جس کے سامنے خلیج عقبہ تھی۔ چنانچہ یہ آلِ عاد تھے جنھیں ان کے بعد عروج حاصل ہوا اور جنھیں مورخ قوم ثمود کے نام سے جانتا ہے۔ جس قوم پر حضرت صالح علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر اترے مگر اس نے ان کا انکار کیا اور قوم عاد ہی کی طرح ایک منحوس ساعت میں اللہ کے عذاب نے انھیں آلیا۔ قرآنِ حکیم نے انھیں نشان عبرت کے طور پر انسانوں کی اصلاح کے لیے ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ان کا تذکرہ اب قیامت تک ہوتا رہے گا۔ چنانچہ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِى الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَّتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوٓا آلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷: آیات ۷۴)

ترجمہ

''اور تم اس وقت کو یاد کرو جب تم کو خدا نے عاد کے بعد ان کا قائم مقام بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اس کی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے ہو اور سنگ تراشی کر کے پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم ثمود عرب کی قدیم ترین اقوام میں سے دوسری قوم ہے جو عاد کے بعد سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ نزول قرآن سے پہلے اہل عرب میں اس کے قصے بھی قوم عاد کی طرح ہی زبان زدِعام تھے۔ زمانہ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں ان کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ اسیریا کے کتبات اور یونان کے قدیم مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے بھی قوم ثمود کا بکثرت تذکرہ کیا ہے۔ قوم ثمود کا مسکن شمال مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو قدیم زمانوں سے الحجر ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں بھی مدینہ اور تبوک کے درمیان ایک ویران سے ریلوے اسٹیشن کے باہر ''مدائن صالح'' لکھا ہے یہی شہر کبھی قوم ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں یہی علاقہ الحجر کہلاتا تھا۔ ہزاروں سال بعد اب بھی سینکڑوں ایکڑ کے رقبے میں پھیلی وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو قوم ثمود نے پہاڑوں کو تراش کر بنایا تھا اور اس شہر خاموشاں کو دیکھ کر باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کبھی یہ شہر لاکھوں کی آبادی کا شہر ہوگا۔

قوم ثمود کی تاریخ اور بودوباش کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ جب قوم ثمود حضرموت سے بھاگ کر الحجر کے چشموں پر پہنچی تو ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا اور یہ لوگ بے سروسامان اور بغیر خوارک کے تھے مگر دیکھتے ہی دیکھتے اللہ نے ان پر دن الٹا دیئے اور وہ ایک آسودہ قوم بنتی چلی گئی جس کے بعد ان میں شرک کی عادتِ بد نے جنم لیا۔ انھوں نے الحجر کی سرسبز وادی کا سینہ چاک کیا تو اس کے نیچے پانی کے وافر چشمے موجود تھے انھوں نے زمین کی کھیتیاں بنائیں اور اس کو کنویں کھود کر سیراب کرنے لگے۔ لوگوں نے گھاس اور مٹی سے عارضی مکانات کی تعمیر شروع کردی اور دیکھتے ہی دیکھتے

محلّے اور گلیاں وجود میں آتیں چلی گئیں۔ پوری قوم میں جس کے پاس زیادہ جانور تھے اسے اتفاق رائے سے سردار چن لیا گیا تاکہ وہ ان کے چھوٹے موٹے معاملات کا فیصلے کرتا رہے یا کسی بیرونی حملے اور قومی افتاد پر ان کی راہنمائی کر سکے۔ یوں تھوڑی ہی مدت میں اہل ثمود نے اپنا ایک نیا سماج تعمیر کرلیا جس میں وہ ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ ابھی تک حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم تھے اور مواحد تھے۔ وہ ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اسی سے مدد مانگا کرتے۔ ان کے درمیان بگاڑ اور

فساد نے اس وقت جنم لیا جب ان کے گھروں میں دولت پانی کی طرح بہنے لگی۔ درحقیقت قوم ثمود قوم عاد ہی کی باقیات تھی اس لیے تجارت ان کے جراثیم میں موجود تھی۔ شاید یہی وجہ تھی الحجر میں بسنے کے بعد بھی قوم ثمود کے کم ہی لوگ کھیتی باڑی کی طرف متوجہ ہوئے اور زیادہ تر لوگوں نے اپنے آبائی پیشہ تجارت ہی کو ترجیح دی۔ اگرچہ الحجر کے وسیع میدان کھیتی باڑی کے لیے بھی موزوں تھے تاہم وادی حجر کا شام سے لے کر وادئ القریٰ تک پھیلا ہوا وسیع محل وقوع تجارت کے لیے کچھ زیادہ ہی موزوں تھا اس لیے جلد ہی شام و فلسطین سے لدے پھندے تجارتی قافلے الحجر کی وادیوں میں اترنے لگے۔ خوشحالی دبے پاؤں اہل ثمود کے آنگن میں اترنے لگی اور تھوڑے دن نہ گزرے تھے کہ یہ علاقہ عرب کے ماتھے کا جھومر بن کر چمکنے لگا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اہل ثمود کی آبادی بڑھ رہی تھی اور ساتھ ہی ان کی تجارتی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

حضرموت سے ہجرت کرکے آنے والی نسل چل چلاؤ کا شکار تھی اور ہجرت کے وقت گود میں کھیلتے نونہال آج قوم کی بھاگ دوڑ سنبھالے ہوئے تھے۔ علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے اپنی مشہور تاریخ ''تاریخ الامم والملوک'' میں درج کیا ہے کہ اہل ثمود کی عمریں صدیوں پہ محیط ہوا کرتی تھیں اس لیے ان کو ایک پریشانی یہ تھی کہ جب وہ ریت مٹی اور گارے سے گھر تعمیر کرتے تو وہ جلد ہی بوسیدہ ہو کر گر جاتے۔ چنانچہ جب قوم ثمود کی فلسطین اور شام وغیرہ سے تجارت خوب چمک اٹھی اور ہر طرف آسودہ حالی چھا گئی تو انھوں نے پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر مکانات بنانے شروع کر دیئے۔ اگرچہ فن تعمیر کا یہ پہلو آج سے ہزاروں سال پہلے بھی دوسری دنیا کے لیے اجنبی تھا اور آج بھی پہاڑوں میں محلات نما مکانات تعمیر کرکے رہنے کے حوالے سے صرف قوم ثمود ہی کا نام تاریخ میں مذکور ہے۔ ہزار سال بعد البتہ نبطیوں نے بھی اسی طرزِ تعمیر کو اپنایا[10*]۔

میرا خیال یہ ہے کہ پہاڑ تراش کر ان کے اندر عمارات کی تعمیر کا فن اہل ثمود ہی سے شروع ہوا اور صدیوں بعد نبطیوں نے دوسری یا پہلی صدی قبل مسیح میں اس فن کو عروج پر پہنچایا۔ پھر ایلورا اور اجنتا کے غاروں میں یہ فن اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ تاہم قرآن میں اس حوالے سے صرف قوم عاد اور عادِ ثانیہ یعنی قوم ثمود ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ قوم ثمود نے پہاڑوں میں چھوٹے موٹے مکانات نہ بنائے تھے

بلکہ پہاڑ کو اندر کی طرف کھود کر بلند ستونوں سے آراستہ وسیع محلات تعمیر کرائے تھے جن کی چمک دمک دور سے گزرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی اور اہل عرب کے شام کی طرف سے آنے والے تجارتی قافلے اہل ثمود کی بستیوں کے باہر قیام کیا کرتے اور ان کے محلات دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے۔ اول اول اہل ثمود کے ایک دو اہل ثروت نے اس طرز تعمیر کو اپنایا مگر بعد میں بہت سے لوگوں نے پہاڑوں میں محلات تعمیر کرنا شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں محلات پہاڑوں کی زینت بن گئے اور دولت و ثروت کی اس نمائش گاہ کی شہرت عرب و عجم میں پھیل گئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اہل ثمود کی یہ بستیاں اٹھارہ مربع میل تک پھیلی ہوئیں تھیں اور اپنے دورِ عروج میں انھوں نے ایک ہزار شہر آباد کر لیے تھے۔ جن کے انتظامات کے لیے بادشاہ کو سینکڑوں وزیروں کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ لوگ چونکہ قوم عاد سے تھے لہٰذا کم و بیش وہی خصوصیات ان کے خون میں بھی گردش کر رہی تھیں اس لیے بہت جلد انھوں نے اپنے ماضی کی رفعتوں کو بحال کر لیا۔ گویا قوم عاد کی شان و شوکت دوبارہ زندہ ہو کر دنیا کے سامنے کھڑی تھی اور قوم عاد کے بعد یہ دوسری قوم تھی جو دولت و ثروت اور دلیری میں قوم عاد کی جانشین بن کر سامنے آئی تھی اس لیے ان کو مورخین اور اہل عرب کے جاہلی ادب میں عادِ ثانی کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ چٹانوں کو تراش کر بنائی جانے والی عمارات اور سرخ رنگ کے پہاڑوں میں تراشے جانے والے محلات کے نقش و نگار ہزاروں سال گزرنے کے باوجود بالکل تازہ ہیں اور ان محلات میں جا بجا بکھری انسانی ہڈیاں انسان کی اس غلطی پہ دلیل ہیں جو اہل ثمود سے ہوئی مگر آج تک انسان کو اپنی بے ثباتی پر مکمل یقین نہیں ہوا۔ اگرچہ اس طرح کی کئی قومیں تاریخ کے اوراق میں پکارتی صداؤں کی مانند زندہ ہیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ شام سے مدینہ جاتے ہوئے پہلے ارضِ لوط ہے پھر ارضِ شعیب ہے پھر ارضِ الحجر آتا ہے اور یہ تینوں مقاماتِ عبرت ہیں اگر انسان جانے تو !!!

معاشی طور پر آسودہ قوموں میں جو برائیاں دبے پاؤں جنم لیتی ہیں آلِ ثمود ان کی پرورش کرتے رہے۔ جب ان کی ثروت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تو ان میں عجز و انکسار کی جگہ تکبّر نے لے لی اور ان کے اندر شکر گزاری کے بجائے جذبہ بغاوت نے جنم لیا چونکہ ہر معاشرے کی طرح اہل ثمود میں بھی قوم کا نادار اور مفلس طبقہ اکثریت میں تھا جو اہل ثروت کی نگاہ میں حقیر ہو کے رہ گیا تھا اس لیے رفتہ

رفتہ یہاں بھی وہی طبقاتی نظام رائج ہو کے رہ گیا جو کبھی قوم عاد کا طرۂ امتیاز تھا۔ قوم کے اہل ثروت طبقہ نے اس فرق کو بہت بڑھا دیا تھا اور دولت کے زور سے اپنے ہی بھائی بندوں کو غلام بنانا شروع کر دیا تھا۔ غریبوں کے کنویں اور ان کے چلنے پھرنے کی جگہیں تک الگ کر دی گئیں تھیں اور انھیں اچھوت بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ ان کے ہاں اب انسانی کردار اخلاق اور اس کی نیکی کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی بلکہ اس کے بجائے اس کی دولت ہی اس کے شرف کی ضمانت تھی۔ مگر ہر انسانی معاشرے کی طرح یہاں بھی کچھ لوگ موجود تھے جو اس فرق کو شدت سے محسوس کرتے تھے اور کسی درمیانی راہ کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ قوم ثمود کے نادار طبقے کے ایک فرد نے معزز بننے کا ایک انوکھا راستہ اختیار کیا۔ اس نے کہیں سے ایک بت لا کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور لوگوں کو بتانے لگا کہ فلاں بارش کے برسانے میں اس کے معبود کا ہاتھ ہے۔ خیر کے فلاں کام میں اس کی دعا کا حصہ ہے جو اس نے اپنے معبود سے مانگی تھی اور فصلوں کی ہریالی بھی اسی کے دیوتا کی مہربانی سے ہے۔

چنانچہ معاشرے کے کمزور لوگ اس کی باتوں میں آنے لگے اور اس سے دعا کی درخواست کرنے لگے۔ کئی لوگوں کے کام ہو جاتے تو وہ اس کی شہرت اپنے ارد گرد پھیلا دیتے۔ لوگ کاہن سے اس دیوتا کو دیکھنے کی خواہش کرنے لگے اس طرح حضرت ہود بن شالخ علیہ السلام کی اولاد توحید سے بت پرستی کی طرف راغب ہونے لگی اگرچہ اس سے پہلے بھی قوم بہت سی اخلاقی گمراہیوں کا شکار ہو چکی تھی مگر اب وہ بت پرستی کی طرف بھی تیزی سے بڑھی اور جلد ہی قوم کے روساء تک شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس بت کا مالک اب خود کو کاہن کہلانے لگا تھا اور لوگوں سے نذرانے بھی وصول کرنے لگا تھا۔ اس نے برملا اپنے دیوتا کے تصرفات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا اور سرعام لوگوں کو اس نئے دین کی طرف دعوت دینے لگا۔

کاہن نے اپنی قوم سے کہا' یاد کرو اہل عاد کو جن پہ ان کے دیوتاؤں کی رحمت تھی اور ''یعوق ونسر'' نے انھیں مالا مال کر رکھا تھا۔ ہمارے یہ دیوتا تو ہمارے دادا نوح علیہ السلام کی قوم کے پاس بھی تھے تم ہی نے انھیں چھوڑ رکھا ہے۔ طبقہ اشرافیہ نے بھی کاہن کو سند جواز عطا کر دی تو سارا معاشرہ شرکیہ عقائد میں ڈوبنے لگا۔ انھوں نے کاہن سے سیاسی گٹھ جوڑ بنا لیا جس کے بدلے کاہن نے ان سے ایک ہیکل کا مطالبہ کیا جس میں وہ اپنے بت کو رکھ سکے تاکہ لوگ دور دور سے اس کے بت کی زیارت کے لیے آسکیں اور اس پہ نذرانے چڑھا سکیں۔ چنانچہ شہر کے داخلی دروازے پر پتھر کی چٹانوں کو تراش کر ایک عمارت بنا دی گئی جس کو ہیکل کہا

جانے لگا اور کاہن نے اپنے بت کو سجا کر ہیکل میں نصب کر دیا۔اس کے بت کا نام کثریٰ تھا۔ابتدا میں لوگوں کے درمیان چہ مگوئیاں تو ضرور ہوئیں کہ جب خدا ہماری دعائیں سن لیتا ہے تو ہم اس بت پر چڑھاوے کیوں چڑھائیں لیکن ان مواحدین کی تعداد کم تھی اور بت پرستی کی ہوا چل نکلی تھی۔کاہن کی آواز بہت بلند تھی اور اس کو رائے عامہ ہموار کرنے کا فن بھی آتا تھا اس لیے اس نے جگہ جگہ اپنے بت کی وکالت کی۔لوگوں کو بت پرستی کی طرف راغب کیا۔کاہن نے لوگوں سے کہا جس طرح ہر بڑے بادشاہ کے ایک یا ایک سے زیادہ نائب ہوتے ہیں اسی طرح یہ ''کثریٰ'' بھی اسی خدا کا نائب ہے جس کی تم پوجا کرتے ہو۔اس لیے اسے خوش رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

کاہن کو حکومت وقت کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اس لیے لوگ جوق در جوق اس کے ہیکل میں آنے لگے۔ہیکل میں آنے سے لوگوں کے دو مقاصد پورے ہوتے تھے ایک تو ان کے خیال میں انھیں اللہ کے نائب کثریٰ کو خوش کرنے کا موقع ملتا تھا دوسرے وہاں امراء اور اعمائدین حکومت سے بھی ان کی ملاقات ہو جاتی تھی جسے وہ واپسی پر فخریہ بیان کیا کرتے۔چنانچہ وہ قوم جو کل تک موحد تھی شرک اور گمراہی کے راستے پر چل نکلی۔ان کے اجداد بت پرستی کے خلاف تھے اور ان کے سینے حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات سے آباد تھے لیکن وقت کی گرد نے ان خیالات کو ڈھانپ لیا تھا اور دو تین نسلوں بعد ہی قوم ثمود بت پرستوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانے کو تیار ہو گئی۔ برائی کا رستہ ایک مرتبہ نکلا تو پھر کشادہ ہی ہوتا چلا گیا۔چنانچہ جب کاہن کے ہیکل اور اس کے بت کثریٰ کی شہرت قوم ثمود کی دوسری بستیوں میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں کو احساسِ محرومی نے آ لیا اور زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ قوم ثمود کی ہر بستی میں بت پرستی کسی وباء کی طرح پھیلتی چلی گئی اور توحید کے اجالوں کی جگہ شرک کے اندھیروں نے ان کی بستیوں میں ڈیرے ڈال دیئے۔

قوم ثمود نے ابتدا میں جس سماج کی بنا رکھی تھی اس میں خدائے واحد کے سوا کسی اور خدا کی پرستش کی قطعی کوئی گنجائش نہ تھی اس لیے کہ یہ لوگ موحد تھے اور ان کی عقائدی پختگی ہی وہ بنیاد تھی جس کی بنا پر یہ لوگ قوم عاد پر آنے والے اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے تھے۔ان کی طاقت کا سرچشمہ ان کے حکمران ہی تھے اور صاحب اقتدار طبقہ ہی باختیار تصور کیا جاتا تھا مگر بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہونے کے بعد اب کاہنوں اور پجاریوں نے بھی ان کے ہاں کافی قوت اور اختیارات حاصل کر لیے تھے۔کیونکہ لوگ مذہبی

معاملات میں ان کے محتاج تھے اس لیے اب یہ معاشرہ دو قوتوں کے درمیان پس رہا تھا ایک طرف حکومت اور فرمانروائی پر متمکن طبقہ تھا تو دوسری طرف کاہن اور پروہت۔ چنانچہ مذہبی طاقتوں نے دیوی دیوتاؤں کا ایسا چکر چلایا کہ آہستہ آہستہ خدا کا تصور لوگوں کے ذہن سے محو ہوتا چلا گیا اور ان کی ناقص عقل میں اس تصور کو اجاگر کر دیا گیا کہ جو کچھ ہیں بس یہ بت ہی ہیں۔ اگرچہ ابتدا میں یہ بت خدا کے نائب اور اس کے ہاں سفارشی کی حیثیت سے روشناس کرائے گئے مگر گزرتے وقت کے ساتھ ان کے معاشرے میں یہ تبدیلی آتی چلی گئی کہ کل کے یہ نائب اور سفارشی آج خود ہی خدا بن بیٹھے اس لیے کہ جب بخشنے اور معاف کرنے والا گھر ہی میں موجود ہو تو پھر ڈر کس بات کا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بت پرستی کی اس لعنت نے قوم ثمود کو اخلاقی طور پہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ بے حیائی عام ہوگئی فحش باتیں راہ چلتے سنائی دینے لگیں۔ شراب پانی کی طرح بہائی جانے لگی ہر طرف بازاری عورتوں کی یلغار ہوگئی۔ گھروں میں قحبہ خانے کھل گئے۔

الغرض ہر برائی کا عروج اس قوم کا مقدر بن گیا نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ جان و مال اور ہر طرف فسادیوں اور شرارتیوں کا راج تھا۔ قانونِ قدرت ہے کہ جب کسی معاشرے میں اندھیرا ایک حد سے بڑھ جائے تو وہاں روشنی کے اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے پھر وہ ان پر ہدایت اور نصیحت کے دروازے کھولتا ہے تا کہ وہ اپنی عقل سے اس ہدایت کو پہچانیں اور ہدایت کے یہ دروازے وہ انبیائے رسل ہیں جن کو اللہ اپنی قوموں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اتارتا رہا ہے۔ چونکہ قوم ثمود بھی گمراہی کے آخری کنارے تک آ پہنچی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو ہدایت کی روشنی کے ساتھ اتارا کہ شاید وہ ان کی بات سنیں اور فلاح پائیں۔ حضرت صالح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ادم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

آپ کے والد کا نام عبید ابن اصف تھا جو ثمود کی اولاد میں سے تھے۔ جن کے نام پر یہ قوم قوم ثمود کہلاتی تھی۔ نسب کے اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کا خاندان نہایت معزز اور بلند رتبہ تصور کیا جاتا تھا۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے حضرت صالح علیہ السلام کا شجرہ یوں درج کیا ہے، صالح بن عبید بن اصف بن ماسخ بن عبید بن خارد بن ثمود بن جائر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام [*11] ''اہل ثمود کی بستیوں میں حضرت صالح علیہ السلام کو عزت و وقار کا مقام حاصل تھا ایک تو اس لیے کہ آپ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے دوسرے اس لیے کہ آپ منکسر المزاج بے ضرر اور ہر کسی کے کام آنے والے تصور کیے جاتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام

ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جانے جاتے تھے جو اپنے کام سے کام رکھے، زیادہ تر چپ اور اپنے خیالوں میں گم نظر آتے۔ چونکہ وہ اسی معاشرے کا حصہ تھے جس نے دیکھتے ہی دیکھتے توحید سے منہ موڑا اور شرک کی پستیوں میں اتر گیا تھا اس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے ان تمام مراحل کا خاموشی سے مشاہدہ کیا جس میں ان کی قوم کے عقائد بدل کے رہ گئے تھے۔ بت پرستی کی تمام داستانیں ان کے سامنے ہی لکھی گئی تھیں۔ ہیکل کی تعمیر اور پجاریوں کے جبر نے ان کی نظروں کے سامنے جنم لیا تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ ایک طرف اہل اقتدار ہیں تو دوسری طرف کاہن اور پروہتوں کا شیطانی نظام ہے۔ طاقت کے سرچشمے بیت الحکمت سے پھوٹتے ہیں یا ہیکل سے دونوں صورتوں میں عوام ہی چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پس رہے تھے۔ اگر چہ یہ لوگ بھی بری طرح بت پرستی میں مبتلا تھے مگر انھیں بتایا جا سکتا تھا کہ ان کا استحصال کیا جا رہا ہے اور شاید انھیں راہ راست پہ لایا جا سکتا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کی اس حالت پہ کڑھتے رہتے مگر انھیں اپنی ناتوانی کا احساس بھی تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ بڑے بڑے سردار اور کاہن اتنے طاقتور ہیں کہ وہ ان کی بات نہیں مانیں گے اور نہ کوئی اور ان کی بات سننے کو تیار ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کر دیا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر اللہ کی وحی لے کر اترے تو آپ کا سارا احساسِ ناتوانی رخصت ہو گیا اور آپ پوری تندہی سے لوگوں کو راہ راست کی طرف بلانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اللہ کی طرف سے راہنمائی کے بعد آپ اپنے اندر ایک انجانی قوت کو محسوس کر رہے تھے جیسے کسی مضبوط سہارے نے آپ کی پشت پہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔ آپ کو حکم دیا جا رہا تھا کہ اس گمراہ قوم کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔

انھیں خالق واحد کی عبادت کی طرف راغب کریں۔ پچھلی امتوں کی تباہی کے احوال بیان کر کے اس غافل قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ آپ اپنے مشاہدے سے یہ بات اچھی طرح جان چکے تھے کہ اس قوم کے کچلے ہوئے طبقے پر ان کی باتیں زیادہ اثر انداز ہوں گی اور اگر اس طبقہ سے کچھ لوگ ان کی دعوت قبول کر لیتے ہیں تو پھر وہ اہل اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز ان لوگوں سے کیا جو آپ کی شرافت اور بلند نسبی کی وجہ سے آپ کی عزت کرتے تھے۔ آپ بھی ان کے ہر دکھ درد میں شریک ہوتے رہے تھے اور انھی لوگوں کے درمیان جا کر آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور ان کو راہ حق کی دعوت دی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو

بتایا کہ آج میں اپنی مرضی سے تم لوگوں کی طرف نہیں آیا بلکہ مجھے اللہ نے اپنا رسول بنا کر تمھاری طرف بھیجا ہے اسی طرح جس طرح دوسری قوموں کی طرف اللہ کے رسول آتے رہے ہیں۔اللہ نے اپنی طرف سے کچھ احکامات میرے ذریعے تم پہ اتارے ہیں اگر تم ان کو مانو گے تو اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔اسی نے تم کو اس زمین میں پیدا کیا اور آباد کیا ہے۔تو اسی سے مغفرت مانگو اور اسی کے آگے توبہ کرو۔بے شک میرا پروردگار قریب بھی ہے اور دعا کو قبول کرنے والا بھی ہے۔

مگر قوم نے ان کو عجیب جواب دیا جس کی آپ توقع نہ کر رہے تھے انھوں نے نہ صرف شدت سے آپ کا انکار کیا بلکہ کہا کہ تم خود گمراہ ہو گئے ہو اور چاہتے ہو کہ ہم بھی تمھاری طرح اپنے اجداد کا دین چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس روش کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

القرآن الحکیم (سورھود۱۱ ؛ آیات ٦٢)

ترجمہ:

’’اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا! اُس نے کہا ؛اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا، لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اسی کی طرف پلٹ آؤ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔انھوں نے کہا اے صالح ؑ اس سے پہلے تو ہمارے

درمیان ایک ایسا شخص تھا جس سے ہماری بڑی توقعات وابستہ تھیں! کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اگرچہ قوم کی طرف سے یہ جواب نہایت مایوسانہ تھا مگر حضرت صالح علیہ السلام نے اس کو اپنے دل پہ نہ لیا اور پوری دلجمعی کے ساتھ لوگوں کی اصلاح پہ لگ گئے۔ جہاں کہیں چند لوگ اکٹھے نظر آئے ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ آپ ثمود کی ہر بستی میں گئے ہر کوچہ ہر نگر میں گئے ہر چوک ہر محلے میں لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی۔ آپ لوگوں کو دین حق کی طرف بلاتے اور اُن سے فرماتے:

"لوگو اللہ کی طرف آؤ میری باتوں کو غور سے سنو اور ان پر عمل کرو یہ چشمے یہ نباتات، یہ عمارتیں یہ محلات، یہ سرداریاں یہ آسودگیاں سب مٹنے والی ہیں اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ذات ہے اس کی عبادت کرو تمہیں مرنے کے بعد بھی اٹھنا ہے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، اس کی ذات میں کسی کو شریک مت کرو کہ یہی سب سے بڑا کفر ہے بتوں کو اٹھا کر پھینک دو، یہ تمھارے کسی کام نہیں آسکتے کفر کے کام مت کرو اللہ کی نشانیوں کو پہچانو اور اس کے شکر گذار بندے بن جاؤ، جن بتوں کی پرستش میں تم منہمک ہو ان سے اپنے وجود کو کی پرستش میں تم منہمک ہو ان سے اپنے وجود کو صاف کر لو اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو تمھارے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہو"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت صالح علیہ السلام کا پیغام حق و صداقت کی گواہی تھی۔ آپ کا پیغام بہت واضح تھا اور دلوں میں چھید کرتا تھا مگر ان کے دلوں پہ مہر لگی ہوئی تھی اور برسوں کی میل کچیل دنوں میں اترنے والی نہ تھی۔ لوگ آپ کی

باتیں سنتے مگر غور کیے بغیر آگے نکل جاتے۔ کچھ لوگ غور کرتے مگر کوئی خیال انھیں بھی روک دیتا اور وہ اپنی سابقہ روش پہ ہی برقرار رہتے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کو یہ خوف لرزہ براندام کیے رہتا کہ ان سے ہدایت پہنچانے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور مبادا ان کا رب ان سے ناراض ہو جائے۔ اہل ثمود کی یہ بستیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کبھی ایک بستی کا رخ کرتے کبھی دوسری بستی کی طرف نکل جاتے۔ جہاں جگہ پاتے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاتے، جہاں نیند آتی وہیں سو رہتے، امید کا سفر تھا جو ناامیدی کی سواری پہ طے ہو رہا تھا۔

شرارتی لوگ آپ کو اذیت دینے سے بھی باز نہ آتے وہ آپ کو رستوں میں روک لیتے اور بارہا پوچھے گئے سوال پھر سے پوچھنے لگتے۔ آپ کے دل میں قوم کا درد لہریں لیتا اور قوم کی نگاہوں میں آپ مجنون قرار دیئے جاتے۔ کئی کئی دن کی سعی و دعوت کے بعد گھر تشریف لاتے تو گھر کے بزرگ بھی آپ کو اس طرح دیکھتے جیسے کوئی اجنبی ان کے گھر میں گھس آیا ہو۔ دوسری طرف حکومت کے ایوانوں اور کاہنوں کی محفلوں میں بھی حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت ہی گفتگو کا موضوع تھی۔ ان کی عبادت گاہیں بھی آپ کے خطبات سے گونج رہی تھیں۔ اگرچہ آپ کی ذات کے حوالے سے ابھی تک کوئی فساد اور ہنگامہ پیدا نہ ہوا تھا اس لیے ایوان شاہی بھی خاموش تھا۔ تاہم اس خاموشی کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی سرگرمیوں سے آگاہ نہ تھے۔ کاہنوں کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کے مخبر بھی بستی بستی گاؤں گاؤں کی خبریں ایوان اقتدار تک پہنچا رہے تھے۔

تاہم کاہنوں کے اندر ایک اطمینان اور بے چینی کی ملی جلی کیفیت تھی۔ اطمینان تو اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ لوگوں نے عمومی طور پہ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت پہ کان نہیں دھرے بلکہ ہنوز انکار پہ جمے ہوئے ہیں اور ان کی بے چینی کی وجہ یہ تھی کہ مذہبی روایات سے آشنا ہونے کی وجہ سے وہ کسی حد تک جانتے تھے کہ جو کچھ حضرت صالح علیہ السلام کہہ رہے ہیں وہی سچ ہے اور مذہب کے نام پر انھوں نے جو گورکھ دھندا رچا رکھا ہے وہ سب جھوٹ ہے اس لیے انھیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی باتوں میں نہ آ جائیں کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ ان کی آمدن ختم ہو جائے گی بلکہ معاشرے میں ان کو جو باعزت مقام حاصل تھا اس کا بھی جنازہ نکل جاتا۔ ان کی عبادت گاہیں اجڑ جائیں گی اور وہ لوگوں کی

نظروں میں ذلیل وخوار ہو کے رہ جائیں گے۔ادھر ایوانِ اقتدار میں لوگ کم از کم اس حد تک ضرور مطمئن تھے کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت صالح ﷺ کا حکومت اور اقتدار سے کوئی لینا دینا نہیں۔اس لیے باوجود کاہنوں اور پروہتوں کے اکسانے پر وہ حضرت صالح ﷺ کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے کو تیار نہ تھے اس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت صالح ﷺ کا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے اور ان کے خلاف کاروائی سے کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

کاہنوں کے مقرر کیے ہوئے لوگ حضرت صالح ﷺ کا راستہ روک لیتے اور زک پہچانے کے لیے لوگوں کی موجودگی میں ان سے طرح طرح کے سوال کر کے پریشان کرتے۔وہ آپ کو احساس دلاتے کہ آپ معاشرے کے ایک عام سے آدمی ہیں اور بظاہر اللہ کا کوئی فضل آپ پر نظر نہیں آتا۔نہ آپ آسودہ ہیں، نہ آپ کا قبیلہ طاقتور ہے تو آخر ہم آپ کی بات کیوں مانیں جس کے جواب میں آپ نے ان کو ایک دلسوز خطبہ دیا!

"اے شرارت بھرے سوال کرنے والو! دنیا کی ظاہری شان وشوکت پر غرور نہ کرو، یہ اللہ کا تم پر احسان ہے اس لیے اگر تم پہ اس کا احسان زیادہ ہے تو تم کو اس کی شکر گذاری بھی زیادہ کرنی چاہیے۔یہ تمام چیزیں وہ جب چاہے تم سے چھین لے۔لہٰذا شکر کرو اور کفر کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ بتوں کی پوجا چھوڑ دو کہ آخر تمہیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے ہر عمل کی جزا پانی ہے۔اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔تم کتنے احمق ہو کہ خود ہی اپنے ہاتھوں سے بت گھڑتے ہو اور پھر خود ہی ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہو۔کیا تمھاری عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں کیا تمہیں اپنے آباء قوم عاد یاد نہیں۔کیا تمہیں طوفان نوح بھول چکا کیا تم بھی انھی کی طرح تباہی کے اندھے غار کی طرف جا رہے ہو تمہیں کچھ احساس بھی ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا، کچھ تو خدا کا خوف کرو اور ڈرو اس برے دن کے عذاب سے جس کا علم مجھے دیا گیا ہے"۔

حضرت صالح ﷺ کی دعوت اب تک صرف نچلے طبقے تک محدود تھی مگر وہ جانتے تھے کہ جب تک قوم کے با اثر لوگ ان پر ایمان نہیں لاتے اس وقت تک ان کی دعوت کو زیادہ کامیابی حاصل ہونے کا امکان نہیں ہے۔اگر چہ کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے مگر وہ بے کس اور نادار لوگ تھے۔حضرت صالح ﷺ

برسوں اپنی قوم کو دین کی دعوت دیتے رہے۔ابتدائی دس سالوں میں آپ کو کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔دس برس کی جہد وسعی کے دوران تقریباً دس افراد آپ پر ایمان لائے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور معاشرے میں ان کا اثر ونفوذ نہ ہونے کے برابر تھا۔تاہم اللہ کے نبی کبھی بھی اپنے مشن سے مایوس نہیں ہوا کرتے۔چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام بھی بدستور اپنے فرائض رسالت کو ادا کرتے رہے اور کسی بھی لمحہ اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہوئے۔ان کے ساتھی چاہے تھوڑے تھے مگر مخلص تھے اور ان کو اللہ کی طرف سے یقین کی وہ دولت عطا کی گئی تھی جس سے قوم ثمود محروم تھی۔اس خدشے کے پیش نظر کہ وہ لوگ آپ کے ساتھیوں پر ظلم ودست درازی نہ کریں آپ نے اپنے ساتھیوں کے ایمان کو خفیہ رکھا ہوا تھا اور رات کے کسی وقت آبادی کے باہر ویرانے میں یا کسی پہاڑ کی کھو میں آپ ان کو اللہ کے دین کی تعلیم دیتے۔

وہ آپکے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرتے اور اس سے نصرت کے طلبگار ہوتے۔ادھر کاہن بے قرار تھے کہ حکمران وقت حضرت صالح علیہ السلام کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں تو دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ براہ راست حکمرانوں اور کاہنوں کو دین حق کی دعوت دیں۔ادھر کاہنوں کے آدمیوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھیوں کا سراغ لگا لیا تھا۔چنانچہ جس صبح حضرت صالح علیہ السلام ان کو دعوت دینے کے لیے گھر سے نکلے اسی دن انھیں معلوم ہو گیا کہ حکمرانوں نے ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔چنانچہ اب حضرت صالح علیہ السلام کاہن کی بجائے سیدھے مقامی حکمران کے پاس جا پہنچے جس کا نام جندوع بن عمرو تھا[12*]۔جندوع بن عمرو کی حویلی میں اس وقت کافی افراد جمع تھے جن میں حضرت صالح علیہ السلام کے وہ ساتھی بھی تھے جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا اور آپ پر ایمان لے آئے تھے ،وہاں پروہت بھی تھے اور بڑا کاہن بھی تھا۔کاہن نے سردار کو بتایا کہ حضرت صالح علیہ السلام ان آدمیوں کے ساتھ مل کر آپ کی حکومت پہ قبضہ کرنا چاہتے تھے اس لیے ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔چنانچہ کاہن کے اکسانے پر جندوع بن عمرو نے آپ پر بغاوت کا الزام عائد کیا۔ جسے حضرت صالح علیہ السلام نے بھری محفل میں رد کر دیا اور کہا؛ ان کا منشا اور جدو جہد صرف قوم کی اصلاح ہے میں چونکہ تمام قوم ثمود پر اور تم پر بھی اللہ کا مقرر کردہ رسول ہوں اس لیے مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں لوگوں کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤں۔پھر آپ نے کاہن، پروہتوں کے ٹولے اور حکمران جندوں بن عمروع کو

اللہ کے دین کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ بت پرستی دراصل شیطان کا پھیلایا ہوا ایک جال ہے جس میں پھنس کر انسان سیدھا جہنم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو میری پیروی کرنی چاہیے کیونکہ مجھے اللہ نے اس علم سے نوازا ہے جس سے تم محروم ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کے خاندان سے ہوں اور کیا تم خدا کی اس سنت سے ناواقف ہو کہ جب قومیں سرکش ہو جایا کرتی ہیں تو اللہ ان کی طرف اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے ہدایت اتارا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اس لیے تمھاری نجات اسی میں ہے کہ تم میری پیروی اختیار کرو۔ شرک سے باز آ جاؤ۔ بت پرستی سے دور ہٹ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے جو احکامات میں تمہیں پہنچاؤں ان کی پیروی کرو یہی فلاح کا واحد راستہ ہے۔ اس کے سوا تمھارے پاس اور کوئی چارہ نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میری اس دعوت کا مقصد حکومت اور اقتدار ہرگز نہیں اور نہ ہی میں تم سے کوئی ایسا مطالبہ کر رہا ہوں میں تو صرف اور صرف تم لوگوں کی بھلائی میں راضی ہوں۔ میری کوئی ذاتی غرض اس دعوت سے وابستہ نہیں اور نہ میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ طلب کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ میرا بدلہ تو اس کے پاس ہے جو بڑا احسان کرنے والا ہے جس کی طرف میں تم سب کو بلا رہا ہوں۔

جندوع بن عمروع اور کئی دیگر سردار حضرت صالح علیہ السلام کی اس تقریر سے متاثر دکھائی دیتے تھے مگر کاہن کو حضرت صالح علیہ السلام کی کامیابی میں جھانکتی اپنی موت دکھائی دے رہی تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی پتا پھینکا اور کہا ہم تم پہ ایمان لے آئیں مگر جس طرح اللہ کے سابق پیغمبروں پر اللہ کے معجزات اترا کرتے تھے تم بھی ہمیں کوئی ایسا ہی معجزہ دکھا دو؟ اللہ کے نبی ایسے مواقع پر پریشان نہیں ہوا کرتے کیونکہ ان کے ساتھ پختہ یقین کی وہ دولت ہوتی ہے جس کی حلاوت سے صرف وہی واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے کاہن کو جواب دیا کہ اے کاہن تو اپنے قول کو درست کر لے کہ نبیوں کے پاس معجزے وغیرہ کی قوت نہیں ہوا کرتی ان کے پاس تو صرف دعا ہوتی ہے طاقت صرف اللہ کے پاس ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کی دعا کو کبھی رد نہیں کیا۔ بول میں تجھے کیا معجزہ دکھاؤں۔ کاہن نے اپنے پروہتوں سے مشورہ کیا اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ سامنے والا پہاڑ پھٹے اور اس سے ایک ایسی اونٹنی برآمد ہو جس کا رنگ ایسا ہو کہ پوری نسل میں کسی کا نہ ہو یہ اونٹنی دس ماہ کی گابھن (حاملہ) ہو اور پہاڑ سے باہر آتے ہی وہ بچے کو جنم دے۔ یہ بچہ بھی غیر معمولی ہو کہ پیدا ہوتے ہی اس کا قد ماں کے برابر ہو جائے یہ پہلے ماں کے دودھ پہ منہ مارے

پھر گھاس چرنا شروع کر دے۔

کاہن نے اپنے سردار جندوع بن عمروع کے ساتھ مشورے کے بعد اس معجزے کے لیے قوم کی عید کا دن مقرر کر دیا جس میں بس چند روز ہی بچے تھے اور اب ساری قوم کی نظریں حضرت صالح علیہ السلام پر جمی تھیں کہ وہ عید کے دن معجزہ دکھا سکیں گے یا نہیں؟؟؟

ساری قوم عید کی تیاریوں میں مگن تھی، عید کے دن ساری قوم ایک بڑے میدان میں جمع ہوا کرتی تھی۔ اسی میدان کے ایک سرے پر قوم ثمود کی مرکزی عبادت گاہ تھی۔ وہی ان کی خوشی کا تہوار تھا جس میں بڑا میلہ لگا کرتا۔ ساری قوم مرکزی عبادت گاہ کے سامنے جمع ہو کر اپنے بتوں کی پوجا کیا کرتی اور خوب شور مچایا جاتا۔ وہ شراب نوشی کرتے، اپنے بتوں پہ نذرانے چڑھاتے شعروشاعری کرتے اور اپنے بتوں کی تعریف میں قصیدے پڑھتے۔

تاہم آج اس میلے یا عید کے دن لوگوں کو اس خاص بات کا بھی انتظار تھا جس کا وعدہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کیا ہوا تھا۔ کاہنوں کے گروپ میں ایک بے چینی تھی کیونکہ بڑے کاہن کے پروہت اس سے ناراض تھے کہ اس نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیوں کیا۔ اس لیے کہ اگر حضرت صالح علیہ السلام معجزہ دکھانے میں کامیاب رہے تو ان کی بساط الٹ جائے گی اور بنی بنائی عزت مٹی میں مل کے رہ جائے گی۔ مگر بڑے پروہت نے ان کو تسلی دی کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اگر وہ معجزہ دکھانے میں کامیاب بھی رہے تب بھی میں لوگوں کو کہہ دوں گا کہ یہ جادو ہے اور قوم میری ہی بات مانے گی کیونکہ وہ برسوں سے میری بات مانتے آئے ہیں۔

کاہن کی یہ بات بڑی حد تک درست بھی تھی اس لیے کہ لوگوں کی ہمدردیاں اسی کے ساتھ تھیں اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ حضرت صالح علیہ السلام معجزہ دکھانے میں ناکام رہیں اور ان کو دیس نکالا دے دیا جائے ان کے کانوں میں پھر حضرت صالح علیہ السلام کی آواز نہ پہنچے۔ تاہم حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مطمئن تھے اور اپنے رب سے دعا گو تھے کہ اللہ ان کو کامیابی عطا کرے۔ ان کو یقین اور ایمان کی دولت حاصل تھی اس لیے انھیں کوئی پریشانی نہ تھی وہ جانتے تھے کہ ان کا رب بااختیار ہے اور ان کا رسول (حضرت صالح علیہ السلام) سچا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ پوری قوم ان کے سچے رسول کی پیروی کرے پھر اللہ کی طرف سے ان کو پیغام مل چکا تھا کہ وہی کامیاب ہوں گے قرآن پاک کی ان آیات میں قوم ثمود کے رویّے کا

تذکرہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اپنی طرف سے حضرت صالح علیہ السلام کو ان الفاظ میں تسلی دی:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ○ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ○ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ○ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ○ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ القمر ۵۴ : ۲۸)

ترجمہ:

ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے! ایک اکیلا آدمی جو ہم میں سے ہے کیا اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کی اتباع قبول کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بہک گئے اور ہماری عقل ماری گئی، کیا ہمارے درمیان یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ نہیں! بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور برخود غلط ہے (مگر ہم نے اپنے پیغمبر سے کہا) کل ہی انھیں معلوم ہو جائے گا کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور برخود غلط ہے۔ ہم اونٹنی کو ان کے لیے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں اب ذرا صبر کے ساتھ دیکھ کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، اور ان کو بتا دینا کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عید کا روز آ پہنچا تھا ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا خوب رونق تھی ساری قوم بڑے میدان میں مرکزی عبادت گاہ کے سامنے جمع تھی لوگوں میں ایک جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ بڑا کاہن اپنے پروہتوں سمیت موجود تھا قوم کے معزز سردار تاجر سوداگر حاکم شاہی محل کے کارندے اور ان کا سردار عمرو بن جندوع بھی موجود تھا۔ اس طرز کی محفلوں میں پہلے شراب کا دور چلتا پھر کوئی دوسری بات کی جاتی اور آج کے اس خاص موقعے پر بھی فراخ دلی سے اس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خاص طور پہ بلائی گئی رقاصائیں بھی اس موقع پر موجود تھیں جن کا

کام مہمانوں کی دلداری کرنا تھا۔ دیوتاؤں کے نام پر شراب کے ظروف ایک ایک کر کے خالی ہو رہے تھے۔ شراب اور شباب کی فراوانی نے اہل محفل کے ہوش اڑائے ہوئے تھے مگر اس خمار کے باوجود بھی وہ حضرت صالح علیہ السلام کو نہیں بھولے تھے۔ سب لوگ ہزیان بک رہے تھے جندوع بن عمروع اپنے اعمائدین حکومت کی ان باتوں سے پریشان ہو رہا تھا۔ اسے ان کی عقلوں پہ غصہ آ رہا تھا۔ آج نہ جانے کیوں اسے اپنے سرداروں کی یہ باتیں ناگوار گزر رہیں تھیں اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کوئی حضرت صالح علیہ السلام کو نہ ہرا سکے۔ کوئی ان کی تضحیک نہ کرے۔ کیا خبر وہی سچے ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے سرداروں کو پکارا کہ جب یہ طے ہو چکا کہ حضرت صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی جائے گی تو پھر اس میں دیر کیوں کی جارہی ہے اسی دوران اس نے دیکھا کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے پیروکاروں کے ہمراہ ایک شان سے داخل ہوئے اور لوگوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

''اے میری قوم کے لوگو! میری بات غور سے سنو معجزہ نبوت کی دلیل نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی کسی نبی کی یہ طاقت ہے کہ وہ از خود کوئی معجزہ دکھا سکے، یہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ کہلاتا ہے، میں تو ایک بشر ہوں اور اپنے رب سے دعا کر سکتا ہوں، اگر اس نے مناسب حال سمجھا تو تم ضرور اس اونٹنی کو دیکھ سکو گے جس کا تم نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے لیکن خبردار رہو کہ معجزہ نمودار ہونے کے بعد تم پہ حجت قائم ہو جائے گی اس لیے تم پہ لازم ہے کہ تم مجھ پہ ایمان لے آؤ، ایسا نہ ہو کہ تم نشانی دیکھنے کے بعد بھی انکار اور سرکشی پر قائم رہو اور اللہ کے غضب کا شکار ہو جاؤ! اور سنو یہ اونٹنی صالح کی اونٹنی نہ ہوگی بلکہ اللہ کی اونٹنی ہوگی اس لیے اللہ کی زمین پر جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی! خبردار اسے نہ تو ظلم کی آنکھ سے دیکھنا اور نہ ظلم کے ہاتھ سے چھونا، پانی کی باری مقرر ہوگی ایک دن یہ اونٹنی تمھارے چشمے سے پانی پیے گی اور دوسرے دن تم، اور اگر تم نے اس کی پاس داری نہ کی اور اسے یا اس کے بچے کو ہلاکت میں ڈالا تو اللہ کا ایسا عذاب تمہیں آ پکڑے گا کہ تم دنیا کے لیے عبرت کی مثال بن جاؤ گے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت صالح علیہ السلام کا خطبہ اختتام پذیر ہوا اِک سکوت تھا جس نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔کاہن اپنے ماتھے پہ آجانے والے پسینے سے ناآشنا تھا اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔عوام جیسے سحرزدہ سے تھے سرداروں کی حالت ایسی تھی جیسے انھوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔حضرت صالح علیہ السلام اس ٹیلے سے نیچے اترے جہاں سے وہ لوگوں کو خطاب کررہے تھے۔آپ کے جانثار ساتھی بھی آپ کے ساتھ تھے حضرت صالح علیہ السلام اب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس پہاڑ کی طرف جارہے تھے جس کی نشاندہی خود پروہت اور اس کے ساتھیوں نے کی تھی۔لوگوں کی نظریں حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھیں۔مجمع پر بھیانک سکوت طاری تھا جیسے لوگ اپنی سانسیں بند کیے کھڑے ہوں۔کسی سوکھے پتے کے گرنے تک کی آواز گونج جاتی تھی۔حضرت صالح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کے سامنے پہنچے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے۔حضرت صالح علیہ السلام کے پیروکار آپ کے قریب ہی کھڑے تھے اور اللہ کی حمد وثنا میں مصروف تھے۔اللہ کے پیغمبر نے ہاتھ اٹھائے دعا کی اور پہاڑ کی طرف دیکھا۔

پہاڑ کے اندر سے گڑگڑاہٹ کی آواز آئی پھر خاموشی طاری ہوگئی۔پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی جانور کراہ رہا ہو۔پھر ایک زوردار گونج کے ساتھ پہاڑ پھٹ گیا اور اس میں شگاف ہوگیا۔شگاف سے ایک قدآور اونٹنی نکل آئی جس کا پیٹ غیر معمولی طور پہ بڑھا ہوا تھا۔یعنی وہ پورے دنوں کی حاملہ تھی پھر میدان میں جمع قوم ثمود کی ہر آنکھ نے اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کیا کہ اس نے اونٹنی نے ایک بچے کو جنم دیا جس کا قد فوراً ہی بڑھنے لگا اور بچہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ماں کے برابر ہوگیا۔بچے نے پہلے اپنی ماں کے دودھ پہ منہ مارا پھر اسے چھوڑ کر گھاس چرنے میں مگن ہوگیا۔جب بچہ گھاس چر چکا تو اس کی ماں اسے لے کر قوم ثمود کے چشمے تک پہنچی اور ماں بیٹے نے پانی پیا۔جب وہ سیراب ہوئے تو چشمے کا پانی ختم ہو چکا تھا۔لوگ یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے اور ان کی اکثریت میدان سے بھاگنے لگی۔وہ پہاڑ جہاں سے یہ اونٹنی برآمد ہوئی تھی جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب ہے اس میں اب تک ساٹھ فٹ کا وہ شگاف موجود ہے جس کے پھٹنے سے اونٹنی باہر آئی تھی اور ناقۃ اللہ کا وہ نقش قدیم آج تک زیارت گاہ خاص وعام ہے۔جندوع بن عمروع جو

قوم کا سردار تھا ابھی تک اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں موجود تھا۔اس نے حضرت صالح ؑ کے معجزے کو عظیم الشان معاملہ پایا تھا اس لیے قدرت عالیہ کی یہ دلیل قاطعہ اور برہان معجزہ اس کے دل کو ہلا گئی تھی اس لیے وہ بے اختیار چیخا اور اپنی قوم کو مخاطب کیا۔صالح ؑ پیغمبر ہیں ہم نے ان سے جو مطالبہ کیا وہ انہوں نے پورا کیا اس لیے میں ان کی پیغمبری اور اللہ کی واحدانیت پر ایمان لاتا ہوں۔کون ہے جو میرے ساتھ آتا ہے۔عمرو بن جندوع کا بھتیجا شہاب بن خلیفہ اپنے چچا کی پکار پر آگے بڑھا جندوع نے اسے پکارا بیٹا اس نعمت سے دور مت رہ اور فوراً آکر مشرف بہ اسلام ہو جا اسی دوران بتوں کے دو پروہت الحباب اور رباب جو سگے بھائی تھے اور شہاب بن خلیفہ کے گہرے دوست تھے۔انھوں نے شہاب کا بازو تھام لیا اور کہا کہ جو کچھ صالح ؑ نے دکھایا ہے وہ تو کھلا جادو ہے ورنہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی پہاڑ سے اونٹنی کو اس طرح نکال سکے۔

شہاب بن خلیفہ ان کافروں کی باتوں میں آکر اپنی عاقبت خراب کر بیٹھا۔شہاب کے ایک اور دوست مہرش بن غنمہ نے جو شاعر بھی تھا اور حضرت صالح ؑ پر ایمان بھی لا چکا تھا نے فی البدیع یہ شعر کہے۔

آل عمرو کی اولاد نے
شہاب کو پیغمبر کے دین کی طرف بلایا
وہ شہاب جو سارے ثمود کو عزیز تھا.
پھر اس نے ارادہ بھی کر لیا کہ نبی کی دعوت قبول کر لے
اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیتا تو
ہم میں صالح اور عزیز و محبوب ہو جاتا
لیکن ذواب والوں نے اپنے ساتھی کے ساتھ
عدل نہیں کیا اور آلِ حجر کے لوگ
پیٹھ دے کر بھاگ گئے کسی مکھی کی طرح

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ وہ قوم جو عہد کر چکی تھی کہ وہ نشانی دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئیں گے میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ ہیکل کے اہلکار اور کاہن کے شیطان صفت ساتھی پکار رہے تھے چیخ رہے تھے اے لوگو! دیکھنا کہیں دھوکے میں نہ آ جانا، صالح ؑ بہت بڑا جادوگر ہے اس کی باتوں میں نہ آ جانا۔ یہ پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ ابھی ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ جادو کی یہ اونٹنی ہم پہ کیا عذاب لاتی ہے۔ حضرت صالح ؑ کو اپنی قوم کے فیصلے سے مایوسی ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم خسارے کا سودا کر رہی ہے مگر ان کی قوم کاہن کی بات مان رہی تھی اور اتنی واضح نشانی دیکھ لینے کے باوجود انکار اور جہالت پر اڑی ہوئی تھی۔ قرآن حکیم فرقان عظیم نے اونٹنی کی پیدائش اور قوم کی سرکشی کا احوال کئی جگہ بیان کیا ہے۔ بطور نمونہ چند آیات درج کی جاتی ہیں جو نہ صرف درس عبرت ہیں بلکہ سوچنے والوں کے لیے مشکواۃ راہ بھی ہیں۔

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَـذِهِ نَاقَةُ اللّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللّهِ وَلاَ تَمَسُّوهَا بِسُوَءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَاذْكُرُواْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاء مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُوراً وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتاً فَاذْكُرُواْ آلاء اللّهِ وَلاَ تَعْثَوْا فِي الأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○ قَالَ الْمَلأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُواْ مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُواْ لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحاً مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ قَالُواْ إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ ۷۶-۷۲)

ترجمہ:

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح ؑ کو بھیجا اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آ گئی ہے یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک کھلی نشانی کے طور پہ ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی

زمین میں چرتی پھرتی رہے، اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو اس قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے سے کہا! کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہیں" ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا پھر جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ O قَالُواْ يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هَـذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ O قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَى بَيِّنَةً مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ Oوَيَا قَوْمِ هَـذِهِ نَاقَةُ اللّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللّهِ وَلاَ تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ O فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُواْ فِي دَارِكُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ Oفَلَمَّا جَاء أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحاً وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ Oوَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُواْ

الصَّيۡحَةُ فَأَصۡبَحُواْ فِي دِيَارِهِمۡ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمۡ يَغۡنَوۡاْ فِيهَآ أَلَآ إِنَّ ثَمُودَاْ كَفَرُواْ رَبَّهُمۡ أَلَا بُعۡدٗا لِّثَمُودَ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ ھود ۱۱ ؛ ۶۲۔۶۸)

ترجمہ؛

اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا! اُس نے کہا " اے میری قوم کے لوگو !اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ، لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اسی کی طرف پلٹ آؤ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔انھوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایک ایسا شخص تھا جس سے ہماری بڑی توقعات وابستہ تھیں ! کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے،، صالح نے کہا، اے برادرانِ قوم! تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا اور پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھ کو نواز دیا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا۔اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی ہے اسے خدا کی زمین میں چرنے پھرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پہ خدا کا عذاب آجائے گا، مگر انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اس پر صالح نے ان کو خبردار کیا کہ ''بس اب تین دن اپنے گھروں میں رہ بس لو یہ ایسی معیاد ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی، آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان پہ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا بے شک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالا دست ہے، رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت

دھماکے نے انھیں آلیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس وحرکت پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے سنو' ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا! سنو' دور پھینک دیئے گئے ثمود! [*13]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم اگرچہ معجزے کو دیکھ چکی تھی مگر لوگوں کی اکثریت کے دلوں پہ جیسے مہر لگی ہوئی تھی جو انھیں واضح نشانی دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان لانے سے روک رہی تھی۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جن کے دل نرم پڑے تھے۔ جندوع بن عمروع جیسے چند بڑے سرداروں کے اسلام لانے کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا تھا کہ اہل ایمان ان لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو گئے تھے۔ اگرچہ اب بھی لوگ ان سے الجھتے ضرور تھے مگر ایک حد سے آگے نہ جاتے تھے کہ مبادا جھگڑا بڑھ جائے اور خانہ جنگی کی سی صورت پیدا ہو جائے اس لیے کہ ایمان لانے والوں کی آنکھوں میں ایسی قوت تھی اور دل میں ایسا یقین تھا جو انھیں کافروں کی کثرت کے باوجود ایمان پر قائم رکھے ہوئے تھا۔ اور ان کی ثابت قدمی نے اہل کفر کو ششدر کر رکھا تھا۔ ان کی زبانوں کو بند کر رکھا تھا حضرت صالح علیہ السلام بدستور کارِ نبوت پر قائم تھے تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا اور آپ اب بھی اس بھٹکی ہوئی قوم کو پوری دردمندی سے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے تھے۔ لوگ ان کو دیکھتے اور راستہ بدل لیتے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے مگر اس سب کے باوجود سوچنے والے کچھ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف راغب ہو رہے تھے اور گاہے بہ گاہے کچھ صاحب مقدر حضرت صالح علیہ السلام کا دین قبول کر بھی رہے تھے ۔کافروں کو یہ بات بری طرح کھٹک رہی تھی اگرچہ ایمان لانے والے افراد کی اکثریت نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اس کے باوجود سردارانِ قوم اسے اپنی رعایا کی بغاوت سے تعبیر کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جسے وہ اللہ کی اونٹنی کہتے تھے قوم ثمود کے سینے پہ مونگ دل رہی تھی وہ ان کے کھیتوں میں چرتی اور ان کے چشموں کا پانی پیتی ۔لوگ اسے اپنی بستیوں میں چلتے پھرتے دیکھتے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اس جیت کو یاد کرتے جس میں ان کی قوم کو ایک یادرہ جانے والی بری شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ بڑا کاہن اب پچھتاوے کا شکار تھا اور جانتا تھا کہ جب تک حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ان کے درمیان ہے لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوتے رہیں گے کاہن پر اس کے پروہت اور

کئی سردارانِ قوم لعنت ملامت کرتے رہتے کہ اس نے حضرت صالح ﷺ سے معجزہ کیوں طلب کیا تھا۔اس لیے کہ اگر چہ ہر واقعہ بھول جانے کے لیے ہوتا ہے مگر حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی لوگوں کے دلوں میں اس واقعہ کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتی۔سردارانِ قوم کاہن کو کہتے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اگر یہی صورت رہی تو صالح ﷺ ہم پہ بادشاہ بن جائیں گے اور کوئی انھیں اور ان کے جتھے کو روکنے والا نہ ہوگا۔مگر وہ اونٹنی کو قتل کرنے سے بھی ڈرتے تھے اس لیے کہ ایک تو حضرت صالح ﷺ نے ان کے اس عمل پر اللہ کے عذاب کی دھمکی دے رکھی تھی دوسرے وہ جانتے تھے کہ اب حضرت صالح ﷺ اور ان کے پیرو کار بالکل ہی بے بس ولاچار نہیں ہیں بلکہ ان کے حوصلے بھی بلند ہیں اور وہ لڑنے مرنے پر بھی آمادہ رہتے ہیں۔

پھر یہ سوال بھی اہم تھا کہ اگر حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی کو قتل ہی کرنا ہے تو یہ سخت کام کرے گا کون؟ یہاں آ کر ان کی سوئی اٹک جاتی اور کوئی بھی اس کا ذمہ لینے کو تیار نہ ہوتا کیونکہ قوم ثمود کے ہر سردار کے دل کے کسی کونے میں حضرت صالح ﷺ کا اثبات اور اللہ کے عذاب کا خوف موجود تھا۔اس لیے باوجود اس کے کہ وہ اونٹنی کے قتل کو اپنا قومی مسئلہ جانتے تھے کوئی بھی نہ تھا جو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کو تیار ہو۔

رات کا اندھیرا تھا، ہر سو سکوت کے ڈیرے تھے مگر ساری بستی میں ایک کاہن کی رہائش گاہ تھی جہاں روشنی تھی۔وہاں ایک خفیہ میٹنگ جاری تھی جس میں حضرت صالح ﷺ اور ان کی اونٹنی زیر بحث تھی۔

اگر چہ اہل ثمود کے اکثر سردار حضرت صالح ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے اور ان کے دین کے بھی خلاف تھے لیکن ان میں سے چند ہی ایسے تھے جو حضرت صالح ﷺ کے خلاف براہ راست کسی عملی کاروائی میں حصہ دار بننے کو تیار ہوں۔وہ خاموشی سے حالات کا رخ بھانپ رہے تھے اور اپنے اس عہد کی پاسداری کرنا چاہتے تھے جس کے مطابق انھوں نے عہد کیا تھا کہ وہ نشانی دیکھ کر حضرت صالح ﷺ پہ ایمان لے آئیں گے اگر چہ وہ ایمان نہیں لائے تھے مگر اسی عہد کے دوسرے حصے پر قائم رہنا چاہتے تھے کہ اگر ان کی طلب کی گئی اونٹنی معرض وجود میں آ گئی تو وہ اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔عام لوگ تو اس کے باوجود کہ وہ ابھی تک بت پرستی میں مبتلا تھے حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کے سخت خلاف تھے کیونکہ عذاب کا خوف ان کے شعور میں زندہ تھا اور وہ خواہ مخواہ کسی مصیبت کو دعوت دینے کے حق میں نہ تھے۔اسی لیے ایک بار جب حضرت صالح ﷺ نے اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور کہا کہ اسی ماہ وہ شقی القلب

پیدا ہوگا جو میری اونٹنی کو قتل کرے گا اور تم سب کی بربادی کی وجہ بنے گا تو پوری قوم نے نہایت ایمانداری سے یہ عہد کیا کہ اگر حضرت صالح علیہ السلام اس کے متعلق کوئی نشانی بتادیں تو وہ اس کو قتل کردیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو چند اشارات دیئے جس میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ بچہ اسی ماہ پیدا ہوگا اور اس کا رنگ سرخ اور کچھ نیلا ہوگا۔ قوم ثمود پوری تندہی سے اس بچے کی تلاش میں لگ گئی۔ انھوں نے شک میں کئی لوگوں کے بچے بھی مار ڈالے۔ آٹھ سمجھدار اور جہاندیدہ عورتیں بھی دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ اس عورت کی تلاش میں تھیں جو نیلا اور سرخ بچہ جنے اور وہ اسے مار ڈالیں۔ دائیوں کو چونکہ اپنے علاقہ کی اکثر حاملہ عورتوں کا علم ہوتا ہے اس لیے ان کی نظر تمام ہی عورتوں پر ٹکی تھی جس کے ہاں بھی ولادت ہوتی اگر تو لڑکی ہوتی تو وہ اسے چھوڑ دیتے اگر لڑکا ہوتا تو اس کی خاصی کرید کرتے کئی دن تک اس کے رنگ کا معائنہ کرتے مگر اتفاق یوں ہوا کہ ایک دائی کی اپنی بیٹی بھی حاملہ تھی جس نے اس کو شہر سے دور پہاڑ کی ایک کھوہ میں چھپا رکھا تھا اور اس بدبخت کو اسی عورت نے جنم دیا۔

جبکہ قوم ثمود بستیوں میں اس بچے کی تلاش میں ہلکان ہو رہی تھی رات کا آخری پہر چل رہا تھا مگر کاہن کے ہاں موجود شر پسند کسی آخری فیصلے تک نہ پہنچے تھے کیونکہ ہر کسی کو اپنی جان عزیز تھی اس لیے وہ اونٹنی کے قتل کی ذمہ داری لینے سے گریزاں تھے۔ اس محفل میں کم از کم سات سردار بھی تھے جو کاہن کے اکسانے پر اب اس کا ساتھ دینے کو تیار تھے۔ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے اب ہر صورت نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اکثر اوقات سارا پانی پی جاتی اور ان کے جانور پیاسے رہ جاتے اور سارے عرب میں ہی پانی کا فقدان تھا اور وہاں اکثر لڑائیاں پانی ہی کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ اہل ثمود اب پانی کی قلت کا شکار ہونے لگے تھے اگرچہ کبھی ان کے علاقے میں پانی کی کمی نہ تھی مگر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ان کے لیے سخت آزمائش ثابت ہو رہی تھی۔

مگر اس کے باوجود وہ مصالحت کی کوئی راہ اختیار کرنے کو تیار نہ تھے اور نہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ اس لیے ان کو آخری حل صرف یہی نظر آتا کہ کسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے اپنی جان چھڑائی جائے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ چند سازشی عناصر ان کے خلاف معاندانہ کاروائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔ پھر آپ کا رب بھی دشمن کے ہر ارادے سے آپ کو

باخبر رکھ رہا تھا اس لیے ایک مرتبہ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے پوری قوم کو جمع کیا اور ان کو بتایا کہ تم اللہ کی اونٹنی کو قتل کرنے کا جو ارادہ کر رہے ہو اللہ اس سے پوری طرح آگاہ ہے اگرچہ تمھارے لیے سب سے عمدہ بات تو یہ ہے کہ تم اللہ کی واحدنیت پہ ایمان لے آؤ اور سرکشی سے باز آجاؤ۔ ان بتوں کی جن کو تم پوجتے ہو کوئی حقیقت نہیں ہے اس لیے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو تو میرا سچ تمھارے دل پر دستک دے گا اور اگر تم نے ہر قیمت پر ہی میرا انکار کرنا ہے اور اپنے آباء کے دین پہ ہی قائم رہنے کی ضد کو جاری رکھنا ہے تو پھر اپنے ہر عمل کے ذمہ دار صرف تم ہو مگر خبردار رہو کہ اگر تم نے ناقۃ اللہ کو کوئی نقصان پہنچایا تو پھر اللہ کے شدید عذاب کے سامنے کوئی تمھیں بچانے والا نہ ہوگا۔ عام لوگوں کے دباؤ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اس تلقین سے کاہن اور اس کے ساتھی ہوشیار ہو گئے اور وقتی طور پر اپنے ارادوں سے باز آگئے۔

تاہم ان کے دلوں میں بغض بدستور موجود تھا اس لیے تھوڑے ہی عرصے بعد وہ پھر اکٹھا ہو گئے اور اللہ کی اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے لگے پھر ان کی ملاقات اس بدبخت سے ہوگئی جس کا سیاہ بخت ہونا اللہ کے پیغمبر نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اس کا رنگ سرخ بھبھوکا تھا اور اس کے جسم پہ بہت سی نیلی دھاریاں تھیں اس کا نام قیدار بن سالف تھا وہ اس شرط پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے پر تیار ہوا کہ سردارِ وقت اس کی شادی ذواب بن عمرو کی بیٹی سے کرا دیں گے۔ ذواب بن عمرو اور اس کی بیوی عنیزہ پہلے ہی حضرت صالح علیہ السلام کے سرگرم دشمن تھے اس لیے وہ بغیر کسی دقت کے اس امر پہ راضی ہو گئے۔ چنانچہ کاہن اور قوم ثمود کے سات سردار اس سازش میں شریک ہوئے پھر قیدار بن سالف اور اس کا ایک ساتھی جس کا نام مصرع تھا چشمے پر گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ آج اونٹنی کے پانی کی باری ہے اور جب وہ پانی پینے آئے گی تو وہ اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر وہ آگئی جس کے انتظار میں وہ بیٹھے تھے وہ اتنی جسیم تھی کہ قیدار بن سالف اور اس کے ساتھی مصرع کے پسینے چھوٹ گئے۔ انھوں نے جانا کہ سامنے سے اس اونٹنی پر حملہ ممکن نہیں اور اگر خطرے کی بو پا کر اونٹنی بھاگ جاتی ہے تو ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے گا۔ چنانچہ وہ دبے پاؤں پانی پیتی اونٹنی کے قریب ہوئے وہ حملہ کرنے سے گریزاں تھے اور گھبرائے ہوئے تھے اس لیے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ وہ حملہ کرے مگر دونوں میں کسی کو بھی پہل کرنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ آخر جب انھوں نے دیکھا کہ اب ان کا نشانہ نہ چوکے گا تو مصرع نے چلے میں رکھ کر تیر چلایا جو اونٹنی کی ٹانگ میں لگا چنانچہ

جیسے ہی اونٹنی گری قیدار بن سالف اس کی طرف بھاگا اور اس نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر اپنی تلوار اس کے پیٹ میں داخل کردی۔ اونٹنی نے ایک زوردار چیخ ماری جو اس لیے تھی کہ اس کا بچہ جہاں بھی ہو بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلا جائے۔ حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی کی یہ دلسوز چیخ نہ صرف اونٹنی کے بچے نے سنی بلکہ پوری قوم ثمود بھی اس کو سن کر سکتے میں آ گئی اور جان گئی کہ ناقۃ اللہ کو قتل کیا جا رہا ہے۔ وہ سب چشمے کے قریب پہنچے اور انھوں نے جانا کہ اللہ کی اونٹنی کو قتل کر دیا گیا ہے۔

ایک شخص حضرت صالح ﷺ کی طرف بھاگا اور ان کو اطلاع کی کہ قوم ثمود نے آخر اللہ کی اونٹنی کو قتل کر دیا۔ حضرت صالح ﷺ بھی موقع پر پہنچ گئے پوری قوم ان سے معذرت کر رہی تھی اور خود کو اس عمل سے بری الذمہ ظاہر کر رہی تھی۔ مگر حضرت صالح ﷺ نے ان کی معذرت کو رد کر دیا اور کہا کہ بس تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو پھر اللہ کا عذاب تم تک پہنچ جائے گا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الشمس ۹۱ ؛ ۱۵)

ترجمہ:

" اور ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (حضرت صالح ﷺ) کو جھٹلایا کہ جب اس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی بپھر کر اٹھا تو اللہ کے رسول نے اُن لوگوں سے کہا خبردار اللہ کی اونٹنی کو (ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے میں (مانع نہ ہونا) مگر انھوں نے اس بات کو جھوٹ جانا اور اونٹنی کو مار ڈالا، آخر کار ان کے اس گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند خاک کر دیا اور اسے (اپنے اس فعل کے) کسی برے نتیجے کا کوئی خوف نہ تھا۔"

اگرچہ آج بھی بہت سی قومیں اللہ سے سرکشی پر ڈٹی ہوئی ہیں مگر عبرت ہوتی ہے ان قوموں کے احوال پڑھ کر جو اپنی سرکشی اور انکار میں اتنی شدید تھیں کہ جب اللہ کا عذاب ان کے دروازوں پہ دستک دے رہا ہوتا تب بھی ان کے دل نرم نہ ہوتے اور وہ اللہ کے نبیوں سے انکار پر ڈٹی رہتیں۔ کچھ ایسا ہی حال قوم ثمود کا بھی تھا کہ عذاب ان کی چوکھٹ کو جھانک رہا تھا اور وہ اللہ کے پیغمبر کو للکار رہیں تھیں کہ اگر تو ہی سچا ہے تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہم کو دھمکی دیتا رہا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَعَقَرُواْ النَّاقَةَ وَعَتَوْاْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُواْ يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُواْ فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ○ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِن لاَّ تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ : ۷۶)

ترجمہ:

''پھر انھوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرّد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے اور حضرت صالح سے کہہ دیا کہ لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے'' آخر ایک دہلا دینے والی آفت نے انھیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی مگر کیا کروں تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آسمانی صحائف اور تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ قوموں کے بارے اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ اگر اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی قوم کی طرف اپنا پیغمبر بھیجا ہو اور قوم نے اللہ کے پیغمبر کو جھٹلایا تو ضروری نہیں

کہ وہ قوم اس انکار کی پاداش میں ہلاک کر دی جائے مگر جب بھی کسی قوم نے اللہ کے رسول سے اس وعدے پر نشانی طلب کی کہ وہ نشانی دیکھ لینے کے بعد پیغمبر پر ایمان لے آئیں گے اور اللہ کی نشانی ان پہ اتار دی گئی تو اب اگر وہ اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لاتے اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے کچھ ایسا ہی معاملہ قوم ثمود کے ساتھ بھی ہوا کہ انھوں نے اللہ کے رسول سے نشانی طلب کی پھر اس نشانی کو وہ مدتوں اپنے درمیان دیکھتے رہے۔

اور وہ نشانی یعنی ناقۃ اللہ ان کی زندگی کی علامت تھی چاہے وہ پیغمبر کے انکار پہ ہی مصر رہیں مگر آخر کو وہ قوم صبر نہ کر سکی اور اللہ کی اونٹنی کو بے دردی اور رعونت کے ساتھ قتل کر دیا جس کے بعد ان کی زندگی کا کوئی جواز ہی نہ بچا تھا اور یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ قوم اب صرف زمین کا ایک بوجھ ہے اس سے کوئی صالح فرد جنم نہ لے گا، جب تک یہ قوم زمین کے سینے پر موجود ہے فساد ہی کا موجب بنے گی۔ چنانچہ اللہ نے ان کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا کہ یہی اس کی سنت ٹھہری۔

قرآن مجید میں اللہ پاک نے انسان کو عبرت کا سبق پڑھانے کے لیے کئی قوموں کے احوال بیان کیے ہیں جن پہ اللہ کا عذاب اترا۔ اللہ کا عذاب کیسا ہوتا ہے اس کے متعلق معلوم انسانی علوم کچھ بیان کرنے سے شاید اس لیے قاصر ہیں کہ ان کی لغت میں کوئی ایسا لفظ ہی موجود نہیں جو اس منظر کی حقیقی تفصیلات بیان کرنے پہ قادر ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ قوم ثمود پہ اترنے والے عذاب ہی کو لے لیں کہیں تو اللہ پاک نے اس کے لیے ''ساعقۃ'' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی ایک ہولناک کڑک دار بجلی جس کا تصور ہی انسان کو لرزا کر رکھ دے۔ اور کہیں لفظ ''رجفہ'' استعمال کیا جس کا قریب ترین معنی ہے زمین ہلا کر رکھ دی جائے اس کو تلپٹ کر دیا جائے۔ پھر کہیں قوم ثمود ہی کے متعلق لفظ ''طاغیہ'' استعمال کیا جس کے معنی ہیں دہشت ناک، اور بعض جگہ اسی واقعہ کے لیے اللہ پاک نے لفظ ''صیحہ'' کو استعمال کیا جس کے معنی ہیں شدید ترین چیخ جو دلوں کو چیر کر رکھ دے۔

اس لیے حقیقت یہ ہے کہ ان قوموں پر ان کے انکار و انحراف اور ضد کی وجہ سے کیا بیتی اس کا ٹھیک ٹھیک علم یا تو اس خالق کے پاس ہے جس نے انھیں اس عذاب میں مبتلا کیا یا پھر اس کے متعلق وہی کچھ بیان کر سکتے تھے جن پہ وہ لمحہ بیت گیا۔ مگر جن پہ بھی وہ لمحہ آیا پھر وہ کسی کو کچھ بتانے کے لیے باقی ہی نہ رہے کہ ان پہ کیا گزر گئی۔ ہم تو قرآن کے حوالے سے صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کی ناراضگی کو خریدا اور

یقیناً یہ ایک نہایت ہی خسارے کا سودا ہے۔ اللہ کے عذاب کے حوالے سے اوپر جو تعبیرات بیان کی گئی ہیں وہ اس عذاب کے حوالے سے محض اشارات ہی ہیں اور یہ تعبیرات بھی ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کو واضح کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہیں کہ انسان کو کچھ تو اندازہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناں گوں ہوتی ہیں۔ ایسی کوندے والی بجلی کا تصور جو کسی آتشیں زبان کی طرح زمین کی طرف لپکتی ہو جو بے پناہ اضطراب کے ساتھ چمکتی کڑکتی اور گرجتی ہو اور اس طرح کوندر ہی ہو کہ کبھی مشرق میں ہے تو کبھی مغرب میں اور پھر اللہ کے حکم سے کسی چنے گئے مقام پر ہولناک چیخ کے ساتھ گرے تو اس مقام کا کیا حال ہو گا اس کا تصور بھی کرنا مشکل ہے کہ انسان نے کم ہی ایسے واقعات کا سامنا کیا ہے۔ یہ ایک معمولی سا تصور ہے اللہ کے اس عذاب کا جو انکار کی ضد پہ اڑی رہنے والی قوموں کو پیش آیا۔ عذاب کا یہ تصور جو بیان کیا گیا ہے۔

یہ دراصل ایک کوشش ہے اس بات کی کہ شاید انسانی عقل اس کا کسی قدر احاطہ کر سکے ورنہ ان مغضوب اقوام پر اترنے والے عذاب اور ان کو پیش آنے والی دردناک ذلت اور شدید تکلیف کو بیان کرنے کے لیے انسانی لغت میں الفاظ ہی دستیاب نہیں ہیں۔ اللہ کا عذاب ہمہ پہلو ہوا کرتا ہے اور قرآن کے بیان کے مطابق کئی اقوام نے اپنی اُنا کے بدلے اس کو خریدا۔ عادِ اِرم، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب، قوم نوح، اصحابہ ال ایکہ اور کئی دیگر انسانی بستیوں کا احوال اس ضمن میں بیان کیا گیا ہے، کئی غیر معروف اقوام کا مختصر تذکرہ بھی قرآن حکیم میں مذکور ہے جن کو حق سے انکار کی پاداش میں زمین کا بوجھ قرار دیا گیا اور زمین کو اللہ کے حکم سے ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔

قوم ثمود پہ آنے والے عذاب نے ان کی بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دیا لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ وہاں اہل ثمود کے ایک ہزار آٹھ سو کے قریب خاندان یا قبیلے آباد تھے جو اٹھارہ مربع میل تک پھیلی ہوئی بستیوں میں آسودگی مگر انکار کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہ نے اگرچہ ان کو مہلت دے رکھی تھی مگر انھوں نے خود ہی اس مہلت کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دیا اور تب ان کی بستیوں میں خاموشی تھی، وحشت تھی، اداسی تھی، بے ثباتی تھی۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ اہل ثمود میں سے دو آدمی اس چیخ کو سن کر بھی کچھ دیر تک زندہ رہے ان میں سے ایک تو وہ معذور لڑکی تھی جس کا نام کلبہ بنت سلق تھا۔ جب اللہ کا

عذاب اس قوم پہ اترا تو اس وقت وہ لڑکی گھر میں اکیلی تھی وہ برسوں سے اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم تھی۔ مگر جب اس چیخ کی آواز اس تک پہنچی تو وہ خوف کے عالم میں اٹھ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کی برسوں سے ناکارہ ٹانگیں بھی اس چیخ کا سامنا نہ کرسکیں اور وہ کسی برق رفتار ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی۔اسی تیز رفتاری میں وہ اہل عرب کے ایک قافلے سے ٹکرائی جو شام سے مکہ کی طرف رواں تھا ان لوگوں نے بہ مشکل اس لڑکی کو پکڑا اور اس سے ماجرا پوچھا؟ لڑکی نے ان کو قوم ثمود پر اترنے والے عذاب کی اطلاع دی اور پھر پانی مانگا۔پانی پینے کے بعد وہ بھی ہلاک ہوگئی۔اہل ثمود پر اترنے والی موت زندہ نفوس کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ابورغال نامی شخص جس کا تعلق قوم ثمود سے تھا وہ بھی ابھی زندہ تھا اور اس لیے زندہ تھا کہ وہ مکہ میں تھا اور حرم پاک میں تھا اور اللہ کا عذاب حرم کے دروازوں پر اس کا منتظر تھا کہ حرم کی حرمت تو ازل سے قائم ہے اس لیے وہ مہلت میں تھا اسے اتنا احساس تو بہرحال ہو چکا تھا کہ اس کی قوم کے ساتھ کچھ ناگوار واقعہ پیش آچکا ہے مگر واقعہ کیا ہے وہ اس کا ادراک کرنے سے قاصر تھا اس لیے بیت اللہ ہی کے ایک کونے میں دبکا رہا مگر آخر کب تک اسے بہرحال باہر آنا تھا اور جب وہ باہر آیا تو قوم ثمود پر اترنے والا عذاب اس کا منتظر تھا۔

ابورغال کے واقعے میں اس لیے کوئی ابہام نہیں کہ اس کی خبر ان ہونٹوں سے نکلی،اس زبان سے بیان ہوئی،اس ذات کے حوالے سے مورخین تک منتقل ہوئی جو وجہ کائنات ہیں،جو سید البشر ہیں،جو بشیر ہیں ،جو نذیر ہیں،جو احمد ﷺ ہیں،جو محمد ﷺ ہیں۔

> ”عبدالرزاقؒ نے فرمایا ان سے معمر نے کہا کہ مجھے اسماعیل بن امیر نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے“ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں‘ فرمایا” یہ ابورغال کی قبر ہے جو قوم ثمود کا آدمی تھا۔یہ اللہ کے حرم میں تھا تو حرم اللہ نے اس پر عذاب نہ اترنے دیا پھر جب وہ نکلا تو اس کو بھی وہی پیش آیا جو اس کی قوم کو پیش آیا تھا پھر اسے یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کر دی گئی تھی پھر اس قبر کے پاس ایک قوم نے اپنے خیمے لگائے تو انھوں نے اپنی تلواروں سے اس قبر کو کھود کر سونے کی ٹہنی نکال لی۔“

قوم ثمود کو حضرت صالح ﷺ نے تین دن دیئے اور خود اپنے پیرو کاروں کے ہمراہ بستی سے نکل گئے۔ مورخین نے ان تین دنوں کا احوال یوں بیان کیا ہے کہ جب حضرت صالح ﷺ نے ان کو اللہ کے عذاب کی خبر پہنچادی تو قوم ثمود نے باہم مشورہ سے حضرت صالح ﷺ ہی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا کہ اس طرح شاید وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔ ان میں سے نو تھے جو بہت فسادی تھے۔ قرآن نے بھی ان کی طرف اشارہ کیا ہے، ناقۃ اللہ کے قاتل اپنے عمل سے خوش تھے کہ انھوں نے قوم کو اس عذاب سے نجات دے دی، قوم کی طرف سے بھی ان کے اس فعل بد کی حمایت جاری تھی، لوگ خوشیاں منا رہے تھے ڈھول تاشے بج رہے تھے۔ مگر حضرت صالح ﷺ کے پیرو کاروں کا سر جھک گیا تھا۔ لوگ ان کی طرف طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اونٹنی کے قاتل اس خوف سے روپوش تھے کہ کہیں حضرت صالح ﷺ کا قبیلہ ان کو قتل نہ کر دے۔

تاہم ان کو اپنے خفیہ ٹھکانے پر بھی یہ اطلاع پہنچ گئی کہ حضرت صالح ﷺ نے قوم کو تین دن کی مہلت دی ہے۔ تو انھوں نے کہا کیوں نہ ہم حضرت صالح ﷺ کو بھی قتل کر دیں تاکہ قوم ہمیں بڑا جانے۔ ناقۃ اللہ کے قاتل بری طرح خوفزدہ تھے اس لیے انھوں نے اپنے ساتھیوں کو پکارا اور سب نے مل کر ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت وہ حضرت صالح ﷺ کو قتل کرنے والے تھے۔ وہ کل نو تھے اور سب کے سب فسادی تھے، قرآن نے ان کا احوال بیان کیا ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ○ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ○ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ النمل ۲۷ : ۴۸)

ترجمہ؛

’’اور اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور اصلاح کا کوئی کام نہ کرتے تھے انھوں نے آپس میں کہا‘‘ خدا کی قسم کھا کر عہد کرلو کہ ہم صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے ،ہم بالکل سچ کہتے ہیں‘‘ یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انھیں خبر نہ تھی ،اب دیکھ لو ان کی چال کا کیا انجام ہوا ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو ،ان کے گھر اب خالی پڑے ہیں اس جرم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے اس میں ایک نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے‘‘۔

رات کا اندھیرا نہایت گہرا تھا ،دور دور تک سناٹے کی حکمرانی تھی اور وہ نو جتھے دار اس رات سفر میں تھے وہ حضرت صالح ﷺ کو قتل کرنے نکلے تھے۔انھوں نے بستی سے دور کا راستہ اختیار کیا تھا تاکہ جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔تو وہ لوگوں کو بتا سکیں کہ ان کا تو اس منحوس واقعے سے کوئی تعلق ہی نہیں اور وہ تو اس رات سفر میں تھے۔چنانچہ ان فسادیوں کا قافلہ اپنے دل میں مذموم ارادے لیے اس منزل کی طرف رواں تھا جس میں ذرا بھی خیر نہ تھی۔وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے قسمیں لے رہے تھے کہ کامیابی کے بعد کسی سے اس بات کا تذکرہ مت کرنا ورنہ لوگ ہمیں حضرت صالح ﷺ کا قاتل جانیں گے اور حضرت صالح ﷺ کا قبیلہ نہایت مضبوط اور باعزت ہے۔اگر وہ بدلے پہ اتر آئے تو ہم لوگوں کا جتھہ ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔چنانچہ اس دبیز اندھیرے میں وہ نو فسادی راستہ ٹٹول رہے تھے ان کے دل دھڑک رہے تھے اور وہ اپنے برے ارادے کی تکمیل کے لیے بے تاب دکھائی دیتے تھے۔مگر ان سب کا رب جو ان کو بھی جانتا تھا اور جو کچھ ان کے دل میں تھا اس کو بھی جانتا تھا اس لیے ایک چال تو انھوں نے چلی کہ پورے قبیلے سے چوری حضرت صالح ﷺ کے قتل کو نکلے۔مگر ایک چال اللہ نے بھی ان کے لیے سوچ رکھی تھی اور اللہ ہی کی چالیں کامیاب ہونے والی تھیں اس لیے جب وہ نو کا جتھا ایک پہاڑ کے نیچے

سے گزر رہا تھا تو اسی پہاڑ کی ایک چٹان ان پہ آ گری اور وہ سب کے سب اس کے نیچے دب کے مر گئے۔ بدھ کے دن ان کے شقی القلب سردار نے ناقۃ اللہ کو قتل کیا تھا اس رات اہل ثمود اچھے بھلے سوئے مگر دوسرے دن صبح جب وہ بیدار ہوئے تو اجتماعی طور پہ قوم کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اسی رات قیدار بن سالف اور اس کے ساتھی چٹان کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے تھے۔ چونکہ قوم کو ان کے ارادوں کی خبر نہ تھی اس لیے وہ ان کی موت سے نا آشنا ہی رہے۔ قوم ثمود کے زرد چہرے اس بات کے غماز تھے کہ ان کے اندر کا خوف ان کے چہروں پہ سجا ہے۔ جمعہ کی صبح کو پوری قوم کے چہرے سرخ پڑ گئے تھے اور ان کا اضطراب ان کی ہر حرکت سے جھانک رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ جو ہونا ہے جلد ہو جائے۔ دراصل یہ تین دن کا انتظار بھی ان کے لیے ایک بڑے عذاب سے کم نہ تھا اور جب ان کی زندگی کی مہلت کی آخری صبح طلوع ہوئی تو وہ سب کے سب سیاہ پڑ چکے تھے۔ تین دن کی ان علامات عذاب نے اگرچہ ان کے چہروں کو زرد سیاہ اور سرخ کر دیا تھا تو یہ اس بات کا غماز تھا کہ ان کو دل سے یقین تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام ہی دراصل سچے ہیں۔

مگر ان کی آباء پرستی انھیں حقیقت کو قبول کرنے سے روکے ہوئی تھی اور ان کے دلوں میں صرف حسد بغض اور انکار تھا۔ تین دن گزر گئے مگر ان کا انتظار نہ ختم ہوا اللہ کے عذاب کے خوف نے انھیں عذاب آنے سے پہلے ہی ایک عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ عذاب کا خوف ان کے دلوں میں چکر لے رہا تھا۔ انھیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان پر کس قسم کا عذاب اترنے والا ہے۔ اہل ثمود کی ساری قوم اس دن سر شام ہی اپنے گھروں کی عافیت میں مقیم ہو گئی۔ چاروں طرف موت سے پہلے ہی موت کا سناٹا تھا۔ کوئی ذی نفس گھر سے باہر نظر نہ آتا تھا شاید ان کو یہ گمان تھا کہ ان کے یہ مضبوط محل نما مکانات ان کو اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔ اس لیے دور دور تک پھیلی اہل ثمود کی بستیوں میں بلا کا سناٹا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی آہو ادھر سے گزر گیا ہے۔ پھر وقت موعود آ پہنچا اور رات کے سناٹے میں ایک ہیبت ناک آواز بلکہ ایک چنگاڑ ان کی بستیوں میں گونج گئی جس سے زمین لرز کر رہ گئی۔ روحیں بدن سے نکل بھاگیں، کلیجے پھٹ کے رہ گئے، آنکھیں ششدر رہ گئیں جو جہاں تھا وہیں گرا اور مر گیا۔

قرآن حکیم میں اُن کی اس ساعت بد کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً آمِنِيْنَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَا أَغْنَى عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر ۱۵ ؛ ۸۳)

ترجمہ:

”(اوراس سے قبل) حجر کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں، ہم نے اپنی آیات ان کے پاس بھیجیں، اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں، مگر وہ سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے، وہ پہاڑ تراش تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل مطمئن اور بے خوف تھے، آخر ایک زبردست دھاکے نے ان کو صبح ہوتے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآنِ حکیم میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ القمر ۵۴ ؛ ۲۹)

ترجمہ:

آخر کار اُن لوگوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو مار ڈالا پھر دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات، ہم نے اُن (قوم ثمود) پر بس ایک ہی دھماکا چھوڑا اور وہ باڑے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح بھُس ہو کر رہ گئے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک روایت کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے اٹھاون برس تک اپنی قوم کو راہ حق کی دعوت دی مگر جب آپ ان ناہنجار لوگوں کی اس بستی سے رخصت ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف ایک سو بیس لوگ تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ جب آپ اس بستی اور وادئ سے نکلے جہاں آپ کے بچپن اور جوانی کے بہترین دن گزرے تھے اور جہاں آپ نے اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت سے برسوں ان لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلایا تھا تو آپ آبدیدہ تھے کیونکہ کافروں کو اس بات میں شک ہوسکتا تھا کہ اللہ کا عذاب آتا ہے کہ نہیں مگر اللہ کے رسول کو تو اس بات پہ کامل یقین حاصل تھا کہ بس اب اس قوم کو تباہ کردیا جائے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے فیصلے کو بدلنے پر قادر نہیں چنانچہ اپنی قوم کی اس تباہی کا تصور فطری افسوس بن کر لفظوں میں ڈھلا تو آپ کی زبان سے نکلا:

"اے میری قوم! تیری ہدایت کے لیے مجھ سے جتنا کچھ ہوسکا میں نے کیا اور میں تمھاری ہدایت پر اپنے قول اپنے فعل اور اپنی نیت کے ساتھ بہت حریص تھا لیکن تمھاری سرکشی نے نصیحت کے لیے تمھارے دلوں پر مہر لگا رکھی تھی اور تم نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آج تمہیں ایک دردناک عذاب کا سامنا ہے جو اب ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے گا اور تمھارے چھٹکارے کی اب مجھے کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔ میں اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی اب اس کو دفع نہیں کرسکتا کہ میرے ذمے جو تمھارے لیے واجب تھا وہ میں ادا کرچکا، تمھارے لیے خرچ کرچکا لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہ پورا ہو کے رہتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس الم کو رہتی دنیا تک محفوظ کردیا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ

لَكُمْ وَلَكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ ۷۹)

ترجمہ؛

''اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچادیا اور میں نے تیری بہت خیرخواہی کی مگر کیا کروں تجھے اپنے خیرخواہ پسند ہی نہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ وہ ایک قافلہ جو کبھی حضرموت سے ہجرت کرکے الحجر کی اس وادئ میں اترا تھا اور یہاں آکر آباد ہوگیا تھا اور انھیں کیا خبر تھی کہ کئی نسلوں بعد ان کی قوم کا سب کچھ برباد کردیا جائے گا اور وہ اللہ کے عذاب کی زد میں آجائے گی اور نہ ہی انھیں یہ معلوم تھا کہ اسی قافلے میں شامل کسی صالح مرد کی پشت میں ایک ایسا نطفہ بھی موجود ہے جو اللہ کا برگزیدہ پیغمبر بن کر سامنے آئے گا اور اس کا نام صالح علیہ السلام ہوگا اور وہی صالح علیہ السلام آج ایک سو بیس آدمیوں کو لے کر اس وادئ بے مراد سے کوچ کررہا تھا۔ وادئ الحجر سے نکل کر اللہ کے ان نیک بندوں نے کہاں رہائش اختیار کی اس بارے میں مورخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ تاہم بعض مورخین کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ فلسطین کے قریب رملہ کے علاقہ میں آباد ہوئے۔ اس لیے کہ الحجر کے قریب یہی علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔

تاہم بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے وطن حضرموت کی طرف واپس چلے گئے تھے کیونکہ یہاں ایک قبر بھی ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قبر ہے جنھوں نے ایک سو اسی سال کی عمر کی پائی۔ تاہم اس بارے میں پورے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی وادئ الحجر کی تباہی کے بعد کہاں گئے؟؟؟

مسند امام احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ تبوک میں اترے تو واپسی پر قوم ثمود کے گھروں کے پاس مقام حجر میں ٹھہرے جن کنوؤں سے قوم ثمود پانی بھرتی تھی آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی وہاں سے پانی بھرا اور شام کے کھانے کی تیاری کرنے لگے۔ انھوں نے اسی پانی سے آٹا گھوندا اور اپنی دیگچیاں چڑھائیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ

ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس پانی کو استعمال میں مت لاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اپنی دیگچیاں الٹ دیں اور آٹا اپنے اونٹوں کے آگے ڈال دیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کے ساتھ وہاں سے کوچ فرمایا اور اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا ''یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا نہ یہاں قیام کرو نہ یہاں کی اشیاء سے کوئی فائدہ اٹھاؤ اور آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو کہ ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ۔

اس لیے جلدی یہاں سے نکلو:

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت اہل ثمود کی بستی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان عذاب والوں پر تم داخل نہ ہو مگر یہ کہ روتے ہوئے۔ اور اگر تم رونے والے نہ ہو تو اس بستی میں داخل نہ ہونا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی عذاب میں جکڑ لیے جاؤ جس میں وہ مبتلا کیے گئے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت حجر کی بستی میں داخل ہوئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر کہا! اما بعد تم اللہ کے رسولوں سے معجزات طلب نہ کرو کہ یہ قوم صالح علیہ السلام تھی جس نے اللہ سے معجزہ طلب کیا پس اللہ نے ان کے لیے پہاڑ سے اونٹنی نکالی جو ابھی اس وادیٔ میں ہے تو ابھی دوسری وادیٔ میں نظر آتی اور وہ اپنی باری پہ پانی پیتی تھی۔ ابو طفیل سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر آ رہے تھے تو راستے میں حجر کی بستی میں روئے اور کہا کہ اے لوگو! تم اپنے نبی سے معجزات مت طلب کیا کرو۔ یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے جس نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا، پس اللہ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی وہ اپنی باری والے دن وادیٔ سے آتی اور پانی پیتی جس دن وہ اونٹنی آتی لوگ اس سے پہلے والے دن پانی کا ذخیرہ کر لیتے تھے۔ پھر پانی کے ذخیرہ کے مساوی اس کا دودھ نکال لیتے۔ پھر وہ اونٹنی وہاں سے چلی جاتی مگر انھوں نے اپنے رب سے ناشکری کی اور اسے ذبح کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر تین دن میں عذاب بھیجنے کا وعدہ کیا اور اس وعدہ میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے تمام مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے کافروں کو ہلاک کر دیا سوائے ایک شخص کے کیونکہ وہ حرم میں تھا اور اللہ کے گھر نے اسے عذاب سے بچائے رکھا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ شخص کون تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ابورغال تھا۔

العرب العاربہ

مورخین نے قاری کی آسانی کے لیے اہل عرب کے قبائل کو تاریخی حوالے سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔اول اول تو اہل عرب کو صرف دو حصوں میں منقسم کیا گیا یعنی عرب بائدہ اور عرب الباقیہ مگر عرب الباقیہ کا ذکر طویل ہے جس میں اہل عرب کی تقسیم سے ابہام دور نہ ہوتا تھا اس لیے بعد کے مورخین نے العرب الباقیہ کو بھی دو شاخوں میں تقسیم کر دیا جنھیں العرب العاربۃ اور العرب المستعربہ کہا گیا۔یاد رہے کہ العرب المستعربہ کو بعض مورخین نے العرب المعتربہ بھی لکھا ہے۔العرب البائدہ کا ذکر ابھی اوپر گزرا ہے جن سے عرب کے وہ قبائل مراد لیے جاتے ہیں جنھیں گردش لیل ونہار نے فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اب ان کا ذکر کسی بھولی بسری یاد کی طرح کیا جاتا ہے۔اگرچہ اہل فن سیرت نگاروں نے عرب البائدہ کو اتنی اہمیت نہیں دی مگر میں انھیں اس لیے نظر انداز نہ کر سکا کہ عبرت کے حوالے سے ہی سہی اگر قرآن نے ان کا ذکر زندہ رکھا ہے تو وہ راہ حق کے مسافروں کے لیے خارج از فائدہ نہ ہوگا وہ اپنے زمانے کی اقبال مند قومیں تھیں جنھوں نے اپنے خالق کے احسانوں کا انکار کیا۔آج کی اقبال مند قومیں بھی تو خالق کے

احسان سے انکاری ہی ہیں اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ قاری کے لیے تاریخ کے اندھے غاروں میں چند چراغ چنے جائیں کہ شاید کسی دل میں اجالا ہو جائے۔ قوم عاد و قوم ثمود کا ذکر قرآن کے علاوہ دیگر آسمانی صحائف میں موجود نہیں اس لیے بعد کے مستشرقین نے ان کا ابطال کیا اور کہا کہ یہ قصے عرب کی زبانی روایات سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر پھر قرآن نے ان کو اس انداز سے زندہ کیا کہ وہ ایک ایسے آئینے کی مانند روشن ہوئے کہ آج کی منحرف اقوام بھی اس آئینے میں اپنی شکل دیکھیں تو غالباً انھیں اپنی اصل صورت دیکھنی پڑے گی جو حیرت انگیز حد تک مکروہ ہوگی۔ عاد و ثمود نامی قوموں کا ذکر تو قرآن نے زندہ رکھا مگر طسم، جدیس اور جرہم اولیٰ کے احوال وقت کی راکھ میں ہی کہیں گم ہو گئے۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ قدیم عرب قبائل بالکل ہی فنا نہیں ہو گئے تھے بلکہ ان کی کچھ اولاد باقی رہی جس نے بعد میں خوب ترقی کی جنھیں وہ عمالقہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جنھوں نے عراق و مصر میں عظیم سلطنتیں قائم کیں۔

تاہم ان کے اس دعویٰ کی بنیاد آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں سے ملنے والے کچھ کتبات ہیں جن کی تحریر کو درست طور پہ پڑھا بھی نہیں جا سکا اس لیے میں ان عرب مورخین کے موقف کا حامی ہوں جو مصر و عراق میں حاکم ان قدیم قبائل کو عرب البائدہ میں شامل کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عرب بائدہ تو حضرت نوح کے بیٹے سام کے بیٹے ارم کی اولاد تھے اس لیے انھیں آرامی قبائل یا یونانی میں آرمینین بھی کہا گیا۔ مگر مصر و عراق پہ قابض عمالقہ قبائل اگرچہ حضرت نوح ہی کی اولاد سے تھے مگر وہ ارم بن سام کی اولاد نہ تھے بلکہ ان کے ایک اور بھائی لاوذ بن سام کی اولاد تھے اس لیے درست موقف یہی ہے کہ عرب بائدہ کے جملہ قبائل کی نسل ختم ہو گئی تھی اور اللہ نے انھیں نیست و نابود کر دیا تھا۔ العرب العاربہ ایک قدیم عرب سردار قحطان کی اولاد ہیں قحطان سے پیشتر حضرت نوحؑ تک کسی بھی قبیلے کی زبان عربی نہ تھی۔ قحطان کی اولاد نے عرب بائدہ سے عربی سیکھی قحطان کے نسب میں علمائے تاریخ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ تورات میں یقطن نامی شخص کا ذکر تو موجود ہے مگر قحطان کا ذکر موجود نہیں۔ چنانچہ اس الجھے معاملے کو کچھ مورخین نے اس طرح سلجھایا ہے کہ جس یقطن کا ذکر تورات میں ہے قحطان اسی کا معرّب ہے۔ بعض مورخین کو قحطان کے متعلق یہ شبہ بھی ہوا ہے کہ یہ قحطان دراصل یمن بن قیدار بن اسماعیل ہیں مگر یہ قول بہت دور از کار ہے اس لیے کہ اگر قحطان حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد تھے تو پھر کل عرب بنو اسماعیل

ہی ٹھہرے کیونکہ تمام اہل عرب کو قحطان اور عدنان نامی اشخاص کی اولاد تصور کیا جاتا ہے اس لیے محقق یہ ہے کہ قحطان اور یقطن ایک شخص کے نام ہیں اور یہ بنی اسماعیل نہ تھے تاہم ابن ہشام کے اس قول کو مان لینے میں کوئی ہرج نہیں کہ قحطان کے بیٹے یعرب کو یمن بھی کہتے تھے اسی لیے ان کے وطن کو بھی یمن کہا جانے لگا۔ قحطان کے بیٹے یعرب اور جرھم نامور ہوئے اور ان کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ یعرب کی اولاد میں سے عرب کے مشہور قبائل نے جنم لیا جو کہلان اور حمیر کہلائے اور حمیر کے مشہور بطن کو قضاعہ کا نام ملا چنانچہ بلی، جہنیہ، کلب، بہرہ، بنونہد اور جرھم قضاعہ ہی کی مشہور شاخیں اور قبائل ہیں۔ مورخین نے یمن ہی کو قحطانی قبائل کا اصل مقام اور قدیمی وطن قرار دیا ہے۔ ان میں حمیری اور ازدی قبائل بہت مشہور اور نامور سمجھے جاتے ہیں۔ ازدی قبائل نے شہر سبا کی معروف حکومت قائم کی اور ملوک سبا نے یمن کو سیراب کرنے کے لیے ایک بہت بڑا ڈیم تعمیر کیا جو بعد میں اس قوم کے تکبر کی وجہ سے اللہ کے غضب کا شکار ہوا۔ بند ٹوٹا تو ملوک سبا کی بہت سی بستیاں آبادیاں اور قصبے اس طغیانی میں غرق ہو کر رہ گئے۔ قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

شہر سبا کے علاوہ ازدی قبائل نے عرب کے جنوبی علاقوں میں بھی اپنی مستحکم حکومت قائم کر رکھی تھی۔ چنانچہ کی ان شعوری کوششوں سے سرزمین یمن میں دور دور تک ہریالی پھیل گئی اور قوم کو آسودگی بخش دی گئی۔ شاید یہی آسودگی ان کو تکبر اور شرک کی راہ کی طرف لے گئی۔ انھی میں ملکہ بلقیس جیسی عقلمند خاتون نے جنم لیا اور حکومت بھی کی۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہم عصر تھیں اور ان کی دعوت پر اپنی قوم سمیت ان پر ایمان لے آئیں۔ انھی میں ملوک تبابعہ بھی ہوئے جنھوں نے یمن اور حضرموت وغیرہ پر حکومت کی۔ قبیلہ ازد میں سے ایک قبیلہ نے مذکورہ بند تباہ ہونے کے بعد مدینہ کی طرف سکونت اختیار کی اور وہاں کے باشندوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ بنوخزاعہ مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں آباد بنو جرھم کو نکال باہر کیا اور مکہ پر قابض ہو گئے۔ خزاعہ کے بیٹے ملک عرب کے مختلف حصوں پر قابض ہو گئے۔ اس کا ایک بیٹا نصر تہامہ کے علاقہ میں آباد ہوا تو دوسرا بیٹا عمران عمان کی طرف جا کر آباد ہوا اور اس کی اولاد ازدعمان کے نام سے مقبول ہوئی۔ قبیلہ جفنہ بن عمرو شام کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک ایسے چشمے پر خیمہ زن ہوا جس کا نام غسان تھا اسی نسبت سے وہ غسانی کہلائے۔ انھی میں وہ ملوک غسان پیدا ہوئے جن کا تذکرہ رہتی دنیا تک رہے گا۔ لخم بن عدی کا قافلہ حیرہ کی طرف جا نکلا اور وہاں ایک مستحکم حکومت کی بنا رکھی جنھیں

آل منذر کہا جاتا ہے۔یمن میں قحطانی سلاطین کی حکومت ساتویں صدی عیسوی تک قائم رہی اور غسان کی قحطانی حکومت کی سرحدیں روم سے ملتی تھیں اور حیرہ کی قحطانی ریاست خطے کی دوسری بڑی طاقت اہل فارس کی ہمسایہ تھی۔ظہور اسلام کے وقت تک عرب کے سرحدی علاقوں میں یہ قحطانی قبائل کافی طاقتور سمجھے جاتے تھے۔ان کی حکومتیں اگرچہ ہمسایہ بڑی طاقتوں کی مدد کے بغیر قائم نہ رہ سکتیں تھیں مگر اس کے باوجود وہ اس وقت تک قائم تھیں جب اسلامی فوجوں نے ان کے دروازوں پر دستک دی۔عرب عاربہ کے بارے میں ماہرین نسب نے کہا ہے کہ وہ سام کے بیٹے ارفخشد کی نسل سے تھے جس کے تیرہ بیٹے عرب کے مختلف حصوں میں متصرف ہوئے۔مورخین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یقطان کا ایک بیٹا افریقہ کی طرف بھی نکل گیا تھا اور وہاں جا کر اس نے ایک مستحکم حکومت کی بنا ڈالی جس کا نام اوبال بتایا جاتا تھا۔یقطان یمن کا پہلا مستحکم بادشاہ بنا جس کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م بتایا جاتا ہے۔یہ وہی زمانہ تھا جب بابل پر کوش کا بیٹا نمرود اور مصر پر مصریم کا بیٹا حام حکمران تھے۔

عرب العاربہ نے ملک عرب میں مستحکم حکومتیں قائم کیں اور صدیوں تک اس کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے رہے۔یقطان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جرھم حکمران ہوا اور اس کے بعد یشجب نے نظام حکومت سنبھالا۔یشجب کا بیٹا سبا اکبر بہت نامور ہوا اور ملکوکین سبا کی بنا رکھی۔اس کا بیٹا حمیر بھی باپ کی طرح ہی رموز سیاست کا ماہر نکلا اور حمیری سلطنت کی بنا رکھی۔چنانچہ آئندہ صفحات میں اولاد قحطان کی انھی مملکتوں کا احوال بیان کیا جائے گا تاکہ اسلام سے قبل خطہ عرب کے سیاسی حالات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔ان مملکتوں کے نظم حکومت کو درست طور پہ جاننے سے اسلام کے
دور حکومت کی برکات کو بہتر طور پہ سمجھا جاسکتا ہے۔

ملوکِ سبا کے احوال

قوم سبا کی داستان بھی انھی داستانوں کا ایک تسلسل ہے جن میں خالق سے بے اعتنائی اور آسودگی کے نشے میں سرشار انسانی گروہوں کے اس رویے کے منطقی انجام سے آگہی بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب بھی کوئی انسانی گروہ اس دماغی فتور میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ بغیر کسی اللہ کے زندگی کے اندھیروں میں اجالے کھوج سکتا ہے تو ان کی زندگیوں میں عمومی تیرگیوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان سے منزل کا شعور اور سیدھے راستے کا ادراک چھین لیتا ہے اور ان کی عقلوں پہ مسلط یہی اندھیرے جب سماجی رویوں میں بدلتے ہیں تو ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا دامن خالق کے احسانات کے ہر احساس سے تہی ہوتا ہے اور یہ تہی داماں انسانیت کو عقائد کے ان اندھے غاروں کی طرف دھکیلتے ہیں جن کے دوسرے سرے پر خیر و فلاح کی کوئی منزل نہیں ہوا کرتی۔ آج کی دنیا مادیت کی دنیا ہے ہر طرف مادی سیلاب کے متاثرین خالی دامن لیے اپنے خالق سے شکوہ کناں تو نظر آتے ہیں مگر خالق کو مالک ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

تاریخ عالم میں مملکت سبا کو شاید نظام مادیت کے اولین مظہر کے طور پہ پیش کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ ان کی مادی آسودگی نے ہی ان کو جذبہ شکر سے دور کیا تھا۔ آج کے مادہ پرستوں کے حتمی انجام اور دورِ ذلت میں شاید ابھی کچھ دیر ہے مگر قوم سبا کو ان کے خالق نے کچھ اس طرح سے منتشر کیا کہ ان کی پراگندگی اہل عرب کے ہاں ضرب المثل ہو کے رہ گئی کہ اہل عرب جب کسی انسانی گروہ کے منتشر ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "**تفرقوا ایدی سبا**" یعنی وہ تو ایسے بکھرے کہ جیسے قوم سبا بکھری تھی۔ جب اللہ کی طرف سے ان پر زوالِ نعمت کا دور شروع ہوا تو سبا کے سینکڑوں خاندان ایک دوسرے سے ایسے بچھڑے

کہ پھر شاید ہی کبھی ملے ہوں۔ان کا اپنا وطن جہاں کی رونقیں یونان وروم میں مقبول تھیں ایک ایسے خرابے میں بدل کر رہ گیا کہ کھنڈروں کی زبان بھی گنگ ہو کے رہ گئی۔اہل سبا کے مختلف قبیلے اپنا وطن چھوڑ کر عرب کے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کرتے رہے۔چنانچہ غسانیوں نے اردن اور شام کا رخ کیا تو اوس اور خزرج کے قبیلے یثرب میں جا بسے۔خزاعہ نے جدہ کے قریب تہامہ کے علاقے میں سکونت اختیار کی اور ازد کا قبیلہ عمان کی طرف نکل گیا۔آخر میں اہل سبا کے بڑے قبائل لخم جذام اور کندہ کو بھی عرب علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔مقام شکر کی راہوں سے بھٹکی تاریخ عالم کی اس اقبال مند قوم کے احوال مورخین نے محفوظ رکھے ہیں کہ ایک زمانہ ان پہ ایسا بھی گزرا ہے کہ ان کی دولت وثروت اور آسودگی کے ذکر سے یونان وروم کی متمدن اقوام تک ششدر تھیں۔

ایک مغربی مورخ (ESATERABO) قوم سبا کے تذکرے میں لکھتا ہے کہ وہ لوگ سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے اور ان کا طرز رہائش اتنی آسودگی اور آسائش لیے ہوئے تھا کہ ان کے مکانوں کی چھتوں دیواروں اور دروازوں تک میں ہاتھی دانت سونے چاندی اور جواہرات استعمال کیے جاتے۔اور (PLEENE) جو ایک اور مغربی مفکر ہے قوم سبا کے بارے میں لکھتا ہے کہ روم اور فارس کی دولت ان کی طرف بہی جا رہی تھی اور قوم سبا ہی اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم تھی ۔ان کا ملک سرسبز وشاداب تھا ہر قدم پہ ایک نیا باغ دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔بلکہ یوں لگتا تھا کہ سارا ملک ہی ایک بڑا باغ ہے۔یاد رہے قرآن نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے اور ان کے ملک کو دو باغوں سے تشبیہ دی ہے۔ان کے کھیتوں پہ بہار تھی اور مویشیوں کی بہتات تھی ان کے معدنی ذخائر بھی ان کی ترقی میں برابر کے حصہ دار تھے۔ان کے علاقوں میں پایا جانے والا سونا اتنا خالص ہوتا کہ اسے صاف کرنے کے لیے مزید گلانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔مشہور مغربی مورخ (PHLIP HATE) ان کے بارے میں رقم کرتا ہے کہ ان کے شہر گنجان آباد تھے

ان کی وادیاں معدنیات سے بھری تھیں۔ان کی زمینیں دنیا بھر کی زمینوں سے زیادہ زرخیز تھیں۔ان کے ہاں باغات کی کثرت تھی جہاں ایسے درخت پائے جاتے جن کے پھل سونے کی قیمت پر بکتے تھے کہ ان کے درختوں کی گوند سے اعلیٰ خوشبویات تیار کی جاتیں۔جیسے مُرّ ،لوبان اور کرخہ،ان خوشبودار گوند تیار کرنے والے درختوں کی محافظت کے لیے قدرت نے ان پر بکثرت ایسے سانپ پیدا کیے تھے جن کا

رنگ زرد ہوتا اور قد چھوٹا اور وہ پردار ہوتے یعنی اڑ کر حملہ کرتے اور وہ اتنے زہریلے ہوا کرتے کہ اگر کسی کو کاٹ لیتے تو پھر موت اس کا مقدر بن جایا کرتی۔ایک قدیم یونانی مورخ (MADROOSR-T-) نے بھی ان کے متعلق مبالغہ آرائی کی حد تک انکشافات کیے ہیں کہ وہ لوگ آسودگی کی ان حدوں کو چھو گئے تھے کہ اس دور میں کوئی اور قوم اتنی ترقی کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔یہ لوگ عیش وعشرت میں اس حد تک مست تھے کہ جلانے کے لیے بھی عام لکڑی کی بجائے صندل اور دارچینی کی خوشبودار لکڑی استعمال کرتے تھے۔جب ان کے تجارتی جہاز مختلف ساحلوں کے قریب سے گزرتے تو دور سے آتی خوشبو سے لوگ جان جاتے کہ یہ اہل سبا کا جہاز ہے۔

اور یہ قوم سبا ہی تھی جنھوں نے تاریخ عالم کا پہلا (SKY SCRAPER) تعمیر کیا۔انھوں نے صنعاء کی ایک بلند پہاڑی پر وہ فلک شگاف عمارت تعمیر کی جس کی بیس منزلیں تھیں اور ہر منزل کی بلندی چھتیس فٹ تھی۔قصر غمدان نامی اس عمارت کا تذکرہ صدیوں اہل عرب کے ہاں زندہ رہا۔قوم سبا کا عروج دو بنیادوں پر قائم تھا۔چونکہ وہ سخت محنتی اور جفاکش قوم تھے اس لیے ان کی زراعت اور تجارت ان بنیادوں پر استوار ہوئی جو اس زمانے کی جدید ترین سوچ تھی۔اپنی زراعت کو انھوں نے آب پاشی کے ایک بہترین نظام کے ذریعے ترقی دی۔ان کے نظام آب پاشی کی مثل اس وقت کی متمدن دنیا میں اور کوئی نظام آب پاشی موجود نہ تھا۔اگرچہ اہل بابل کے ہاں قدیم زمانے میں ایک عمدہ نظام آب پاشی موجود تھا۔قوم سبا کی سرزمین میں قدرتی دریا نہ تھے حالانکہ ان کے ہاں ساحلی علاقوں سے آنے والے بادلوں کی وجہ سے خوب بارشیں ہوتی تھیں جس سے برساتی نالوں میں طغیانی آجایا کرتی۔پھر انھوں نے اسی طغیانی سے بچاؤ کے لیے برساتی نالوں پہ بند باندھے جہاں سال بھر کی بارشوں کا پانی جمع ہوتا رہتا اور ان کی تعمیر کی ہوئی نہروں کے ذریعے ان کے کھیتوں کو سیراب کرتا رہتا۔اس نظام آب پاشی کا سب سے بڑا مخزنِ آب وہ بند تھا جو انھوں نے شہر مآرب کے قریب کوہ ابلق کی درمیانی وادیٔ میں بند باندھ کر تیار کیا تھا۔پھر تجارت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو جغرافیائی برتری عطا فرمائی تھی جس کا اس ذہین قوم نے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور قوم سبا تقریباً ایک ہزار برس تک مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔چنانچہ ایک طرف تو ان کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم انڈونیشیا اور مالا بار کے گرم مصالحے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے

تھے اور یہ لوگ ان چیزوں کو شام اور مصر کی منڈیوں تک پہنچاتے تھے جہاں سے روم و یونان تک ان کے تجارتی جہاز سارا سال اس مال کی ترسیل میں مصروف رہا کرتے۔ اس کے علاوہ خود ان کے اپنے علاقے میں لوبان، عود، عنبر، مشک، مُرّ، قرفہ، قصب الذّریرہ سلیخہ اور دوسری خوشبودار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی جنھیں مصر و شام اور یونان و روم کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے ایک بحری اور دوسرا برّی۔ بحری تجارت کا اجارہ ایک ہزار سال تک صرف سبائیوں ہی کے ہاتھ رہا کیونکہ صرف انھی کے جہاز ران ان بحری راستوں سے واقف تھے جو دور دراز دنیاؤں تک ان کو لے جاتے۔

ان کے یہ جہاز راں بحر احمر کی موسمی ہواؤں، زیرآب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔ مگر بحری تجارت سارا سال ممکن نہ تھی اس لیے کہ تقریباً آدھا سال ان کے سمندر تند مزاج رہا کرتے اور طوفانی ہوائیں اتنی بڑی بڑی لہروں کو جنم دیتیں کہ جن میں سفر خطرے سے خالی نہ ہوتا اور بارہا ان کے تجاتی جہاز ملاحوں اور سامان تجارت کے ساتھ ہی ڈوب جاتے جس کی وجہ سے ان کو برّی راستوں کی کھوج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کے بری راستے عدن اور حضرموت سے مآرب پر جا کر ملتے تھے پھر وہاں سے ایک شاہراہ، مکہ مکرمہ، جدہ، یثرب، العلاء، تبوک اور ایلہ سے گزرتی ہوئی پیٹرا تک جاتی تھی۔ اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسرا شام کی طرف جاتا تھا اور ان بری راستوں پر یمن سے حدود شام تک سبائیوں کی نو آبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب و روز ان کے تجارتی قافلے یہاں سے گزرتے رہتے تھے جن سے وہ عرب کے ان درمیانی علاقوں کو سامانِ تجارت مہیا کرتے اور منافع کی صورت میں زر کثیر حاصل کرتے۔ چنانچہ یمن و شام کے درمیانی حصوں میں آج تک ان کی تجارتی نو آبادیوں کے آثار موجود ہیں جن سے سبائی اور حمیری زبان کے کتبات بھی ملتے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسی وقت تک رہا جب تک اللہ کا فضل ان کے شامل حال رہا مگر جب وہ کفرانِ نعمت کے خوگر ہو گئے اور انکار کی حد کر دی تو رب قدیر کی نظر عنایت بھی ان سے ہمیشہ کے لیے پھر گئی اور پھر ان کا نام و نشان تک باقی رہا جس کی طرف قرآن حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا

مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ O فَأَعْرَضُوا
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ
ذَوَاتَى أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ O ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا
كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ O

القرآن الحکیم (سورۃ السباء ۳۴ ؛ ۱۷-۱۵)

ترجمہ؛

”سبا کے لیے ان کے اپنے ہی مسکن میں ایک نشانی موجود تھی دو باغ دائیں اور بائیں، کہ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ اور پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا، مگر وہ منہ موڑ گئے، آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ کر سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انھیں دیئے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسانوں کے سوا ہم ایسا بدلہ کسی کو نہیں دیتے“۔

سبا کے باسی

ملوک سبا قحطان کی اولاد تھے۔ انھوں نے سرزمین یمن میں عربوں کی اولین بادشاہت قائم کی۔ اگرچہ اس عظیم سلطنت کو قحطان نے قائم کیا تھا مگر اس کی حکومت بہت محدود اور کمزور سی تھی۔ مملکت سبا کی اصل بنیاد تو قحطان کے پڑپوتے عبدالشمّس سبا اکبر نے رکھی تھی جس نے مآرب اور سبا کے شہروں کی بنا رکھی۔ سلطنت کی وسعت میں عبدالشمّس سبا اکبر کے علاوہ اس کے باپ یشجب اور دادا یعرب کی کوششوں کو بھی کسی حد تک دخل تھا مگر جو وسعت اور عظمت مملکت سبا کو سبا اکبر کے دور میں حاصل ہوئی اسی کی بنا پر وہ تاریخ عالم میں زندہ رہی۔ مملکت سبا کے اصل زمانہ کے تعین میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مملکت سبا کا ذکر 2500 ق م تک چلا گیا ہے اس لیے کہ اس خطہ سے ماہرین آثار قدیمہ کو جو ہزاروں کتبات دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے اگرچہ بہت کثیر تعداد کو ابھی پڑھا نہیں جا سکا تاہم جن کتبات کو پڑھ لیا گیا ہے اس میں سابویم (SA -bu- um) نامی ریاست کا پتا چلتا ہے جس کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ سابویم سے مراد سبا ہی کا علاقہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر مورخین نے سبا کا زمانہ 950 ق م سے 115 ق م بتاتے ہیں۔ عبدالشمّس اکبر سبا نے ریاست کو ایسا استحکام بخشا کہ مملکت کا نام بھی اسی کے نام پر پڑ گیا اور مملکت سبا کی شہرت دور دور تک پھیل گئی حتیٰ کہ سارے جنوبی عرب کے تاجروں کو سبائی ہی کہا جانے لگا۔ مملکت سبا کی شہرت و عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عہد نامہ قدیم میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ ابتدا میں مملکت سبا کا دارالسلطنت صرواح تھا جو مآرب سے مغرب کی طرف کئی منزل کی مسافت پہ تھا تاہم بعد میں مآرب کو سلطنت سبا کے صدر مقام کا اعزاز

حاصل ہوا۔مآرب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جوف اسفل سے جنوب کی طرف اور صنعاء سے شمال کی طرف واقع تھا۔ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں ان کھنڈرات کا احوال بیان کیا ہے جو اس نے مآرب کے علاقے میں دیکھے تھے اس نے لکھا ہے:

''مآرب کا بند شہر سے کچھ فاصلے پر بنایا گیا تھا جس کی تین سطحیں تھیں۔سب سے پہلے اوپر والا دروازہ کھولا جاتا اور پانی کو زمین کی زرخیزی کے لیے روانہ کیا جاتا۔جب اوپر والی سطح کا پانی کم ہو جاتا تو اس سے نیچے کے دروازے کھولے جاتے اور ایسا کم ہی ہوتا کہ بند کے سب سے نچلے دروازے کو کھولنے کی ضرورت پیش آئی ہو کیونکہ اس دوران بارش ہو جاتی اور بلندیوں سے آنے والے پانی سے بند پھر بھر جاتا۔اس نے لکھا ہے کہ بند کو بنانے والے حروف ہندسہ سے پوری طرح آگاہ اور اپنے فن میں نہایت ماہر نظر آتے ہیں اس لیے کہ بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹ کر نہایت ہی مہارت سے اس بند کو ڈیزائن کیا گیا تھا اور آج کے جدید ماہرین تعمیرات بھی ان کے فن کی باریکیوں کے قائل نظر آتے ہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مملکت سبا کو مورخین نے دو ادوار میں منقسم کیا ہے ان کا دور اول 950 ق م سے 650 ق م تک جاتا ہے جب سبا کے حکمران خود کو مکرب سبا کہلاتے تھے۔پھر سلطنت سبا کا ایک بڑا حصہ ان سے الگ ہو گیا اور سلطنت معین کے نام سے مقبولیت حاصل کی۔ان کا دوسرا دور 650 ق م سے شروع ہو کر 115 ق م میں ختم ہوا اور اس دوسرے دور کے حکمرانوں کو ملک سبا کہا جاتا تھا۔تب ان کی ریاست کا صدر مقام مآرب تھا۔اگرچہ مورخین کی اکثریت کا خیال یہی ہے کہ اہل سبا نے اپنا سب سے بڑا بند سبا کے دور میں تعمیر کیا۔تاہم کئی مورخین کا خیال ہے کہ اس کو ملکہ بلقیس کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہم عصر تھیں اور اپنی پوری قوم سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لے آئیں تھیں۔بعض مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ سد مآرب نامی یہ دنیا کا پہلا مشہور بند ذوالقرنین نامی اس سبائی بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی مذکور ہے۔اس کا نام صعب تھا اور ذوالقرنین اس کا لقب تھا۔اس کے پوتے نے

وقت کے حکمرانوں سے بغاوت کر دی اور حکومت ان سے چھین لی۔اس کا نام شرجیل تھا اور وہ حمیر کے بیٹے وائل کی نسل سے تھا اسی شرجیل کے بیٹے کے گھر اس دانشمند خاتون نے جنم لیا جس کو قرآنِ حکیم نے ملک سبا کی ملکہ بلقیس کے نام سے یاد کیا ہے اور جس وقت اس نے اسلام قبول کیا جب وہ اہل سبا کی حکمران تھی۔چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر اس نے ایک مجلس مشاورت بلائی اور معاملہ اس کے سامنے رکھا۔مورخین نے بتایا ہے کہ قوم سبا آفتاب پرست تھی۔تاہم ملکہ سبا کی اس مجلس مشاورت سے ایک بات یہ بھی اخذ ہوتی ہے کہ اگرچہ ان کے ہاں نظام حکمرانی بادشاہت ہی تھا مگر وہ ایک سراسر استبدادی نظام بھی نہ تھا بلکہ فرمانروائے وقت قوم کو درپیش آنے والے اہم معاملات کا فیصلہ اعیانِ سلطنت کے مشورے سے کرتا تھا۔قرانِ حکیم نے ملکہ سبا اور ملک کے احوال کو عبرت کے نقطہ نظر سے محفوظ رکھا ہے اس لیے ہم اسے قرآن ہی سے پیش کرتے ہیں۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أُوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝

القرآن الحكيم (سورۃ النمل ۲۷ : ۳۴-۲۹)

ترجمہ:

”ملکہ نے کہا! اے اہل دربار، میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے اور وہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے، مضمون یہ ہے کہ! میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہوکر میرے پاس حاضر ہو جاؤ (خط سنا کر) ملکہ نے کہا اے سردارانِ قوم اس معاملے میں مجھے مشورہ دو کہ میں کسی معاملے کا فیصلہ تمھارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی“ انھوں نے جواب دیا ہم طاقتور اور لڑنے والے لوگ ہیں، آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے، ملکہ نے کہا” کہ جب بادشاہ کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو وہ اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں ہاں یہی کچھ وہ

کرتے ہیں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کچھ تحائف ارسال فرمائے جو بیش قیمت تھے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو واپس لوٹا دیا۔ پھر ملکہ بلقیس ایک بڑے وفد کی قیادت کرتے ہوئے خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کرنے اور ان کی دعوت کی تفصیلات جاننے کی لیے یروشلم آئی جہاں اس نے اپنا وہ تخت دیکھا جس کی مثل دنیا میں دوسرا تخت نہ تھا تو وہ جان گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہی سچا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنی قوم سمیت ایمان لے آئی قرآنِ حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ:

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ O

القرآن الحکیم (سورۃ النمل ٢٧ : ٤٤)

ترجمہ:

"اور اس سے (ملکہ بلقیس سے) کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اترنے کے لیے اس نے اپنے پائینچے اٹھا لیے، تب حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ شیشے کا چکنا فرش ہے اس پر وہ پکار اٹھی" اے میرے رب (آج تک) میں اپنے نفس پر ظلم کرتی رہی اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرلی"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کے قصے کو کافی اہمیت دی ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے عہد نامہ عتیق کے صرف ایک صفحے پر اکتفاء کریں گے جس میں حضرت

سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس جو اہل سبا کی حکمران تھی کے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

''اور جب سبا کی ملکہ نے خداوند کے نام کی بابت سلیمان کی شہرت سنی تو وہ یروشلم آئی تا کہ مشکل سوالوں سے اسے آزمائے۔۔۔اور وہ بہت بڑے جلو کے ساتھ آئی۔۔۔۔جب وہ سلیمان کے پاس پہنچی تو اس نے ان سب باتوں کے بارے میں جو اس کے دل میں تھیں حضرت سلیمان سے باتیں کیں اور سلیمان نے ان سب کا جواب دیا۔۔۔۔اور جب سبا کی ملکہ نے سلیمان کی ساری حکمت اور اس محل کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دستر خوان کی نعمتوں اور اس کے ملازموں کی نشست اور اس کے خادموں کی حاضر باشی اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں کی تیزی اور اس سیڑھی کو جس سے وہ خداوند کے گھر کو جاتا تھا دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ سچی خبر تھی جو میں نے تیرے کاموں اور تیری حکمت کی بابت اپنے ملک میں سنی تھی تو بھی میں نے وہ باتیں باور نہ کیں جب تک خود اپنی آنکھوں سے آکر دیکھ نہ لیا، اور مجھے تو آدھا بھی نہیں بتایا گیا تھا کیونکہ تیری حکمت اور اقبال مندی اس شہرت سے جو میں نے سنی تھی بہت زیادہ ہے۔خوش نصیب ہیں تیرے لوگ اور خوش نصیب ہیں تیرے ملازم جو تیرے برابر تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت سنتے ہیں خداوند خدا تیرا مبارک ہو جو تجھ سے ایسا خوشنود ہوا کہ تجھے اسرائیل کے تخت پر بٹھایا اور اس نے بادشاہ کو ایک سو بیس قنطار سونا اور مسالے کا بہت بڑا انبار اور بیش بہا جواہر دیئے اور جیسے مصالے سبا کی ملکہ نے سلیمان بادشاہ کو دیئے ویسے پھر کبھی ایسی بہتات کے ساتھ نہ آئے ۔۔۔۔اور سلیمان بادشاہ نے سبا کی ملکہ کو سب کچھ جس کی وہ مشتاق ہوئی اور جو کچھ اس نے مانگا دیا پھر وہ اپنے قافلوں سمیت اپنے وطن کو لوٹ گئی''

(سلاطین ۱۰ : ۱۔۱۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین اس بات کے تو قائل ہیں کہ قوم سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین قبول کر لیا تھا تاہم بعد میں کب

اور کیسے اس قوم میں شرک پھر سے در آیا تاریخ اس معاملے میں اندھیرے میں ہے۔ملکہ بلقیس کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا جس کا نام مالک اور لقب ناشر النعم تھا۔اس کے بعد اس بیٹا مالک تخت سبا پر بیٹھا جو پرلے درجے کا نااہل حکمران تھا اس لیے ازد قبیلے کے ایک سردار عمران نے اس سے حکومت چھین لی اس طرح یہ حکومت بنی قحطان سے بنی کہلان میں منتقل ہوگئی۔تاہم زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بنی حمیر نے نہ صرف اپنی حکومت واپس چھین لی بلکہ بنی کہلان کو اپنے علاقوں سے دور تک بے دخل کر دیا۔تخت کی کشمکش تو ریاست میں جاری ہی رہی اور اس ضمن میں کئی بار خون کی ندیاں بھی بہیں مگر ریاست سبا نہ صرف قائم رہی بلکہ اس پر بنی حمیر ہی حکومت کرتے رہے۔تاریخ کے اسی دھارے میں بابل کے بخت نصر نے یہودیوں کو تاریخ کی سب سے بری شکست سے دوچار کر دیا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔۵۸۷ ق م میں اگر چہ وہ یہودیوں کی کثیر تعداد کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ بابل لے گیا تھا تاہم بہت سے یہودی قبائل دیگر علاقوں کی طرف بھی ہجرت کر گئے اور شاید انھی میں سے کچھ اجڑے یہودی قبائل یمن میں بھی وارد ہوئے جن کی دعوت پر مملکت سبا کے بادشاہ حارث بن عمرو نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔سد مآرب ٹوٹنے کے بعد جب قوم سبا بکھری تو یہی ازدی قبائل تھے جو یثرب میں آباد ہوئے جو اوس و خزرج کے آباؤ اجداد تھے۔

قوم سبا کی آسودگی نے آخر کاہلی کی صورت اختیار کر لی ان کے اخلاق اور عقائد پہلے ہی پست ہو چکے تھے اور وہ شرک جیسی عادتِ بد کا شکار ہو چکے تھے۔ان کے معاشرے میں پھیلے سبز انقلاب اور دنیا پر ان کی تجارتی برتری نے ان کو انحراف کی اس راہ پہ ڈال دیا تھا جس کی آخری منزل خالق کا غضب ہی ہوا کرتی ہے۔چنانچہ جب ان کا انکار اور ظلم ایک حد سے بڑھا تو صدیوں سے قائم گرینیٹ کا بند سدّ مآرب ٹوٹ گیا اور سارا ملک ایک شدید طغیانی کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا اور بچے کھچے قبائل وہاں سے ہجرت کر کے عرب کے مختلف خطوں میں آباد ہوئے تاہم پھر ان کی پہچان قوم سبا کے طور پہ کبھی نہ ہوسکی اب وہ ایک منتشر قوم تھے جو منتشر قبائل میں منقسم دور دور تک پھیل گئے تھے اور جن کا نام اب صرف زیب داستاں کے لیے لیا جاتا۔

اہل سبا کے اخلاق وعقائد

قوم سبا کے عقائد کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ ابتدائی طور پہ وہ آفتاب پرست تھے اور ان کے بڑے دیوتا کا نام عشتار تھا۔ تاہم بعد میں یہ قوم بت پرستی میں بھی مبتلا رہی ان کا رشتہ عبدیت تو خدا سے جانے کب کا ٹوٹ چکا تھا مگر بت پرستی انھوں نے بہت بعد میں اختیار کی جس کی وجہ سے زمانے بھر کی اخلاقی برائیاں ان میں در آئیں تھیں اور وہ اخلاقی پستیاں ان کے معاشرے کا عموم بنتیں گئیں جو شرف انسانیت پہ دھبہ تھیں۔ دولت کی فراوانی نے ان سے رشتوں کی عظمت بھی چھین لی تھی اور ان کا قریہ قریہ کوچہ کوچہ بدی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک ایک عوت سے کئی کئی مرد شادی کر لیتے تھے۔ محرمات سے بھی زنا کا عام رواج تھا۔ شراب ان کے ہاں پانی کی طرح پی جاتی تھی اور نشے میں باہم عداوت کے واقعات جنم لیتے جس سے اکثر و بیشتر خون بہنے تک کی نوبت آجاتی۔ مملکت سبا کے حکمرانوں کو عام طور پہ عوام کے عقائد کی پرواہ نہ تھی کیونکہ وہ خود بھی کافی حد تک راہ سے بھٹک چکے تھے اس لیے ان کے عمومی اخلاقی رویوں کی تعمیر نہ ہو سکی اور وہ معاشرہ فسق و فجور کی آماجگاہ بن کے رہ گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی دعوت پر اہل سبا کی حکمران ملکہ بلقیس نے پوری قوم سمیت ان کا دین قبول کر لیا تھا تاہم وہ بعد میں پھر سے شرک کی طرف راغب ہو گئے مملکت سبا کے باشندوں پر اللہ نے اپنا خاص فضل کیا تھا تجارت اور زراعت میں ان کی برتری کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں اور یہی آسودگی تھی جس نے ان سے اخلاق صالحہ کو دور کر دیا تھا اور پورے کا پورا معاشرہ اخلاقی پستی کی طرف تیزی سے رواں تھا۔ اہل سبا ایک جنگجو قوم نہ تھے بلکہ ان کا رخ زراعت اور تجارت کی طرف تھا مگر کثرت شراب نوشی کی وجہ سے وہ ایک بری

قوم تصور کیے جاتے۔ان کے ہاں ان کے دیوتا عشتار کی یاد میں کئی تہوار منعقد کیے جاتے جس میں اجتماعی شراب نوشی اور زنا کاری عام تھی۔پوری قوم کسی ایک عقیدے یا نظام اخلاق پر متفق نہ تھی۔ہر شہر کا اپنا الگ دیوتا تھا کوئی چاند کو پوج رہا ہے تو کوئی سورج کی پرستش کر رہا ہے اور کسی کو مذہب کی ضرورت ہی نہیں۔ان کے ہاں پروہت اور پجاری نہایت عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔لوگ اپنی بیٹیاں اپنے دیوتاؤں کو بھینٹ کرتے جو بعد میں مقدس عصمت فروشی میں کام آتیں یا پروہت اور پجاری کی ہوس کا نشانہ بنتی رہتیں۔وہ دور دور سے معبد میں آنے والے مہمانوں کی دلنوازی کی وجہ بنتیں اور یونہی اپنی زندگیاں تمام کرتیں۔قوم سبا بہت سے متفرق دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے جن میں القمہ دیوتا کو خاص اہمیت حاصل تھی اور اسے قوم کا مرکزی یا سب سے بڑا دیوتا قرار دیا جاسکتا ہے۔

القمہ کے علاوہ عشتار، ذات حمیم، ذاتِ بعدان، ہوبس، حرمتم حریمت اور ایسے ہی بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔بادشاہ خود کو القمہ کا وکیل قرار دیا کرتا اس طرح وہ نظریاتی اور عقائدی دونوں محاذوں پر حکومت کرتا۔ماہرین آثارِ قدیمہ کو یمن سے بکثرت کتبات ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک ان دیوتاؤں اور خصوصاً القمہ کے مندروں سے بھرا پڑا تھا اور ہر اہم قومی واقعے پر اس کے معبد میں شکرانے کے لیے اجتماعی عبادت کی جاتی۔جس میں اکثر وبیشتر خود بادشاہ وقت بھی شامل ہوتا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انکار اور مسلسل شرک اور بت پرستی نے ان کے دل سخت کردیئے تھے اور وہ ہدایت قبول کرنے سے عاری ہوچکے تھے جس کی وجہ سے آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں وہی فیصلہ فرمایا جو اس کی سنت رہی ہے۔

ان کا سب سے بڑا اور مشہور بند ٹوٹا اور قوم معاشی طور پہ تباہ ہوکر بکھر گئی اور ان کی وہ بستیاں جہاں کی رونقیں روم و یونان کو بھی پیچھے چھوڑتیں تھیں اب اس بری طرح ویران تھیں کہ ان کے باسی بھی ان کھنڈروں کے درمیان رہنے کے لیے تیار نہ تھے۔ان کے سرسبز باغات کی جگہ اب بیری کے چند درخت تھے جن کے پھل کڑوے اور کسیلے تھے۔

قوم سبا کا زوال

مورخین نے ۳۰۰ ق م سے لے کر ۱۱۵ ق م تک کے دور کو قوم سبا کے زوال کا دور قرار دیا ہے کہ اسی زمانے میں قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ جو تعداد میں دوسرے تمام قبائل سے بڑھا ہوا تھا نے کہلان کی اولاد سے سبا کی حکومت چھین لی تھی اور یہ بنی حمیر تھے۔ اس دوران انھوں نے مآرب کو اجاڑ کر ریدان کو سبا کا دارالسلطنت بنادیا کیونکہ ریدان حمیر کا مرکز تھا۔ بعد میں یہ شہر ظفار کے نام سے تاریخ میں زندہ ہوا۔ ماہرین آثار قدیمہ نے گذشتہ صدی میں یمن کے ایک شہر یریم کے قریب مدور کی پہاڑیوں پر آل حمیر کی تعمیرات کو کھوج لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس علاقے میں آج بھی حمیر نام کا ایک چھوٹا سا قبیلہ آباد ہے جن کی بے سروسامانی دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ لوگ اسی قوم کی یادگار ہیں جس کے ڈنکے کبھی دنیا بھر میں بجتے تھے۔ مگر جب ایک بار قوم سبا کا زوال شروع ہوگیا تو پھر تھما نہیں اور ہر آنے والے دن نے اس عظیم مملکت کے زوال کی کہانی ہی لکھی۔ پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ اہل سبا کی تجارت پر زوال آنا شروع ہوا کہ مشرق وسطیٰ میں جب یونانیوں اور پھر رومیوں کی طاقتور سلطنتیں قائم ہوئیں تو لوگوں میں اس تاثر نے زور پکڑا کہ عرب تاجر اپنی اجارہ داری کے باعث مشرق کے اموال تجارت کی من مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ریاستوں کے تاجر بھی میدان میں اتر آئے اور عربوں کی اجارہ داری کو چیلنج کردیا۔ یونانیوں نے نہایت غور و غوض کے بعد اہل عرب کی تجارتی اجارہ داری کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مصر کے یونانی الاصل فرمانروا بطلیموس ثانی جس کا دور حکومت ۲۸۵ ق م سے لے کر ۲۴۶ ق م بتایا جاتا ہے نے اس قدیم نہر کو پھر سے کھولا جسے سترہ

صدیاں قبل ایک فرعون حکمران سیسوستریس نے بحرہ احمر کو دریائے نیل سے ملانے کے لیے کھودا تھا اور اسی نہر کے ذریعے مصر کا بحری بیڑا پہلی مرتبہ بحر احمر میں داخل ہوا۔ لیکن سبائیوں کے مقابلے میں یہ کوشش زیادہ کارگر ثابت نہ ہوسکی۔ پھر جب مصر پر روم کا قبضہ ہوا تو رومی زیادہ طاقتور تجارتی بحری بیڑا لے کر اہل سبا کے مقابل بحر احمر میں اترے اور اب اس کی پشت پر رومیوں کی مہیب جنگی طاقت بھی کھڑی تھی جس کا مقابلہ سبائیوں کے بس کی بات نہ تھی اس لیے جلد ہی رومیوں نے جگہ جگہ اور مختلف بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نو آبادیاں قائم کرنا شروع کر دیں اور اپنے تجارتی جہازوں کو ہر ممکن سہولت فراہم کی اور جہاں ممکن ہوا اپنی فوجی طاقت سے اہل سبا کے قدم اکھاڑ دیئے جس کے نتیجے میں وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ عدن کی تجارتی منڈیوں پر رومیوں کا قبضہ مکمل ہوگیا۔ بحری تجارت کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اب اہل سبا کے پاس صرف بری تجارت ہی کا راستہ بچا تھا مگر بہت سے اسباب نے رفتہ رفتہ اس کی کمر بھی توڑ دی۔

پہلے نبطیوں نے پیٹرا سے العلا تک بالائی حجاز اور اردن کی تمام تجارتی نو آبادیوں سے اہل سبا کو نکال باہر کیا۔ پھر ۱۰۶ء میں رومیوں نے نبطی سلطنت کا بھی خاتمہ کر دیا اور حجاز کی سرحد تک شام و اردن کے تمام علاقے رومیوں کے مضبوط ہاتھوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد بھی حبشہ کے وحشی کالے قبائل اور رومیوں کی متمدن ریاستوں کی باہمی سازباز میں یہی طے پایا کہ سبائیوں کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر ان کی تجارتی اجارہ داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔ اس دوران میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں جس کی وجہ سے قوم انتشار اور انارکی میں مبتلا ہوگئی بیرونی حملہ آوروں نے پہلی دفعہ ان کی کمزوری کو محسوس کیا اور ان پہ حملہ شروع کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا۔ بیرونی حملہ آوروں کی مداخلت کی وجہ سے پہلے تو ان کی تجارت کمزور ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی زراعت نے بھی برے دن دیکھے۔ پھر جلد ہی قوم کو اپنی آزادی قائم رکھنے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگی اور آخر کار وہ بھی ختم ہو گئی۔ ریدانیوں حمیریوں اور ہمدانیوں کے باہمی نزاعات سے فائدہ اٹھا کر بالآخر ۳۴۰ء میں یمن کے حبشیوں نے ملک پر قبضہ کر لیا جو ۳۷۸ء تک قائم رہا۔ اگرچہ بنی حمیر نے ہمت نہ ہاری اور ایک بار پھر حکومت اہل حبشہ سے واپس چھین لی اور ان کی آزادی بحال ہوگئی مگر اب اس ریاست میں زیادہ دم خم باقی نہ رہا تھا۔ ان کی توجہ اپنے مشہور بند مآرب سے ہٹ چکی تھی اور وہ ایک مدت تک اس کی تعمیر اور نگہداشت

سے غافل رہے تھے۔ وہ اپنے شرکیہ عقائد میں الجھے رہے مگر بند میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ اور آخر ۴۵۱ء میں یہ بند ٹوٹ گیا اور اس سے ایک عظیم سیلاب وجود میں آیا جس نے قوم سبا کے رہے سہے وقار کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اگرچہ اس کے بعد اہل حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کے دور میں بند کی کئی دفعہ مرمت بھی کی گئی مگر علاقے کے جو مکین منتشر ہو چکے تھے پھر دوبارہ کبھی اکٹھے نہ ہو سکے اور نہ آب پاشی اور زراعت کا وہ نظام جو درہم برہم ہو چکا تھا پھر سے بحال ہو سکا۔ ۵۲۳ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ اس ظلم کو قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے زندہ رکھا گیا جس کے ردعمل میں قیصر روم کے حکم پر حبشہ کی عیسائی ریاست نے یمن پر حملہ کر دیا اور سارا ملک فتح کر لیا۔ تب یمن کے حبشی واسرائے ابرہہ نے کعبہ کی مرکزیت ختم کرنے اور پورے ملک عرب کو رومی اثر میں لانے کے لیے مکہ معظّمہ پر حملہ کیا مگر اللہ کے گھر کی حفاظت خود اللہ نے کی اور ابرہہ پر ابابیل کا عذاب نازل کیا جنھوں نے کنکریاں مار کر ابرہہ کے لشکر کا بھرکس نکال دیا۔ قرآنِ حکیم میں اس واقعے کو اصحاب الفیل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ مشہور واقعہ نبی کریم محمد ﷺ کی پیدائش سے چند روز ہی قبل پیش آیا پھر یمن پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا اور ان کے آخری حکمران باذان کے اسلام قبول کر لینے سے مملکت سبا کا وجود صرف داستانوں میں باقی رہ گیا تو آخری سچ اور کھلی حقیقت یہ ہے کہ کوئی فرد ہو یا پوری قوم جب ناشکری کی عادی ہو جائے تو اللہ کا غضب اس کو انتہائی عروج سے گرا کر ذلت کی اس پستی میں پھینک دیتا ہے جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم سر نہیں نکال سکتی اور یہی سب کچھ اہل سبا پہ بیتا۔

سلطنت معین

گلیزر (Glazer) جو ایک برطانوی محقق ہے اور اسے تاریخ عرب میں ایک سند کے طور پہ مانا جاتا ہے نے بیان کیا ہے کہ معین کی سلطنت اہل سبا سے کافی متقدم تھی اس کا دارالسلطنت القرن تھا اور یہ ریاست معین، قتبان، حضرموت اور اقلیم ملخ کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ کسی زمانے میں معین کی سلطنت جنوبی عرب کی ایک مستحکم ریاست تھی لیکن اس ریاست کے دورِ حکومت کو متعین کرنے میں مورخین کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ گلازر اس کو بہت قدیمی حکومت مانتا ہے۔ اس کے دورِ حکومت کو حضرت عیسیٰ سے بھی پندرہ سو سال قبل بیان کرتا ہے۔ مگر ایک اور معروف یورپی مورخ (Moler) کا دعویٰ ہے کہ معینی مملکت کے متعلق ابھی تک ملنے والے کتبات میں سے کوئی کتبہ بھی آٹھ سو قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ہے اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ معین اور سبا ہم عصر حکمران تھے اور ان کی ریاستیں بھی ساتھ ساتھ ہی تھیں۔ ابتدائی صدیوں میں اس ریاست کا صدر مقام معین ہی تھا۔ اگرچہ مورخین نے ریاست پر حکومت کرنے والے پچیس حکمرانوں کو جاننے کا دعویٰ کیا ہے مگر ان کے نام بیان

نہیں کیے۔ البتہ ماہرین آثارِ قدیمہ نے سلطنت معین کی تہذیب عقائد اور سماج کے عمومی رویوں پہ کافی تحقیق کی ہے اور علاقے سے ملنے والے بے شمار کتبات سے ان کا ایک اجمالی تصور قائم کیا ہے۔ جس کے مطابق اہل معین کے ہاں نظام ملوکیت جاری تھا، یعنی باپ کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوتا تھا۔ کبھی کبھی بادشاہ کے بعد اس کے دو بیٹے مل کر بھی حکومت کرتے تھے۔ تاہم اہل معین کی ملوکیت آمریت اور استبداد سے مبرا تھی۔ اگر چہ عملی طور پر جملہ اختیارات کا مالک بادشاہ ہی ہوا کرتا تھا لیکن امورِ مملکت طے کرتے ہوئے وہ شاہی خاندان کے بزرگوں، رجال دین اور مختلف قبائل کے سرداروں اور بڑے بڑے شہروں کے روساء سے بھی مشورہ کیا کرتا۔ مشاورت کے بعد بادشاہ اپنے حکم کو اس صورت نافذ کرتا کہ سب سے اوپر ان کے معبودوں کے نام لکھے جاتے پھر بادشاہ کا نام کا تحریر کیا جاتا۔ ان علاقوں میں کھدائی کے دوران ملنے والے آثار سے ان کی مذہبی زندگی کے بارے مکمل اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے جس کے مطابق اہل معین کے ہر شہر میں ایک عبادت گاہ ہوا کرتی۔

البتہ بڑے بڑے شہروں میں کئی کئی عبادت گاہیں تعمیر کی جاتیں اور ہر عبادت گاہ کو کسی خدا سے مخصوص کیا جاتا۔ ان کے خداؤں کے بارے میں پتا چلا ہے کہ ان کا سب سے بڑا خدا عشتر یا عشتار تھا جو زہرہ ستارہ کا مجسمہ تھا۔ ان کے دیگر دیوتاؤں میں ود یعنی قمر کا نکرح تھا۔ اور ایک شمس کا مجسمہ تھا مگر عام خیال یہ ہے کہ ان کے اور بھی بہت سے خدا موجود تھے جن کا پتا نہیں چل سکا۔ معینی قبائل عراقی عمالقہ کی نسل سے تھے جو لاوذ بن سام کی اولاد تھے اور ان کی مدت حکومت ۱۲۰۰ ق م سے ۶۵۰ ق م تک بیان کی جاتی ہے۔

قدیم زمانوں میں وہ دیگر قحطانی قبائل کے ہمراہ عراق سے نقل مکانی کر کے ان سرسبز میدانوں کی تلاش میں نکلے جہاں وہ ایک متمدن زندگی بسر کر سکیں۔ اسی تلاش میں وہ یمن کے ان میدانوں میں جہاں پانی اور سبزہ تھا اترے اور اپنے خیمے گاڑ دیئے۔ گزرتے وقت نے ان کی معاشیات کو سنبھالا دیا تو انھوں نے ان علاقوں میں اپنی حکومت کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ اپنے دفاتر اور محلات بنائے۔ اہل سبا کی طرح اہل معین بھی تجارت پیشہ تھے اور اس میدان میں انھوں نے بہت ترقی کی۔ خلیج فارس سے لے کر بحر احمر تک ان کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں تھیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیوں کا دائرہ وادیٔ القریٰ صنعا اور حوران تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ جنوبی عرب کی بندرگاہوں سے مال تجارت لے کر جزیرہ

کے درمیانی علاقوں کو عبور کرتے ہوئے شمالی سواحل کی طرف جاتے تھے۔ان کی اہم تجارت جنوبی ایشیا سے درآمد شدہ قیمتی پارچہ جات، مصنوعات، گرم مصالحوں اور بخور پر مشتمل تھی جن کی اہل مصر کے ہاں بڑی مانگ تھی۔بخور کو وہ اپنے انگنت معبودوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے معبدوں میں جلایا کرتے۔کہا جاتا ہے کہ معین اپنے زمانے کی طاقتور ریاست تھی جو سیاسی طور پر مستحکم اور معاشی طور پر مضبوط پوزیشن پر تھی۔تجارت کے علاوہ حکومت کی آمدنی کا ایک اور بڑا اور اہم ذریعہ وہ ٹیکس تھے جو حکومت زمینداروں اور اہل تجارت پر عائد کرتی تھی۔معین کی مملکت بہت سے اضلاع میں منقسم تھی اور ہر ضلعی حکمران بادشاہ کا مقرر کردہ ہوتا اور اسے نائب رئیس کہہ کر پکارا جاتا۔کئی علاقوں میں اسے الکبیر بھی کہا جاتا۔

اس کے علاوہ ان کے مذہبی عقائد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ اپنے معبود کے لیے علیحدہ سے خرچ کریں۔جن کا حکومتی ٹیکسوں سے کوئی تعلق نہ ہو۔بڑے شہروں میں ہر معبد کی بے شمار آمدنی ہوا کرتی اور ہر معبد کے ساتھ وسیع اراضی ان مخصوص خداؤں کے نام کے ساتھ مختص ہوا کرتی۔معابد کو حکمرانوں سمیت عام اور بڑے زمیندار بھی بیش بہا نذرانے پیش کرتے جن سے پروہتوں کی بن آتی اور وہ ایک آسودہ زندگی گذارتے۔اس کے علاوہ ان کی پہنچ حکومت کے بالائی حلقوں تک بھی تھی اس لیے وہ اہم قومی معاملات میں براہ راست دخیل تصور کیے جاتے۔کوئی اہم قومی معاملہ ان کی غیر موجودگی میں طے کرنا ممکن نہ تھا۔معابد کی بے پناہ آمدنی کو عوامی خیر وفلاح کے منصوبوں پر بھی خرچ کیا جاتا اور اس دولت کو سرائیں تعمیر کرنے، ویرانوں میں کنویں کھودنے اور عوام کی صحت وتعلیم پر خرچ کیا جاتا۔ان کے سیاسی نظام کو کافی مستحکم قرار دیا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس دور میں ہر شہر کی الگ مجلس مشاورت ہوا کرتی جو جنگ اور امن کی حالت میں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا کرتی۔اسی طرح ہر بڑے قبیلہ کا بھی ایک مرکز ہوا کرتا جہاں وہ ملکی معاملات پر تبادلہ خیال کرتے اور اہم معاملات پر اپنی طے شدہ رائے بادشاہ کو منتقل کرتے۔جس عمارت میں یہ اہم اجلاس منعقد کیا جاتا اس کو مزود کہا جاتا جس کی حیثیت ان کے ہاں وہی تھی جو اہل مکہ کے نزدیک دارالندوہ کی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سلطنت معین کے عام باشندوں کو جنگ وجدل سے خاص دلچسپی نہ تھی اس لیے ان کی دلچسپیاں اور ترجیحات خالص تجارتی نقطہ نظر سے تھیں اور ان کی ساری توجہ اپنی تجارت کو دور دور تک پھیلانے پر مرکوز تھی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے تھے۔چنانچہ اُس وقت ان کا شمار علاقے کی

متموّل اقوام میں کیا جاتا اوران کے سیاسی نظام کونمونے کے طور پہ پیش کیا جاتا تھا۔ان کے عقائد اپنی ہم عصر اقوام سے ملتے جلتے تھے اور وہ گمراہی کا شکار تھے جس کی وجہ سے ان کے اخلاق کافی پست تھے۔ معاشرے میں جرائم کی شرح اگرچہ زیادہ نہ تھی مگر اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ چوری غصب زنا جوا شراب خوری اور دھوکہ دہی کو جرائم تصور ہی نہ کیا جاتا تھا۔اپنی ہم عصر دوسری اقوام کی طرح ان کے ہاں بھی عورت کو محض تعیش ہی کی ایک چیز تصور کیا جاتا تھا۔محرمین کے ساتھ نکاح اور ایک مرد کا بہت سی عورتوں سے ملوث رہنا ان کے ہاں بری بات تصور نہ کی جاتی تھی۔ان کے ہاں فوج یا پولیس کی طرح کا کوئی محکمہ قائم نہ تھا اس لیے مختلف جرائم کی سزا کا فیصلہ قبیلہ کے سربراہ ہی نے کرنا ہوتا تھا جس کی حیثیت آخری فیصلے کی ہوا کرتی اور کوئی اس پر تنقید کی جرأت نہ کرسکتا۔مورخین نے درست طور پہ اس بات کا تعین نہیں کیا کہ ان کی حکومت کے زوال کے اسباب کیا تھے تاہم اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ ان کے زیر اثر علاقوں پہ بعد میں اہل سبا حکمران ہوگئے تھے جو اس بات کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے کہ معین کی حکومت اہل سبا سے قبل قائم تھی۔یمن کے عام باشندوں کو یعرب بن قحطان کی اولاد ہی تصور کیا جاتا ہے مگر معین اصل میں قحطان کی اولاد نہ تھے اگرچہ ان کا نسب بھی حضرت نوح ؑ کے بیٹے سام سے ملتا ہے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ قبیلہ معین قحطانی النسل نہ تھا بلکہ یہ عراق میں بسنے والے اعمالقہ کی نسل سے تھے۔جب دوسرے بہت سے قحطانی قبائل کو سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے عراق سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تو یہ قبیلہ بھی عراق سے نکلا اور خطہ زمین کے کسی ایسے ٹکڑے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جہاں وہ امن وآشتی سے زندگی گذار سکیں اس طرح وہ یمن میں آباد ہوئے اور پھر ان کے زوال کے بعد اہل سبا ان پہ غالب آگئے۔

نبطیوں کی ریاست

نبطیوں کی ابتدا جزیرہ نما عرب میں ہوئی تھی۔ مورخین نے ان کا احوال بیان کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے متعلق مکمل تفصیلات دستیاب نہ ہو سکی تھیں۔ ان کا اصل وطن شرقِ اردن کے مشرق میں بالائی اور مغربی حجاز کا علاقہ تھا جہاں سے وہ ۵۸۷ قم میں ہجرت کر کے عرب کے شمال مغربی علاقے میں منتقل ہو گئے تھے اور بحرہ روم کے آس پاس کے ذرخیز علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کا معاشرہ زراعت اور تجارت پر مبنی تھا خاص طور پہ ان کی تجارتی سوچ اس بات مظہر تھی کہ ان کے خون میں تجارت موجود تھی۔ اس لیے انھوں نے اس میدان میں قابل ذکر ترقی کی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ مغربی حجاز اور بحیرہ روم کا درمیانی علاقہ یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کی اصطلاح میں العربیۃ الحجریہ کہلاتا تھا اور پورا العربیۃ الحجریہ سلطنت نبط پہ ہی مشتمل تھا اور بطرا ان کا دار السلطنت تھا۔ جو یمن اور بحیرہ روم کی درمیانی کاروانی شاہراہ پر قائم ایک بہت بڑا شہر تھا جس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس شہر کا ذکر عرب کے قدیم شعرا کے کلام میں بھی ملتا ہے جس میں ان کی دولت اور خوشحالی کا مبالغہ آرائی کی حد تک تذکرہ ملتا

ہے۔ پہلی صدی عیسوی میں نبطیوں کی ریاست اپنے عروج کی منزلیں دیکھ رہی تھی اور ان کی تجارتی کامرانیوں کا شہرہ تھا۔اپنے اقتدار کے زمانہ عروج میں دمشق سے لے کر شمالی حجاز تک اور الحجر سے وادی القریٰ تک سب اہم تجارتی مراکز نبطیوں کے تسلط میں تھے۔اس لیے کہ کوئی دوسری قوم ان کے تجارتی تسلسل کو چیلنج کرنے کے لیے میدان عمل میں موجود ہی نہ تھی۔

ان کے جہاز راں اِن سمندری راستوں سے واقف تھے جن سے کوئی دوسرا واقف نہ تھا۔ان کی اعلیٰ اقدار اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت خوشحالی اور ثروت ان کے گھر کی لونڈی تھی۔انھوں نے بین الاقوامی بندر گاہ غزہ کو ترقی دی جو مغرب اور مشرق کی تجارت پہ مختار ہو گئی تھی۔وہ نبطیوں کے لیے دولت اور خوشحالی کا سندیسہ لے کر ابھری ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بطرا ؒ اپنے بڑے تجارتی مرکز کی حیثیت سے مختلف ثقافتی گروہوں سے بین الاقوامی تجارتی اور ثقافتی تعلقات رکھتا تھا۔نبطی قبائل کے اخلاق عقائد اور سماجی رویوں کے بارے میں مورخین نے اگرچہ کچھ قیاس آرائیاں ضرور کی ہیں جن کی بنیاد آثار قدیمہ کو ملنے والے کتبات ہیں۔اُن کے مطابق نبطی آفتاب پرست تھے۔

تاہم ان کے ہاں آتش پرست قبائل بھی موجود تھے۔اگرچہ زراعت بھی ان کے طریق معاش میں شامل تھی۔تاہم بیشتر قبائل کا دارومدار تجارت پہ ہی تھا۔وہ اپنے معابد میں عود اور بخور جلاتے جس سے معبد کی فضائیں خوشبودار ہو جاتیں۔معبد میں عورتوں کا اژدھام رہا کرتا ان کے ہاں مقدس عصمت فروشی کا رواج بھی موجود تھا شراب پانی کی طرح پی جاتی اور پوری قوم شرکیہ عقائد میں ملوث تھی۔جگہ جگہ قحبہ خانے بھی قائم تھے اور پورا معاشرہ اخلاقی پستی کا شکار تھا۔نبطی معاشرہ آسودہ حال معاشرہ تھا اور آسودگی اپنے ساتھ جو برائیاں لے کر آتی ہے معاشرہ اُن سب میں بری طرح مبتلا تھا۔ان کے ہاں معابد کے پجاری لوگوں کا استیصال کرنے میں پیش پیش تھے۔لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے مجبور تھے کہ اپنے دکھ اور پریشانیاں پجاری کے سامنے رکھیں اور پجاری اپنے دیوتاؤں سے ان کی سفارش کرنے کے لیے بھاری معاوضے طلب کرتے تھے۔اگرچہ مجموعی طور پر نبطی معاشرے کو آسودہ حال قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کے باوجود غریب لوگوں کی بھی کمی نہ تھی کیونکہ حکومت نے بالخصوص کسانوں پر نہایت کڑے ٹیکس عائد کر رکھے تھے۔بڑے تاجر اور معابد کی بے پناہ دولت اور بادشاہ کے پسندیدہ اور دولت مند خاندان ہر قسم کے ٹیکس سے مبرّا تھے جس کی وجہ سے ان کا معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار تھا۔ایک طرف دولت کی آبشاریں بہہ رہی

تھیں تو دوسری طرف اسی قوم کا پسماندہ طبقہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو بھی ترس رہا تھا۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا کے اکثر ممالک میں کچھ اسی طرح کا چلن موجود تھا اور حقیقی عدل کا کہیں دور دور تک کوئی تصور موجود نہ تھا۔ عقائد کی پستی اور اخلاق کی کمیابی نے ان معاشروں کو انسانی آزار بنا کے رکھ دیا تھا اور سسکتی انسانیت کی وہ تصویر ابھر کے سامنے آئی تھی جس میں شرف انسانی کی دھجیاں بکھر رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کے سہارے کبھی بھی کوئی ایسا سماج ترتیب نہ دے سکا جس کو مثال کے طور پہ پیش کیا جا سکے۔

انسان خود اپنی راہنمائی کے قابل ہی نہیں اور اسے عقل بھی محض اس لیے عطا کی گئی ہے کہ وہ اپنے خالق کی پہچان کر سکے اور شکر کی اس راہ پہ گامزن ہو سکے۔ جہاں اس کے لیے فلاح کی منزلیں ہیں، عافیت کے لمحات ہیں، تسکین کے سامان ہیں، تزئینِ شرف کے اہتمام ہیں، جہاں تشنگی اور نامرادی کا کوئی تصور نہیں، جہاں ابدی بہار کے نہ مرجھانے والے گل کھلتے ہیں جہاں خالق کی رحمت ہر دم بشر کا احاطہ کیے رہتی ہے، جہاں ادراک وفہم کے وہ در کھلتے ہیں کہ انسان انجانی منزلوں کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور اس کا ہر قدم اسے منزل کی فلاح کے نزدیک کرتا ہے جہاں انسان کے اندر وہ لطیف احساسات جنم لیتے ہیں جو اسے شکر کی راہوں پر لے جاتے ہیں، مگر نبطی معاشرہ ہو یا اسی طرح کے دیگر انسانی معاشرے وہ راہ گم کردہ تھے۔ اس لیے ان سے منزل کا شعور بھی چھن چکا تھا اور ان کی کل متاع آسائش اور آسودگی کی وہ تمنا تھی جو کبھی پوری ہو جاتی اور اکثر لوگ تو محض جانور کی سطح پر ہی زیست کر کے مٹی میں مٹی ہو جاتے۔ اپنے دورِ عروج میں نبطیوں نے دمشق اور لبنان کے وسیع علاقے فلسطین، حوران اور مدین کے جنوب مشرقی علاقے اور بحر احمر کے بہت سے ساحلی علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کچھ نبطی قبائل دریائے نیل کے مشرقی ڈیلٹا میں منتقل ہو گئے تھے جیسا کہ وہاں سے ملنے والے کتبوں سے پتا چلا ہے۔ مورخین نبطی خاندان کے بانی کا نام دریافت نہیں کر سکے اور نہ ہی وہ ان تمام فرمانرواؤں کے نام قلمبند کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جو نبطی قبائل پہ حکومت کرتے رہے۔ اب تک جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق حکمرانوں کے سلسلہ میں ایک بہت مقبول نام حارث ہے۔ اس لیے بعض مورخین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ حارث شاید نبطی بادشاہوں کا لقب ہو۔ اس سلسلہ کا آخری بادشاہ ملک الثالث تھا جس نے ۱۰۱ء سے ۱۰۶ء تک حکومت کی۔ پھر رومی شہنشاہ تروجن نے نبطی

ریاست پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جس کے بعد نبطی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۰۶ء میں العربیۃ الحجریہ کا علاقہ ایک عرب صوبے کی حیثیت سے رومی سلطنت میں مدغم ہو چکا تھا۔شام کے رومی گورنر(Cornalson)نے نبطی علاقوں میں کئی انتظامی تبدیلیاں کیں جن میں یہ بھی شامل تھا کہ اب اس صوبے کا صدر مقام بطراء سے بصریٰ منتقل کر دیا گیا ہے۔تیسری صدی عیسوی تک بطرا ایک حقیر سی جگہ میں بدل چکا تھا۔

ماہنایہ کی بادشاہت

تاریخ کی وسعتوں میں پھیلے بہت سے ایسے حکمرانوں کا پتا چلتا ہے جنھوں نے طاقتور ریاستوں کی موجودگی میں بھی اپنی انفرادیت اور وجود کا سامان فراہم کیا ہے۔ایسے قبائل اپنی جفاکشی اور جنگی صلاحیت کی بنا پر بڑی ریاستوں کی ہمسائیگی میں خود کو منواتے رہے ہیں اور مانائیہ کی ریاست بھی ایک ایسی ہی ریاست تھی جس نے مملکت سبا کے ایک کونے میں الگ سے اپنی انفرادی پہچان کو زندہ رکھا۔شاید اسی لیے ایک برطانوی مورخ (Ptolemy) نے ان کو عظیم قوم قرار دیا ہے۔مینائی قبیلہ کی بادشاہت مانائیہ جس کو مغربی مورخین نے ایسے (Minea یا Mainaia) لکھا ہے اس چھوٹی سی ریاست کا صدر مقام مائن نامی شہر کو بتایا جاتا ہے۔مورخین کو اگرچہ اس ریاست کے ثبوت ملے ہیں مگر وہ اس معاشرے یا قبائل کی دیگر جزیات تک نہیں پہنچ سکے اور اس سلسلے میں دیگر بہت سی معلومات کو بھی محض قیاس قرار دیا جاسکتا ہے۔مینائی قبیلے تاجر پیشہ تھے اور ان کے تجارتی روابط مصر تک پھیلے ہوئے تھے۔جزیرۃ العرب کے دور دراز علاقے پیٹرا سے ملنے والے کتبات سے پتا چلا ہے کہ

مینائی قوم کی تجارتی کالونیاں وہاں تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مینائی کی تجارت عام طور پہ سمندری راستے سے ہوتی تھی اور وہ گہرے سمندروں میں دور تک جانے کے فن سے آشنا تھے۔ ان زمانوں میں چند ہی قوموں کے جہاز راں لمبی مسافت پہ روانہ ہونے کے اسراروں سے آگاہ تھے۔ مینائی تاجروں کی مصنوعات کا اہم خریدار اہل مصر تھے جو ان سے خوشبودار لکڑی اور جڑی بوٹیاں خریدا کرتے۔ حکمت میں اہل مصر ہمیشہ دوسری دنیاؤں سے آگے رہے ہیں اور خوشبودار لکڑی ان کے معبدوں کی اہم ضرورت تھی جس کو جلا کر وہ اپنے معابد کی فضاؤں کو معطر رکھا کرتے تھے۔ مصری معاشرے دنیا کے قدیم ترین مذہبی معاشروں میں شامل ہیں۔ ہر دور میں ان کے ہاں ایک عقائدی ڈھانچہ موجود رہا ہے جس پہ قوم متفق رہی ہے۔ خود مینائی قبائل کے عقائد کے بارے میں مورخین کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ تاہم وہ اتنا ضرور بتاتے ہیں کہ مینائی قوم کے عقائد اور رسم و رواج اور زبان اپنی ہمسایہ ریاست سبا سے مختلف تھے۔ وہ اہل سبا کے اثر سے محفوظ تھے جن کی بنیاد جنوبی عرب سے دستیاب ہونے والے کتبوں پر رکھی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مملکت سبا کے حکمرانوں نے کئی دفعہ مانائیہ کے علاقوں پر لشکر کشی کی مگر مانائیہ نے اپنی جنگجو فطرت کی وجہ سے ان کو مار بھگایا۔ اس لیے اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں اقوام ایک دوسرے کی حریف تھیں اور ان کے درمیان کشیدگی کا زمانہ بھی ایک صدی سے زیادہ ہے۔

مانائیہ ریاست کب قائم ہوئی اور اس کا بانی کون تھا اس بارے میں بھی مورخین ابھی اندھیرے میں ہیں تاہم انھوں نے اس امکان کو رد نہیں کیا کہ مستقبل میں ریاست مانائیہ کے بارے میں مزید معلومات دستیاب ہو سکیں گی۔ اس لیے کہ جنوبی عرب سے ملنے والے ہزاروں کتبے ایسے ہیں جن کی تحریر مورخین کے لیے ابھی اجنبی ہے اور اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مانائیہ کی زبان اہل سبا سے مختلف تھی۔ جنوبی عرب کے علاقوں میں کام کرنے والے آثار قدیمہ کے ماہر اور محقق Glaster نے برطانیہ سے چھپنے والی اپنی کتاب میں خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ریاست حضرت عیسیٰ سے بھی بارہ صدیاں متقدم ہے اور اس کی تہذیب اہل سبا سے قدیم تر ہے اور اس کا زوال ۶۵۰ ق م کے لگ بھگ ہے۔ تاہم دیگر مورخین نے (E. Glaster) کے اس خیال کو رد کیا ہے اور اس کے ثبوت میں وہ کتبات پیش کیے

ہیں جن کے مطابق ان تحریوں میں مانائیہ ریاست کے وجود کے ثبوت تو موجود ہیں مگران کے زمانہ حکومت کے متعلق کوئی اشارات موجود نہیں ہیں۔ان کے اخلاق اور عقائد کے متعلق بھی یہی قیاس کیا گیا ہے کہ وہ اردگرد کی دوسری ریاستوں کے قریب ہی رہے ہوں گے اور کسی بڑے انقلابی فرق کا امکان دور از کار ہے۔ان کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ اہل سبا کے بار بار حملوں کے دفاع اور اقتصادی کمزوری کی وجہ سے ریاست کا عمومی ڈھانچہ مفلوج ہوکر رہ گیا تھا اور آخر کار اہل سبا کو ان کے مقابلے میں کامیابیاں حاصل ہونا شروع ہوئیں اور مانائیہ ریاست کو آخر سبا کی مملکت کا حصہ بنا لیا گیا۔

شاہ تدمور

تدمور کی ریاست کو نبطیوں کی ریاست کا تسلسل قرار دیا جا سکتا ہے کہ تدمور کا آغاز بطرأ کے انحطاط سے پیوست ہے اور اسے خطہ عرب میں خالص عربوں کی پہلی ریاست بھی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے سو سال بعد جب نبطیوں کی ریاست کا چل چلاؤ تھا تب تجارتی رستوں میں بتدریج تبدیلی اور پارتھیوں کی فتح میسوپوٹیمیا نے اس عرب ریاست کو فروغ دیا۔ ان کی تجارتی منڈیوں کو راستے اہل تدمور ہی فراہم کرتے تھے اس لیے کہ ان کو دوسری کئی اقوام پر جغرافیائی برتری حاصل تھی اور اسی جغرافیائی برتری کی بدولت تدمور کی ریاست نے تیزی سے وسعت کی راہیں اپنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مشرق کے سب سے بڑے تجارتی مرکز میں تبدیل ہوگئی۔ تدمور کی ریاست مشرق اور مغرب کے سنگم پر ایسی جگہ واقع تھی کہ اسے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال کے درمیان تجارت کی مرکزی شاہراہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اگرچہ تدمور کی ریاست بھی انھی کتبوں میں دریافت کی گئی جو جنوبی عرب کا تاریخی تسلسل بیان کرتے ہیں۔ آثار قدیمہ کے مغربی ماہرین نے انسانی تاریخ کی کھوج کے لیے قابل ذکر کام کیا ہے جس

کے لیےان کوداد تحسین نہ دینا قرین انصاف نہ ہوگا۔ان کی کوششوں سے تاریخ کی دبیز راکھ میں دبی بہت سی اقوام کا سراغ لگایا گیا ہے۔تاریخ عالم میں اس مطالعہ کو بہت اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ تاریخ کے اندھیروں میں گم ان اقوام کے احوال آج بھی انسانیت کو ان کے بنیادی رویوں پر تفکر کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں کہ شاید وہ جان جائیں کہ ماضی میں ان کے آباء نے وہ کون کون سی غلطیاں کی تھیں کہ تاریخ کے اندھیرے انھیں نگل گئے اوران کی داستان بھی باقی نہ رہی داستانوں میں۔

زمین کی تہوں کو کھودنے سے جو آثار برآمد ہوئے ہیں ان کی اپنی ایک زبان ہے جو ایک صدا کی صورت انسان کو ان کی داستان عبرت سے آگاہ کرتی ہے۔ان قوموں کے زوال میں پوشیدہ امور سے آگاہی فراہم کرتی ہے۔زمین کی تہوں میں پوشیدہ یہ خزائن جب منظر عام پہ ابھرتے ہیں تو ان بستیوں کے کھنڈر انسان کی بے ثباتی پہ ایسی دلیل فراہم کرتے ہیں کہ اگر کوئی متلاشی نگاہ ان رموز تک پہنچنا چاہے کہ زمان و مکاں کے کسی ٹکڑے کی اس اقبال مند قوم کو زمین کی تہوں میں ان کے کن امور کی پاداش میں دفن ہونا پڑا ہے تو وہ جان جائے گا کہ انسان کی اس کے خالق سے دوری اوراس راہ سے بغاوت جو خالق کی قائم کردہ تھی کا نظریہ ہی وہ واحد وجہ تھی جو کل کی عظیم الشان تہذیبوں کو مٹی کی خوراک بنا کر رکھ دیتی ہے۔

سچائی کی تلاش میں اگرچہ انسانیت نے بہت سفر کیا ہے اوراپنے اس سفر کے ہر پڑاؤ پر اسے راستہ بتانے والے کسی نہ کسی پیغمبر سے بھی ضرور واسطہ پڑا ہے مگر نجانے کیوں عادتِ نسیان نے کبھی بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور جلیل القدر پیغمبروں کی امتیں بھی تھوڑے ہی دنوں بعد اُن کی تعلیمات کو بھول جاتی رہیں۔ وہ جلد ہی اپنی اساسی تعلیمات کو چھوڑ کر ان راہوں کو اپناتے رہے جوان کی منزل کی طرف تو قطعی نہ جاتے تھے اوران کی یہی عادت قوموں میں بگاڑ کا باعث بنتی رہی۔چنانچہ قوم عاد ہو،قوم ثمود ہو،قوم نوح یا ملوکِ سبا ہوں سب ہی نے انحراف اور انکار کو ترجیح دی۔شر کو خیر پہ غالب جانا اگرچہ وہ حقیقت سے واقف تھے لیکن اپنے ذاتی جاہ وجلال اور پرآسائش اندازِ زیست نے ان کو کبھی راہ حق پہ نہ آنے دیا۔یہی وہ لوگ تھے جن پہ ان کی قومیں اعتماد کرتی تھیں اورانھوں نے ہی اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو اللہ کے پیغام سے دور رکھنے میں اپنی توانائیاں خرچ کیں اور دنیا اور آخرت کی ذلت کا سودا کیا۔ذکر ہو رہا تھا تدمور کی اس ریاست کا جو نبطیوں کے بعد قائم ہوئی جس کے مفصل احوال تو مورخین نے بیان نہیں کیے مگر تدمور کو اہل عرب کے اس دور میں جس کا ذکر مذکورہ صفحات میں جاری ہے کئی حوالوں سے اہمیت حاصل ہے۔ان کی

تجارتی اور سیاسی سرگرمیوں نے خطہ عرب کے احوال پر اپنے نقوش ثبت کیے تھے۔ چنانچہ ۱۳۰ سنہ ء اور ۱۷۰ سنہ ء کے درمیانی عرصہ میں اہل تدمور اپنی شان و شوکت کی معراج پہ تھے اور ان کی تجارت چین تک پھیل چکی تھی ۲۶۲ سنہ ء میں اہل تدمور کا ایک بڑا بادشاہ جس کا نام اذنیہ بیان کیا گیا ہے مشرق کا نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اپنے لقب کی بدولت اس عرب سردار نے تدمور ریاست کو بہت وسعت عطا کی اور اس کا اقتدار اعلیٰ شام سے لے کر شمالی عرب کے کنارے کنارے ایشائے کوچک اور مصر تک پھیل گیا۔ اس کی قوت کا مرکز مستحکم ہو گیا۔ ریاست تدمور کے متعلق یونان اور روم کے جغرافیہ دانوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے بھی راہنمائی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی ادب، اسلام سے قبل اہل عرب کے جاہلی ادب، افتخارات، تہہ زمین سے ملنے والے کتبات اور سکوں سے بھی اہل تدمور کے سیاسی اور سماجی نظام کو سمجھنے میں مدد ملی ہے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اہل تدمور خالص عرب تھے اور ان کا بادشاہ ''شاہ عرب'' کے لقب سے مقلب تھا۔ ان کی زبان عربی تھی اور روزمرہ کی دیگر رسم و رواج میں بھی خالص صحرائی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ ان کے نام اور ان کی بستیوں کے نام بھی عربی تھے۔ مذہب کے معاملے میں بھی وہ خالص عرب روایات کے پشتی بان تھے۔ بطرائے کے بڑے دیوتا کا نام ذوشرا تھا جو شر کا دیوتا تھا اور اس کی پرستش ایک سیاہ چوکور پتھر کی شکل میں مثل بطرائی کعبہ کے ہوتی تھی۔ ذوشرا سے متلازم عربوں کی سب سے بڑی دیوی آلاۃ تھی اور ایک مونث الٰہ کی نشان دہی آلاۃ کے نام سے ہو چکی ہے۔ نبطی قریش اور حجاز کے ان دیگر قبائل سے نزدیک تر تھے جو طلوع اسلام کے وقت موجود تھے۔ اپنی ترقی یافتہ شکل میں نبطی رسم الخط عربی رسم الخط بن گیا تھا جو اس رسم الخط سے ملتا جلتا تھا جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ ان کا عربی ذخیرہ الفاظ جو آرامی زبان میں محفوظ تھا خالص عربی تھا۔ اہل تدمور کی قوت کا اصل مرکز بھی جزیرہ نما عرب ہی تھا جو یونانیوں اور لاطینیوں کی اصطلاح میں العربیۃ السعیدہ تھا۔ جہاں سے تدمور نے اپنے اقتدار اعلیٰ کو العربیۃ الصحر اویہ تک وسعت دی۔ موجود تاریخی شواہد برملا بیان کرتے ہیں کہ تدمور عرب تھے اور ان کی نسلی و سیاسی حیثیت وہی تھی جو کچھ عرصہ قبل نبطیوں کو حاصل تھی۔ بالآخر ۲۷۲ء کو تدمور بادشاہت بھی تباہ ہو گئی۔

بنو حمیر کی حکومت

بنوحمیر دراصل بنوقحطان ہی تھے اور مدتوں وہ سلطنت سبا ہی کا حصہ تھے۔مگر بنوکہلان کی کمزوری اور بنوحمیر سے ان کی باہمی خانہ جنگی کے بعد سلطنت سبا کے بیشتر علاقوں پہ بنوحمیر قابض ہو گئے تھے۔اس لیے کہ جب مملکت سبا کے مختلف قبائل کے درمیان باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے ریاست کا مرکزی ڈھانچہ کمزور ہوا تو حبشہ کے حبشیوں نے سبا کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا جسے بعد میں بنی حمیر نے چھڑایا۔اس طرح حکومت بنی حمیر وجود میں آئی۔مملکت حمیر ریاست سبا اور بحراحمر کے درمیان واقع تھی۔ابتدا میں اس کا ظہور قتبان کے علاقے میں ہوا۔بنوحمیر نے جب اہل سبا سے علاقے چھینے تو انھوں نے مآرب کی بجائے ریدان کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا تاہم مرورِ زمانہ سے ریدان وقت کی راکھ میں گم ہو گیا اور یہی شہر ریدان کی بجائے ''ظفار'' کے نام سے ابھرا۔بنوحمیر نے اپنے آباء یعنی اہل سبا اور اہل معین کی تہذیب وعقائد کو اپنایا۔ان کو تجارت کا سارا ڈھانچہ بھی وراثت میں ہی ملا تھا۔تاہم مشہور برطانوی محقق (E.Glaster) کے مطابق انھوں نے جو کتبات عدن اور اس کے گردونواح سے برآمد کیے ہیں ان کے مطابق بنوحمیر کی زبان

عقائد اور دیوتا سب اہل سبا اور مانائیہ سے الگ تھے اور وہ حاکم نامی دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ حاکم ان کے ہاں روئیدگی اور بارش کا دیوتا تھا۔ ان کے مشہور شہر تامنا میں صرف حاکم دیوتا کے پینسٹھ سے زائد مندر تھے۔ اگرچہ وہ بھی مانائیہ اور سبا کی طرح خوشبو دار لکڑی کی تجارت کرتے تھے۔ (E. Glaster) نے ان کتبات سے بنو حمیر کے اٹھارہ باشاہوں کے نام درج کیے ہیں ان کے بادشاہوں کا لقب مکارب ہوا کرتا تھا اور ان کا ہر بادشاہ (Priest King) ہوا کرتا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ بنو حمیر کی اس مملکت نے بہت ترقی کی اور وہ نہایت مستحکم ریاست تھی جو چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ مملکت حمیر کے سارے دور کو مورخین نے دو برابر حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے دورِ اول میں بادشاہوں کو ملوک سبا و ریدان کہا جاتا تھا۔ مملکت حمیر اور اہل سبا کے مابین مورخین نے جو بڑا فرق دریافت کیا ہے وہ یہ ہے کہ مملکت سبا صریحاً ایک تجارت پیشہ قوم تھی جس کو لڑائی وغیرہ کا کوئی شوق نہ تھا اور نہ ہی وہ جنگ وجدل اور فتوحات کو اہمیت دیتے تھے۔ مگر بنو حمیر سخت جنگ جو تھے اور ان کے بطن سے بہت سے نامور جنگجو لیڈروں نے جنم لیا جن کی تلواریں اہل حبشہ اور اہل فارس کی طاقتور ریاستوں سے الجھتی رہیں۔ جس کے نتیجے میں اپنی حکومت کے دوسرے دور میں انھوں نے عراق فارس اور خراسان کے کئی علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔ انھوں نے ایران پر حملہ کیا اور ایک شہر صغد کو برباد کر کے اس کی جگہ ایک نیا شہر بسایا جس کو آج ثمر قند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لشکر کا سربراہ جس نے اہل ایران کو کئی محاذوں پر شکست سے دوچار کیا تھا اس کا نام اسعد ابو کرب تھا۔ مورخین نے اسعد ابو کرب کو شاندار الفاظ میں یاد کیا ہے جس نے چین پر ایک لشکر جرار سے حملہ کیا اور ان کو لوٹ کر واپس آ گیا۔ پھر اس نے سلطنت روم کے ایک صوبے پر حملہ کر دیا۔

روم کی سلطنت اگرچہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی مگر ان دنوں اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے پریشان تھی۔ چنانچہ قسطنطنیہ نے اسعد ابو کرب کو جزیہ دینا قبول کیا۔ اسعد ابو کرب نے آذربائیجان پر بھی حملہ کیا اور اس کے بادشاہ کو قتل کرا دیا۔ اسعد ابو کرب نہایت زیرک اور دانشور بادشاہ تھا وہ اپنے عقائد کے بارے میں ہمیشہ سے متردد رہا تھا اگرچہ اس بات کا علم صرف اس کے قریبی لوگوں کو ہی تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے بغاوت کی طرف میلان رکھتا تھا مگر جس معاشرے اور جس سماج میں اس نے جنم لیا تھا وہاں بت پرستی کی جڑیں بہت گہری تھیں اس لیے دل ہی دل میں اس نے ارادہ کر رکھا تھا کہ اگر اسے کوئی ایسا مذہب

ملا جسے اس کا دماغ خوشی سے قبول کرے تو وہ اس کو اپنانے میں دیر نہیں لگائے گا۔اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر بھی حملہ کیا تھا مگر ان کو نقصان نہ پہنچایا اور کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ گیا۔کچھ عرصے بعد اس کی ملاقات یہودی ربیوں سے ہوئی اور اس نے ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا وہ اس الہامی مذہب سے متاثر ہوا اور صدق دل سے یہودیت اختیار کر لی۔جنوبی عرب اور اہل یمن میں سے وہ پہلا حکمران تھا جس نے یہودی مذہب اختیار کیا۔اس کی نسل میں بھی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو مذہبی میلان طبع رکھتے تھے۔پیر محمد کرم شاہؒ صاحب نے اپنی شہرہ آفاق سیرت ''ضیا النبی'' میں عرب مورخین کے حوالے سے بنو حمیر کے دو ایسے بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی آمد سے بہت پہلے ہی ان پر ایمان لے آئے تھے۔انھوں نے اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کا ذکر پڑھا اور آپ ﷺ کی حقانیت پر یقین کیا تھا۔بنو حمیر کے ان باشاہوں کے نام تبع اور الحرث تھے۔محمد کرم شاہ صاحبؒ نے ان کے بارے لکھا ہے:

''ان بادشاہوں میں ایک کا نام الحرث تھا جو حمیر کی پندرہویں پشت میں سے تھا اس سے قبل ان کی مملکت یمن تک محدود تھی الحرث یمن سے نکلا اور دیگر مما لک کو فتح کیا اور وہاں سے کثیر مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا اس کا عہد حکومت ایک سو پچیس سال تک رہا اس نے اپنے اشعار میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر بڑی عقیدت اور محبت سے کیا ہے''۔

اس کا ایک شعر ہے:

وَاَحْمَدُ اِسْمُهٗ یَا لَیْتَ اَنِّیْ
اُعَمَّرُ وَ بَعْدَ مَبْعَثِهٖ بِعَامٍ

''یعنی کہ حضور کا اسم گرامی احمد ہے کاش میری زندگی وفا کرے اور حضور ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد مجھے صرف ایک سال زندہ رہنے کی مہلت میسر آ جائے''۔

شمیر یرعش کے بعد اس کا بیٹا اقرن تخت حکمرانی پر متمکن ہوا۔ پھر اس کا بیٹا کلیکرب بادشاہ بنا۔ اس کا دورِ حکومت پینتیس سال تھا اور اس کے بعد اس کے بیٹے تبع نے تخت پر جلوس کیا۔ تبع کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ان اہل ایمان میں سے تھا جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو ان کی بعثت سے قبل ہی قبول کر لیا تھا اور ان پہ ایمان لے آئے تھے۔ تبع کے اشعار سے اس بات کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

شَہِدْتُّ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ بَارِیِ النَّسَمِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اس اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو تمام روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

وَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِہٖ
لَکُنْتُ وَزِیْراً لَّہٗ وَابْنَ عَمٍّ

''اگر میری عمر نے حضور ﷺ کی تشریف آوری تک وفا کی تو میں حضور ﷺ کا وزیر ثابت ہوں گا اور چچا زاد بھائی کی طرح ان کا مددگار اور معاون بنوں گا''۔

بنوحمیر کے ان بادشاہوں تبع اور حمیر کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کے یہ مظاہر قطعاً اجنبی نہیں ہیں اس لیے کہ اہل کتاب میں سے جو بھی صالحین تھے اور جن کے دلوں میں تعصب کا زنگ نہ لگا ہوا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کو ایسے ہی پہچانتے تھے جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور آپ ﷺ سے ایسی ہی محبت کرتے تھے جیسی کہ اپنے بیٹوں سے کرتے ہیں اور وہ شدت سے آپ کی

بعثت کے منتظر رہتے تھے اور اپنے اللہ سے یہ دعا کرتے تھے کہ کاش نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت وہ زندہ ہوں۔

اِن اشعار کو بھی تبع ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

قَدْ كَانَ ذُوالْقَرْنَيْنِ قَبْلِى مُسْلِماً
مَلِكاً تَدِيْنَ لَهُ الْمُلُوْكَ وَ تَحْشُدُ

”ذوالقرنین مجھ سے پہلے گزرا ہے اور وہ مسلمان تھا وہ ایک بادشاہ تھا کہ زمانے کے سارے بادشاہ اس کے تابع فرمان تھے اور اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے“۔

مِنْ بَعْدِهٖ بِلْقِيْسُ كَانَتْ عَمَّتِى
مَلِكَتْهُمْ حَتّٰى اَتَا هَا الْهُدْهُد

”اس کے بعد بلقیس کا دور آیا جو میری پھوپھی تھی یہ اس وقت تک اپنے قبیلے کی بادشاہ رہی جب ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب لے کر اس کے پاس آیا[*14]“۔

بنو حمیر کے یہودی حکمران اب مملکت حمیر پہ حکمران تھے۔ مانائیہ اور قتبان قبائل کے سب علاقے اب ان کی ریاست کا حصہ تھے ۔ اہل سبا یعنی بنو کہلان پہلے ہی بھولی بسری داستان بن چکے تھے۔ (E. Glaster) نے اٹھارہ بادشاہوں کے نام لکھے ہیں جو نبی حمیر پہ حکومت کرتے رہے۔ پھر ذونواس کے عہد میں مملکت حمیر کا زوال اس وقت شروع ہوا جب اس نے اپنی ریاست کے اُن لوگوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی جنھوں نے یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اس نے اہل نصاریٰ کو اجتماعی طور پہ قتل کرنا شروع کیا۔ اس نے بڑی بڑی خندقیں کھودیں اور ان میں آگ بھڑکا دی۔ تمام

عیسائیوں کو ان خندقوں کے کنارے لا بٹھایا اور وہ ہر عیسائی سے کہتا کہ یا تو وہ اپنے قدیمی مذہب یعنی یہودیت میں واپس آجائے ورنہ اس کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔مگر ایمان کا نشہ سب نشوں سے بڑھ کر چڑھتا ہے اس لیے نصاریٰ بے خوف وخطر آگ میں کودتے رہے مگر ان کو اپنے مذہب سے بے وفائی منظور نہ تھی۔ تاریخ اگرچہ اس طرح کی عزیمت کے واقعات سے بھری پڑی ہے مگر یہ واقعہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اہل حمیر کا بادشاہ ذونواس زچ ہو کر رہ گیا مگر کوئی ایک عیسائی بھی آگ کے اس عذاب کے آگے نہ جھکا اور اسے حسرت ہی رہی کہ کوئی تو اس کے عذاب سے ڈر کر اس کا مذہب اختیار کر لے۔مگر اہل نصاریٰ نے حق پرستی کی عجیب داستان رقم کی جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی (خندقوں والے) موجود ہے۔انھی مظلوم اہل نصاریٰ میں سے ایک شخص جانے کس طرح جان بچا کر قیصر روم کے دربار میں پہنچ گیا اور اس کے ہم مذہبوں پر یمن میں ہونے والے ہولناک مظالم کی داستان بیان کی۔ جسے سن کر قیصر کے آنسو نکل آئے۔اس نے فوراً ہی حبشہ کے حکمران کو یمن پر حملہ کرنے اور وہاں سے تمام عیسائیوں کو بازیاب کرانے کا حکم دے دیا۔حبشہ اس وقت سلطنت روم کا ایک صوبہ تھا جہاں نجاشی بادشاہ تھا۔نجاشی نے ارياط نامی شخص کی قیادت میں ایک لشکر جرار بنو حمیر کی ریاست یمن کی طرف روانہ کیا۔

ارياط کا نائب ابرہہ الاشرم تھا تاہم دونوں ایک دوسرے کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ ایک سازش کے ذریعے ابرہہ نے ارياط کو قتل کرا دیا اور فوج کی کمان خود سنبھال لی جسے نجاشی کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگئی۔انھوں نے یمن پر حملہ کیا اور مملکت حمیر کو مٹی میں ملا دیا اور یمن پر قبضہ کرلیا۔اس طرح ۵۳۴ء میں مملکت حمیر کی اس عظیم ریاست کا خاتمہ ہو گیا جنھوں نے چھ صدیوں سے زیادہ اس علاقے پر حکومت کی تھی۔ بعد میں پہلے رومی ان علاقوں پر قابض رہے پھر اہل فارس کے کسریٰ نے ان علاقوں کا کنٹرول سنبھالا۔اہل فارس کا آخری گورنر باذان تھا جس کے اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔یمن پر قبضے کے بعد ابرہہ الاشرم حبشہ کو واپس نہ گیا بلکہ اس نے صنعاء میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا جو اس کے خیال میں عربوں کے کعبۃ اللہ کا بدل ثابت ہو سکتا تھا۔اس نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ مکہ جانے کی بجائے اس گرجا میں رسوم حج ادا کیا کریں مگر اس کا خیال غلط ثابت ہوا اور اس کا گرجا ویران اور کعبہ کی رونقیں برقرار رہیں۔جس سے وہ جل کر رہ گیا اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ مکہ میں موجود

اللہ کے گھر کو مسمار کر دے گا۔اپنے اس ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ ایک لشکر جرار لے کر نکلا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔اللہ کے گھر کی حفاظت اللہ نے خود کی اور جب اس کا لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو وادیٔ محسر میں ابابیل کی ایک ٹکڑی نے اس لشکر پر کنکریوں کی بارش کر دی جس سے ابرہہ کا لشکر تباہ ہو کر رہ گیا۔خود ابرہہ بھی اذیت ناک موت مرا۔ابرہہ کے بعد اس کا بھائی مسروق اور پھر اس کا بیٹا یکسوم اہل یمن پہ حکومت کرتے رہے اور وہ ظالم بادشاہ تھے جنھوں نے اہل یمن پر ہر ستم روا رکھا جس کی فریاد لے کر ایک حمیری سردار سیف ذی یزن قیصر کے دربار میں پہنچا مگر قیصر نے اس کی درخواست حقارت سے رد کر دی۔

سیف ذی یزن حیرہ کے بادشاہ منذر کے پاس پہنچا جو کسی زمانے میں اس کا دوست رہا تھا۔حیرہ اہل فارس کی باجگذار ریاست تھی۔منذر نے سیف کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اسے کسریٰ کے دربار تک لے جائے گا۔چنانچہ سیف کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں پیش ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کی قوم کو حبشی قبیلوں کے ظلم و ستم سے نجات دلائے۔مگر کسریٰ نے اس معاملے میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی اور سیف سے کہا کہ وہ اپنی افواج کو دِقت میں نہیں ڈالنا چاہتا ویسے بھی تمھارا علاقہ بہت دور دراز ہے اور وہاں بھیڑ بکریوں کے سوا رکھا بھی کیا ہے۔اس نے منذر کی وجہ سے سیف کی عزت کی۔خلعت اور سونے کے سکوں سے نوازا جیسے کہ اس دور کے بادشاہوں کا دستور تھا۔سیف نے ان چیزوں میں دلچسپی نہ لی جس سے نوشیرواں حیران ہوا۔تو سیف نے پورے اعتماد سے کہا کہ وہ اس کی مدد حاصل کرنے آیا ہے اور تیرے سونے کی مجھے اس لیے ضرورت نہیں کہ میرے اپنے ملک میں سونے چاندی کے بے شمار پہاڑ موجود ہیں۔نوشیرواں یہ سن کر حیران رہ گیا اور اہل دربار کے مشورہ سے قیدیوں پر مشتمل ایک لشکر سیف ذی یزن کے حوالے کر دیا۔اس لشکر میں آٹھ ہزار خطرناک قیدی تھے جن کی قیادت واہرز نامی پیر فرطوت کر رہا تھا۔سیف ذی یزن اس لشکر کو لے کر اپنے ملک پہنچا اور حبشہ کے عیسائیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔اس نے حبشہ کے عیسائیوں کا قتل عام کیا۔واہرز نے کسریٰ کو اس فتح سے آگاہ کیا تو کسریٰ نے اس کو حکم دیا کہ وہ یمن کی حکومت سیف ذی یزن کے حوالے کر دے اور سیف ذی یزن سے جزیہ کی رقم طے کر لے۔اس طرح اہل حمیر جن کی عظمت کا ڈنکا کبھی چار دانگ عالم میں بجتا تھا آج اہل فارس کے باجگذار بن کے رہ گئے تھے۔یمن پر قبضے کے بعد سیف ذی یزن اور واہرز نے حبشیوں کا قتل عام کیا جس

کے بدلے میں حبشہ کے ایک حبشی نے موقع پا کر اپنی قوم کے قاتل سیف ذی یزن کو قتل کر دیا۔ جس سے حبشی واپس پلٹے اور بنی حمیر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے کسریٰ نے پھر سے ایک لشکر یمن کی طرف روانہ کیا جس نے واہرز کی مدد کی اور حبشیوں کو ایک اور شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ پسپا ہو کر اپنے علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔ قیصر اندرونی خلفشار کا شکار تھا اور قسطنطنیہ اس پوزیشن میں نہ تھا کہ اہل حبشہ کی مدد کو پہنچے۔ اس طرح سیف ذی یزن کی وفات پر بنی حمیر کا نام ونشان مٹ گیا۔

کسریٰ نے یمن کا تخت واہرز کے حوالے کر دیا جہاں وہ بہت سال حکومت کرتا رہا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا مرزبان حمیریوں کی اس قدیم ریاست کا حکمران بنا۔ مملکت بنی حمیر اب ایک ایرانی صوبہ تھا جس پہ ایرانی گورنر حکومت کرتا تھا۔ بنو حمیر کا وقت گزر چکا تھا اور اب وہ ایک محکوم قوم تھے۔ مرزبان کے پوتے خرخسرہ البنیجان نے یمن میں خود مختار حکومت قائم کرنا چاہی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور اسے کسریٰ سے معافی مانگنی پڑی۔ کسریٰ نے اسے معاف تو کر دیا مگر حکومت اس سے چھین کر اس کے بیٹے باذان کے حوالے کر دی جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا اور اس کی دعوت سے تمام اہل یمن مسلمان ہو گئے اور بنو حمیر کی وہ قدیم ریاست اب اسلامی ریاست کا حصہ تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

سلطنت حیرہ

عرب معاشرہ بادیہ نشین تھا۔ان میں بہت بڑی تعداد کا ذریعہ معاش راہزنی تھا۔وہ نہ صرف صحرائے عرب میں سے گزرنے والے قافلوں کو لوٹ لیتے بلکہ ان کی غارت گری کا دائرہ بڑھ کر روم او۲ ایران کی سرحدوں تک پھیل چکا تھا۔چنانچہ روم اور ایران کی تجارتی منڈیاں اور صحرائے عرب سے گزرتے ان کے تجارتی کارواں ہمہ وقت ان بادیہ نشینوں کی زد میں رہتے جس کی وجہ سے ایران وروم کے متمدن حکمران پریشان رہا کرتے۔جس کا حل انھوں نے یہ تجویز کیا کہ اپنے اپنے ملک سے ملحق عرب قبائل کو طاقتور بنایا جائے اوران کی آزاد سیاسی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو عرب بادیہ نشینوں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا جائے۔تاکہ ان کے مفادات کی حفاظت خود عرب ہی کرتے رہیں۔انھی میں سے ایک حیرہ کی ریاست تھی،مملکت حیرہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ کوفہ اور دریائے فرات سے ملحق علاقے مملکت حیرہ کا حصہ تھے۔مملکت حیرہ کی زمینیں انتہائی زرخیز تھیں اور سونا اگلا کرتیں۔جس کی وجہ سے ان کے عوام خوشحال اور حکمران آسودہ تھے۔مملکت حیرہ پہ آلِ منذر حکمران تھے جو کئی پشتوں تک حیرہ پر حکمرانی

کرتے چلے آئے تھے۔ مملکت حیرہ کی بنا تب پڑی جب سکندر اعظم کے ہاتھوں ایرانی ریاست ایک بری شکست سے دوچار ہوئی اور چھوٹے چھوٹے صوبوں میں منقسم ہو کے رہ گئی۔ تب اہل عرب کے بہت سے بادیہ نشین قبائل بھی ایران کی اس شکستہ ریاست کے مختلف علاقوں میں گھس گئے اور اپنی طاقت کو مجتمع کیا۔ اپنی آزاد اور خودمختار ریاست کی بنا رکھی۔

ان کے آباء وہ یمنی قبائل تھے جو سدِ مآرب کی تباہی کے بعد یمن اور حضر موت کے علاقوں میں آ کر بس گئے تھے۔ تاہم یمن کی بڑھتی آبادی اور کم ہوتے وسائل کی وجہ سے یہ قحطانی قبائل اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ پھر ان کے مختلف قبائل کے درمیان حکمرانی کے جھگڑے بھی تھے۔ اس لیے جب ۳۳۳ق م میں ایران کے ساسانی حکمران دارا اول کو سکندر رومی نے بدترین شکست سے دوچار کیا اور ایران کی متمدن ریاست منہ کے بل آ پڑی تو اس کا فائدہ ان قحطانی قبائل نے اٹھایا اور وہ جوق در جوق دجلہ اور فرات کی زرخیز زمینوں پر آباد ہونے لگے۔ سکندر نے مملکت ایران کو بہت سے چھوٹے چھوٹے صوبوں تقسیم کر دیا اور ان پہ اپنے حکمران مقرر دیئے۔ جس سے وہ دو فائدے حاصل کرنا چاہتا تھا ایک تو یہ کہ اہل ایران کی طاقت اب کبھی جمع نہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ خود ہی آپس میں برسر پیکار رہیں اور ان کی قوت زائل ہوتی رہے۔

سکندر اعظم اپنے مستقر مقدونیہ سے ہندوستان فتح کرنے کا عزم لے کر نکلا تھا اور اس کی مہیب قوت کے آگے وقت کی کوئی ریاست نہ ٹھہر سکی۔ حتیٰ کہ اس نے ہندوستان کو بھی تقریباً فتح کر ہی لیا تھا کہ اجل نے اس کا راستہ کاٹا اور وہ ہندوستان سے واپسی پر جوانی میں ہی انتقال کر گیا۔ سکندر کی موت سے اس کے مہیب لشکروں میں افراتفری اور انارکی پھیل گئی اور یونانی جرنیلوں کے درمیان اقتدار کی باہمی کشمکش کی وجہ سے سکندر رومی کی قوت کا رعب لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔ اس کے مفتوحہ علاقے طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے۔ خود ایران کی حالت بھی بہت ابتر تھی جس نیا یک خلا کو جنم دیا۔ جس کا فائدہ علاقے کے نو آباد کار قحطانی قبائل کو پہنچا اور اُن کو اِن علاقوں میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کا وقت مل گیا۔ جب تک ساسانی حکمرانوں کو اپنی تعمیر نو کا خیال آتا اس وقت تک ایران کی سرحدوں پر کئی عرب سرداریاں قائم اور مستحکم ہو چکیں تھیں جن میں سب سے نمایاں اور طاقتور حکمران مالک بن فہم تھا جس نے حیرہ نامی ریاست کی بنا رکھی اور عرب قبائل پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ اہل ایران کو سکندر کی وفات کے بعد بھی سنبھلنے میں دس

سال کا عرصہ لگ گیا اور ساسانی خاندان کے جدِ اعلیٰ اردشیر بابک کی تخت نشینی تک اہل یران طواف الملوکی اور انتشار کا شکار رہے۔ اردشیر نے اپنی مملکت کے منتشر اجزا کو یکجا کیا اور ایران کے علاقوں میں دور تک پھیلی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کا خاتمہ کر کے ایران کی سالمیت اور وحدت کو بحال کیا۔ اردشیر اہل ایران کا نہایت زیرک اور دانش مند حکمران تھا۔

اردشیر نے اندرونی استحکام حاصل کیا اور خطے میں اہل ایران کی سیاسی اور عسکری قوت کو بحال کرنے کے بعد ان عرب نو آبادکاروں پہ توجہ کی جو اس کے علاقے میں اپنی آزاد ریاستیں قائم کیے بیٹھے تھے۔ اس نے ایک لشکر منظّم کیا اور کئی عرب سرداروں کو ان کے علاقوں سے بے دخل کر دیا۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ اس کے اصل مقابل حیرہ اور انبار کے حکمران ہیں۔ چنانچہ اس نے حیرہ اور انبار پر حملہ کر دیا مگر عرب سرداروں کی روائتی جانبازی کی وجہ سے اہل ایران فتح کا منہ دیکھنے سے قاصر رہے اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ اردشیر نے اپنی زندگی میں کئی مہمیں ان عرب سرداروں کے خلاف بھیجیں مگر اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی حتیٰ کہ وہ انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا شاہ پور اول تختِ ایران پر بیٹھا، شاہ پور اول نے ان عرب سرداروں پر ایک بہت بڑا حملہ کیا اور انھیں دھکیلتا ہوا دور تک لے گیا مگر اس کو بھی خاطر خواہ کامیابی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اس لیے کہ آخر کار اسے عرب سرداروں کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنا پڑا جہاں عرب سرداروں کے آزادانہ حق حکمرانی کو تسلیم کیا گیا اور ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے عرب سردار یعنی اہل حیرہ اور ایرانی باہمی موافقت سے اپنے اپنے علاقوں پر حکومت کرتے رہیں گے۔ اہل حیرہ رومیوں اور عرب بادیہ نشینوں کے مخالف ایران کے مفادات کا تحفظ کریں گے اور معمولی جزیہ ادا کریں گے۔ دراصل شاہ پور کے مشیر شہنشاہ ایران کو اس بات پہ راضی کرنے میں کامیاب رہے تھے کہ ان عربوں سے قوت آزمائی کے دوران ضائع ہونے والی قوت کو اپنے روایتی دشمن روم کے خلاف استعمال کیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ ان سرحدی علاقوں کی فتح سے بھی اہل ایران کو کوئی خاطر خواہ فوائد حاصل نہ ہوتے تھے۔ اس کے برعکس اگر اہل عرب جزیہ اور دیگر شرائط صلح پر آمادہ ہو جائیں تو اس معاہدے میں فتح سے بھی زیادہ فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ شاہ پور اول کے اہل دربار اور مشیران کی دانش تھی کہ انھوں نے عرب قبائل کو خود عرب بادیہ نشینوں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ اس لیے کہ اہل حیرہ کے حکمران آلِ منذر کو عرب اپنا بھائی مانتے تھے اور

ان کے کہنے سننے پر اہل ایران کے تجارتی قافلے عرب بادیہ نشینوں کی دست برد سے بچے رہتے۔ وہ دور دراز تک کا سفر بخیر و خوبی طے کرتے۔ دوسری طرف رومی افواج کے مقابلے میں بھی وہ ایرانیوں کے ہم رقاب ہوتے اور اہل فارس کو رومیوں کے مقابلے میں عرب صحراؤں کے جنگجو دستیاب ہو جاتے جو رومیوں کی راہ میں سدِ سکندری بن کے کھڑے رہتے۔ اہل ایران ان کی شجاعت اور جنگی مہارت کے قائل تھے۔ اہل عرب ہمیشہ حالت جنگ میں رہا کرتے چاہے وہ کسی بڑے مقصد کے لیے بپا ہو یا محض پانی کے کسی ایک چشمے ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ وہ سخت جفاکش سادہ مزاج اور عہد کو پورا کرنے والے لوگ تھے۔ اس لیے ایرانی ان پر مکمل اعتماد کرتے اور ان کی حکومت کئی صدیوں تک قائم رہی۔ چنانچہ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے تک حیرہ کی یہ ریاست اپنے داخلی استقلال کے ساتھ قائم تھی اور اہل فارس کے مفادات کا تحفظ کرتی رہی۔

تیسری صدی عیسوی میں جب حیرہ کی ریاست قائم ہوئی تو مالک بن فہر اس کا حکمران تھا۔ مالک بن فہر کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام رقاش کا تھا۔ رقاش کا خاوند بنی لخم کا عدی نامی ایک شخص تھا جس کا بیٹا عمرو جب حیرہ کے تخت پر بیٹھا تو حیرہ کی بادشاہت کو لخمی خاندان کی بادشاہت کہا جانے لگا۔ عمرو بن عدی حیرہ کا چوتھا حکمران تھا۔ اس سے قبل مالک بن فہم کا بھائی عمرو اور اس کا بیٹا جزیمہ بھی حیرہ کے حاکم رہ چکے تھے۔ سب سے پہلے عمرو بن عدی نے حیرہ کے شہر کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ تاہم علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حیرہ کی مملکت کے ان علاقوں میں عرب قدیم زمانوں سے رہتے چلے آئے ہیں اور سب سے پہلے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے کچھ عرب قبائل کو ان علاقوں میں آباد کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ تبائع اور دیگر ریاستوں کے ساتھ اس کی جنگیں جاری رہتی تھیں اور وہ ان عرب قبائل کو اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا کرتا

عرب مورخ علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب ''جزیرۃ العرب'' میں بیان کیا ہے کہ:

> ''تبع اپنی دوسری یورش کے لیے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ عربوں کا ایک قبیلہ دوس بھی تھا جس کا سربراہ فہم بن مالک بن غنم بن دوس تھا۔ جب وہ حیرہ کے مقام تک پہنچا تو اس نے مالک بن فہم کو وہاں ساز و سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔ مالک بن فہم کے ساتھ تقریباً بارہ ہزار

لوگ تھے جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔مالک نے صدا لگائی" تَحَيَّرُوا هٰذَا الْمَوضِعَ " یعنی اسی جگہ پہ جمع ہو جاؤ۔لہٰذا اس مقام کا نام حیرہ پڑ گیا۔تبع کو شکست ہوئی تو مالک بن فہم وہیں بس گیا وہ حیرہ کا پہلا حکمران تھا اور ملوک حیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ان کی بادشاہی حیرہ، ابنار، حیت اور اس کے نواح عین التمر ،قطقانہ اور حیفہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس مقام پر حیرہ آباد تھا وہ بہت پاکیزہ جگہ تھی۔یہاں کی ہوا لطیف اور پانی نہایت ہلکا تھا۔مٹی نہایت میٹھی اور فضا نہایت صاف تھی۔حیرہ کا علاقہ کھیتوں باغوں اور بڑی بڑی منڈیوں سے ملا ہوا تھا اس لیے کہ یہ شہر صحرا کی بیرونی جانب ایسے مقام پر واقع تھا جہاں سمندری جہاز چین اور ہندوستان سے آ کر لنگر انداز ہوتے تھے کوفے کا شہر بھی اس کے قریب ہی واقعہ تھا ۔"[*15]

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بعض دیگر مورخین کہتے ہیں کہ حیرہ صحرا کے کنارے عراق کی سرسبز و شاداب زمین پہ آباد تھا۔جب تبع یمن سے خراسان کی طرف روانہ ہوا تو وہ رات کے وقت حیرہ کے مقام پر پہنچا جس کے حسن اور شادابی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا جس کی وجہ سے اس علاقے کا نام حیرہ پڑ گیا۔اس نے یہیں قیام کیا اور علاقے کی تعمیر و ترقی کا حکم دیا۔پھر یہی علاقہ نعمان بن منذر کی اولاد سے تعلق رکھنے والے لخمی بادشاہوں کا صدر مقام بن گیا۔یہیں منذر بن امراؤالقیس نے عیسائی مذہب اختیار کیا اور یہاں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کیا۔جس کے ساتھ ہی اپنی رہائش کے لیے عالی شان محل تعمیر کیا جس کا نام" زوراء "رکھا۔نابغہ کے اس شعر میں اسی محل کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَتُسقٰی اِذَا مَا شِیئتَ غَیْرًا مُصرَدًّ
بِزَوْرَاءَ فِیْ اَکنَافِهَا المِسْکُ کَارِعٗ

"تجھے زوراء کے مقام پر جب بھی تو چاہے سیر ہو کر شراب پلائی جائے گی اور زوراء کے اطراف میں تو کستوری پیئے گا(گویا فضاء اتنی معطر ہے)"۔

انبار بھی سلطنت حیرہ کے عروج پہ گواہ ہے جو ریاست کا ایک اور اہم شہر تھا یہ شہر کبھی دریائے فرات کے مشرقی کنارے پہ آباد تھا اور بغداد کے قریب ہی تھا۔ اگرچہ بغداد کو اس کے بہت بعد بسایا گیا۔ مورخین نے اس شہر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہو لکھا ہے کہ شاہ ایران یہاں غلے کے انبار جمع کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اس کا نام انبار پڑ گیا۔ اسلامی فوجوں کی فتح کے بعد یہاں اہل علم کی ایک جماعت پیدا ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جب کوفہ شہر آباد کیا تو یہاں کے لوگ کوفہ منتقل ہو گئے جس کی وجہ سے یہ علاقہ ویران ہو گیا۔ جس کی شان و شوکت کے قصے کل تک عربوں کی زبان پر موجود تھے کہ اس علاقے میں عربوں کے تعمیر کردہ عظیم الشان محل موجود تھے۔ جن میں سے ایک کا نام خورنق تھا اور یہ کوفے کی بیرونی جانب حیرہ میں واقعہ تھا۔ یہ محل اپنی عظمت اور خوبصورتی کے حوالے سے مورخین کے ہاں زندہ رہا۔ خورنق نامی یہ محل حیرہ کے لخمی بادشاہوں کی عظمت پہ دلیل پیش کرتا ہے جسے بادشاہ نعمان اکبر بن امرؤالقیس اللخمی کے حکم سے بیس سال کی مدت میں تعمیر کیا گیا۔ خورنق کو سنمار نامی معمار نے تعمیر کیا جو اپنے فن میں یکتا تھا۔ سنمار جب محل کی تعمیر سے فارغ ہوا تو امرؤالقیس نے اسے محل کی چوٹی سے نیچے پھینکنے کا حکم دے دیا تا کہ وہ کسی اور کے لیے ایسا شاہکار تعمیر نہ کر سکے۔ عربوں نے اس واقعے کو ضرب المثل بنا دیا کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ برا سلوک کرتا تو کہا جاتا کہ " جزاء جزاءَ سِنّمار " یعنی اس کو تو وہی بدلہ دیا گیا جو سنمار کو ملا تھا۔ جاہلی ادب میں شعرا نے اس واقعے کو یاد رکھا اور اس پہ طویل قصیدے لکھے امرؤالقیس کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

جَزَانِی جَزَاہُ اللّٰہُ شَرَّ جَزَائِہٖ
جَزَاءَ سِنِمَّارٍ وَمَا کَانَ ذَا ذَنْبٍ

"خدا اسے بری جزا دے کہ اس نے مجھے سنمار سی جزا دی حالانکہ میں بے گناہ تھا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سِوَی رَصِّہِ الْبُنْیَانَ عِشْرِیْنَ حِجَّۃً
یُعَلِّیْ عَلَیْہِ بِالْقَرَامِیْدِ وَالسَّکْبِ

"اس کا صرف یہی گناہ تھا کہ وہ بیس سال تک اس عمارت کے پتھر کے ساتھ پتھر ملا کر رکھتا

رہااور اینٹیں اور تانبالے کر اوپر جاتا رہا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

فَلَمَّا رَأَى البُنيَانَ تَمَّ سُحُوقُهُ
وآضَ كَمِثْلِ الطَّوْدِ وَالْبَاذِخِ الصَّعْبُ

جب اس نے دیکھا کہ عمارت اپنی مکمل بلندی کو پہنچ چکی ہے اور یہ عمارت ایک عظیم اور بلند و دشوار گذار پہاڑ کی طرح ہو گئی ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

وَظَنَّ سِنِمَّارٌ بِهِ كُلَّ حُسْبُوَةٍ
وَفَازَلَدَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ والقُربُ

"اور اس وقت سنمار کو خیال آیا کہ اس کے بدلے اسے ہر طرح کے عطیے ملیں گے اور وہ بادشاہ کی دوستی اور قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

رَمٰى بِسِنِمَّارٍ عَلَى أُمِّ رَاسِهِ
وذَاكَ لَعَمْرُو اللّٰهِ مِنْ اَعْظَمِ الخَطْبُ

"مگر بادشاہ نے سنمار کو سر کے بل پھینک دیا اور خدا کی قسم یہ تو بہت ہی برا کام تھا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

جَزَى بَنُوهُ اَبَا الغِيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ
وَحُسْنِ فِعلٍ كَمَا يُجْزٰى سِنِمَّار

" اورالغیلان کو بڑھاپے میں اس کے بیٹوں نے اس کے حسن فعل کے عوض وہ جزادی جو سنمار کودی گئی تھی [16*] "۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

یہ روایت بھی کی جاتی ہے کہ سنمار کے قتل کی وجہ کوئی اور تھی۔ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سنمار نے بادشاہ کو کہا تھا کہ اگر اسے یقین ہوتا کہ بادشاہ اسے پورا عوضانہ دے گا تو وہ ایسا محل تعمیر کرتا جو ستاروں کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا جس پہ بادشاہ اس سے ناراض ہوگیا اور اسے محل کی چوٹی سے نیچے پھینکنے کا حکم دے دیا۔ خورنق کے محل کا قصہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب "**الاغانی**" میں تفصیلاً مذکور ہے۔وہیں حمیری بادشاہ سلیط بن نعمان کے حالات بھی مندرج ہیں۔بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ بادشاہ تیس سال تک حکومت کر چکا تو ایک روز جب وہ اپنے محل میں بیٹھا ہوا تھا تو اس نے اپنے محل اپنے خزانوں مال و دولت اولاد اور سلطنت کا تصور کیا تو ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر چہ وہ آج ان سب نعمتوں سے سرفراز ہے مگر کب تک آخر کل ان سب پہ کوئی اور قابض ہوگا اور اس کا وجود مٹی ہو جائے گا۔اس خیال نے اسے اتنا پریشان کیا کہ سوچتے سوچتے رات ہوگئی اس نے اپنے دربانوں کو دروازوں سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور کچھ دیر بعد ایک پھٹا پرانا کمبل اوڑھ کر محل سے نکل گیا اور پھر اس کا کوئی پتا نہ چل سکا کہ وہ کدھر گیا کہ اس کے بعد اسے کسی نے نہ دیکھا۔سلیط بن نعمان کے غائب ہو جانے کے بعد اس کے دوست عدی بن زید نے ایک مرثیہ لکھا جس کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

تَدَ بَّرا رَبُّ الْخَو رْنَقِ اِذْ
اَشْرَفَ یُوْمًا وَّ لِلْھُدٰی تَفْکِیرْ

"اور خورنق کے مالک نے ایک روز دائیں بائیں پھیلی ہوئی اپنی مملکت پر نظر ڈالی پھر اس میں غور و فکر کیا۔اور غور و فکر ہی میں ہدایت ہوا کرتی ہے وہ خوش تھا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

سَرَّهٗ حَالُهٗ وَكَثْرَةُ مَا
يَمْلِكُ وَالْبَحْرُ مَعْرِضًا وَّ سَدِيْر

اور مال کی کثرت نے اسے مسرور کر رکھا تھا۔ درآں حال سمندر اور سدیر اس کے سامنے تھا پس وہ چونک اٹھا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

فَارْعَوَى قَلْبُهٗ وَقَالَ وَ مَا
غِبْطَةُ حَيٍّ إِلَى الْمَمَاتِ يَصِيْرُ

"اور اس نے سوچا اس کو خوش ہونے کا کیا حق ہے۔ جس کا انجام موت ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ثُمَّ بَعْدَ الْفَلَاحِ وَالْمُلْكِ وَ
الْأُمَّةِ وَارَتْهُمْ هُنَاكَ الْقُبُوْرُ

"پھر کامیابی بادشاہی اور نعمتوں کے طویل دور کے بعد قبروں نے ان کو اپنی آغوش میں چھپا لیا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ثُمَّ اضْحَوْا كَاَنَّهُمْ وَرَقٌ
جَفَّ فَاَلْوَتْ بِهَا الصَّبَا وَالدَّبُوْرُ

" پھر وہ خشک پتوں کی طرح ہو گئے جنھیں صبح اور شام کی ہوئیں اڑاتی پھرتی ہیں"۔[17*]

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

خورنق کے علاوہ حمیری بادشاہوں نے اور بھی بہت سے محل تعمیر کرائے جن میں ایک سدیر تھا۔ جسے نعمان اکبرالحمیر ی نے تعمیر کرایا تھا۔ پھر ایک قلعہ صنبر ہے جسے امرؤالقیس بن نعمان نے تعمیر کرایا تھا۔ عرب شعرا نے جاہلی ادب میں اہلِ حمیر کے ان محلات اور دیگر عمارتوں کا ذکر بڑے شوق سے کیا ہے۔ اسود بن یعفر کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

اَهَلُ الخَورَنَقِ وَالسدِيْرِ وَ بَارِقٍ
وَالقصْرِ ذِی الْشُرُفَاتِ مِنْ سِنْدَاد
''یہ لوگ خورنق، سدیر، بارق اور سنداد میں کنگروں والے محل میں رہنے والے تھے''۔

وَلَقَد شَرِبْتَ مِنَ الْمُدَا
مَةِ بِالصَّغِيرِو بِالكَبِيرَا
''میں نے چھوٹے کے ساتھ بھی شراب پی اور بڑے کے ساتھ بھی''۔

وَاِذَا سَكِرتُ فَا نَّنِی
رَبُّ الخُورنَقَ وَالسَّدِيْرِ
''جب میں مست ہو جاتا ہوں تو میں خورنق اور سدیر کا مالک نعمان ہوتا ہوں''۔

وَاِذَا صَحَوتُ فَاِنَّنِی

رَبَّ الشُّمَوِیهَۃِ والبَعِیر

مگر جب میں ہوش میں آتا ہوں تو میں پھر وہی چند بکریوں اور اونٹوں کا مالک رہ جاتا ہوں

۔"[*18]

چنانچہ لخمی حکمران حیرہ کے ان علاقوں پر صدیوں تک متصرف رہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل فارس کے ساتھ ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔اگرچہ لخمی بادشاہ اہل فارس کے باجگذار تھے مگر اس کے باوجود وہ ان سے برابری کی سطح پر ہی بات کرتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ایرانیوں کے بہت سے مفادات ان کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہیں۔اہل حمیر بہت جنگجو اور مشکل پسند قوم تھی اس لیے کہ چار صدیوں کے دوران کئی دفعہ حکومت ان کے ہاتھ سے نکلی مگر انھوں نے ہر بار جدو جہد اور کوشش سے اسے دوبارہ حاصل کرلیا۔عمرو بن عدی جب حیرہ کے تخت پر بیٹھا تو وہ کم عمر تھا اس لیے نظم مملکت کو درست طور پہ نہ چلا سکا۔چنانچہ ان کے روایتی دشمن عراقی اعمالیق ان پر چڑھ دوڑے اور حکومت ان سے چھین لی۔اوس بن کلام نے حیرہ کی بادشاہت سنبھالی تو اہل فارس نے بھی اسے سند عطا کردی کیونکہ وہ خود اہل عرب کے آپس کے جھگڑوں سے دور رہتے تھے اور ان کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ حیرہ کے علاقوں پر لخمی حکومت کرتے ہیں یا عراقی اعمالیق۔ان کی خواہش بس اتنی تھی کہ ان علاقوں میں جو بھی حکومت کرے ان کے مفادات کی حفاظت کرے۔تاہم لخمی خاندان نے عراقی اعمالیق کو زیادہ دیر تک ان علاقوں میں اپنے پاؤں نہ جمانے دیئے۔آخر امرؤالقیس ثانی نے عراقی اعمالیق سے تخت حیرہ دوبارہ چھین لیا۔اس کے بعد نعمان نے حیرہ کا تخت سنبھالا جس نے تیس سال سے زیادہ حکومت کی پھر ایک روز اپنے تخت وتاج چھوڑ کر ویرانوں کی طرف نکل گیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔نعمان کے بعد اس کا بیٹا منذر حیرہ کا بادشاہ ہوا،منذر بن نعمان کے عہد حکومت میں اہل فارس کے بادشاہ یزدگرد نے اپنے بیٹے بہرام کو اعلیٰ تربیت کے لیے نعمان کے حوالے کیا تاکہ اس میں صحرائی عقاب اور لومڑی کی صفات پیدا ہوسکیں۔جو بعد میں اس کو حکومت کرنے میں مدد کریں۔

چنانچہ بہرام صحرائے عرب کی وسعتوں میں پروان چڑھنے لگا اور جلد ہی اس نے وہ تمام خصائص حاصل کر لئے جن کی نسبت عرب صحراؤں کے ماحول سے وابستہ تھی بہرام اتنا تیز طرار بچہ ثابت ہوا کہ اسے دیکھ کر حیرہ کے حکمران ششدر رہ جاتے۔ چنانچہ علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبریؒ اپنی تاریخ ''الامم والملوک'' میں بہرام کے متعلق لکھتے ہیں:

''تب منذر بہرام کو اپنے علاقے میں لے گیا اور اس کی رضاعت کے لیے عرب کی دو عورتوں کا انتخاب کیا جن کا نسب اعلیٰ اور خاندان عظمت والا تھا، جو ذہین تھیں اور اچھے آداب کے مالک اشراف کی لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک عورت کا تعلق عرب سے تھا تو دوسری کا تعلق عجم سے تا کہ ان کے دودھ کی تاثیر سے بہرام کی شخصیت کو ہمہ جہت بنایا جاسکے۔ اور وہ ایک ہی وقت میں عرب و عجم کی خصوصیات کا حامل ہو۔ عرب و عجم کی ان اعلیٰ کردار عورتوں نے بہرام کو تین سال تک اپنا دودھ پلایا۔ بہرام جب پانچ سال کا ہوا تو ایک دن اس نے حیرہ کے شاہ منذر کو کہا کہ وہ اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔ بہرام نے کہا کہ وہ گھڑ سواری تیر اندازی اور دوسرے علوم وفنون سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے جس کے لیے جلد ہی اساتذہ کا بندوبست کیا جائے۔ منذر نے اسے پیار سے اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تم ابھی بچے ہو میں تمھاری طرف سے غافل نہیں ہوں مگر ابھی چند سال تم اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیلو کودو جب تمھاری عمر ان فنون کو حاصل کرنے کی حد پہ پہنچے گی تو میں اس کا بندوبست کردوں گا۔ مگر بہرام کے جواب نے حیرہ کے بادشاہ کو نہ صرف ششدر کردیا بلکہ لاجواب بھی کردیا۔ بہرام نے منذر کو جواب دیا کہ اگرچہ میں چھوٹا ہوں لیکن مجھ میں عقل بہت ہے اور اگرچہ تم مجھ سے بہت بڑے ہو مگر تمھاری عقل بچوں کی سی ہے اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو وقت پہ حاصل کرنا شروع کروہ وقت پہ مل جاتی ہے اور جسے وقت پہ تلاش نہ کیا جائے وہ وقت گزرنے کے بعد ہی ہاتھ آتی ہے اور جس چیز کی طلب میں سستی کی جائے وہ کبھی بھی حاصل نہیں ہوتی میں شاہ فارس کا بیٹا ہوں اور فارس کی حکومت میرا انتظار کر رہی ہے میرے پاس بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے وقت نہیں ہے کیونکہ میں نے اونٹ نہیں

چرانے بلکہ حکومت کرنی ہے اور بادشاہت کے لیے جو چیز سب سے پہلے حاصل کی جاتی ہے وہ ہے اچھا علم کیونکہ اچھا علم ہی ان کی زینت ہوا کرتا ہے جس سے وہ قوت حاصل کرتے ہیں ۔لہٰذا جن افراد کا میں نے تم سے مطالبہ کیا ہے ان کو جلد از جلد مجھ تک پہنچاؤ۔ چنانچہ منذر نے عرب و فارس سے اہل فن کو بہرام کے گرد اکھٹا کر دیا۔ اگلے پانچ سال میں بہرام ہر فن میں اپنے اساتذہ کے معیار کو نگل گیا جس کا اعتراف خود اس کے اساتذہ نے کیا اور اس کو مزید تعلیم دینے سے انکاری ہو گئے ۔ بارہ سال کی عمر میں بہرام تمام مروجہ فنون حاصل کر چکا تھا بہرام نے نعمان بن منذر اور اپنے دیگر اساتذہ کو انعام و اکرام سے نوازا اور ان سے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت مانگی البتہ اس نے گھڑ سواری اور تیر اندازی کے ماہرین کو اپنے پاس ہی رکھا تا کہ ان فنون کی سب باریکیوں تک رسائی حاصل کرے۔ ایک دن بہرام نے نعمان بن منذر کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ اہل عرب کو حکم دے کہ وہ اس کے سامنے اپنے مونث اور مذکر گھوڑوں کو لے کر حاضر ہوں۔ چنانچہ نعمان نے بہرام کے حکم کی تعمیل کی اور اہل عرب اپنے گھوڑے لے کر پہنچ گئے۔ منذر کو معلوم ہوا کہ بہرام اپنے لیے گھوڑا پسند کرنا چاہتا ہے تو منذر نے بہرام سے کہا کہ وہ ان گھوڑوں کو بغور دیکھ کر پسند کر لے مگر عربوں کو گھوڑے دوڑانے پر مجبور نہ کرے کہ وہ اس فن میں یکتا ہیں اور کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہرام نے جواب دیا کہ بات تو آپ کی اچھی ہے مگر میں تم لوگوں سے زیادہ عزت و شرف والا آدمی ہوں اس لیے میرا گھوڑا بھی سب سے عمدہ ہونا چاہیے اور گھوڑے کی عمدگی کا پتا تجربے سے چلتا ہے اور تجربہ گھوڑا دوڑانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اس لیے آپ کی رائے پر عمل کرنا دشوار ہے۔ تب نعمان نے بہرام کی بات مان لی اور عربوں نے گھوڑے حاضر کر دیئے۔ نعمان اور بہرام نے بہترین گھوڑوں کا چناؤ کیا اور ان کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دیر مسابقت جاری رہی مگر جلد ہی نعمان نے بہرام پہ برتری حاصل کر لی جب وہ واپس آئے تو بہرام نے تسلیم کیا کہ واقعی گھڑ سواری میں عربوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ منذر نے اس کی بات سنی اور مسکرا دیا پھر بہرام کے ہاتھ اس گھوڑے کی بھاگ تھما دی جس پہ وہ خود سوار تھا اور جس کا رنگ بھورا تھا اور جو عرب کا بہترین

گھوڑا تھا۔ بہرام نے منذر کا یہ تحفہ خوشی سے قبول کیا۔ نعمان نے کہا اللہ آپ کے لیے اس میں برکت دے۔ بہرام یہ تحفہ وصول کر کے بہت خوش ہوا[19*]''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

منذر کے عہد میں جب یزدگرد نے انتقال کیا تو یزدگرد کا ولی عہد اور اس کا بڑا بیٹا بہرام ابھی حیرہ ہی میں تھا کہ ایران میں امراء کے ایک سازشی ٹولے نے بہرام کی بجائے اس کے چھوٹے بھائی خسرو کو اہل فارس کا بادشاہ بنالیا۔ تب بہرام نے منذر کو کہا کہ عربوں کو اکٹھا کرے جب عرب قبائل کے سربراہ اکٹھا ہو گئے تو بہرام نے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میرا والد انتقال کر چکا اور تخت فارس سازشیوں کے قبضے میں ہے تم لوگوں کو میرے بارے میں سوچنا چاہیے۔ تب منذر نے اسے عرب قبائل کی حمایت کا یقین دلا یا اور بہرام عرب قبائل کو لے کر ایران پر چڑھ دوڑا اور وہ اپنا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بہرام گور نے چونکہ عربوں کے ہاں پرورش پائی تھی اس لیے اس کے اندر عربوں کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ جب تک بہرام گور ایران کا بادشاہ رہا ایران کے دربار اور حکومت میں اہل حیرہ کو بہت عزت و وقار حاصل رہا۔ بہرام منذر کو اپنے تخت پر دائیں ہاتھ بٹھایا کرتا اور وہ اہم قومی معاملات میں نعمان بن منذر سے مشاورت کیا کرتا۔ نعمان بن منذر کے بعد اس کا بیٹا اسود اہل حیرہ کا بادشاہ بنا اس نے غسانیوں سے کئی لڑائیاں کیں جو اہل روم کے حمایتی عرب قبائل پر مشتمل تھا۔

اسود نے حیرہ کی ریاست کو شام کی وادیوں تک وسعت عطا کی پھر منذر ثانی نے تخت حیرہ سنبھالا۔ پھر علقمہ اس کے بعد نعمان اول اور اس کے بعد امراؤالقیس ثالث حیرہ کے بادشاہ بنتے رہے۔ امراؤالقیس ثالث کے بیٹے منذر نے کافی شہرت حاصل کی اس لیے کہ وہ ایک دانشور بادشاہ تھا۔ اسی دوران تخت فارس کے حصول کی خواہش میں اہل ایران کے ہاں بھی ایک کشمکش جاری رہی اور سیاسی حوالوں سے تبدیلیوں کا عمل جاری رہا جس کا یقینی اثر حیرہ کی ریاست پر بھی پڑا۔ اس لیے کہ جب شہنشاہ ایران قباذ نے ایک نیا مذہب مزدکیت قبول کر لیا تو اس نے اہل حیرہ پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ بھی اس کی پیروی میں اپنا مذہب تبدیل کر لیں مگر اہل حیرہ نے ایران کے بادشاہ کی اس خواہش کو حقارت سے رد کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ایرانی افواج نے حیرہ پر چڑھائی کر دی اور اہل حیرہ سے تخت حیرہ چھین کر منذر ثالث کو اقتدار سے الگ کر

دیا اور حارث بن کندی کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا جو نہ صرف قباذ کا ہمنشین تھا بلکہ اس نے قباذ کے مذہب مزدکیت کو بھی قبول کر لیا تھا۔ چونکہ مزدکیت ایک برا مذہب تھا بلکہ ایک شخص کے شیطانی ذہن کی کارستانی تھی جس کا نام مزدک تھا اس لیے جلد ہی ایران میں اس کے خلاف ایک عوامی لہر اٹھی جس کی رو میں مزدک کے ساتھ ساتھ قباذ کا تخت و تاج بھی جاتے رہے۔ مزدکیوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا گیا اور قباذ کو قید کر کے اس کے بیٹے نوشیرواں کو ایران کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ایران کے موبذان جو اِن کے مذہبی سربراہ تھے بہت طاقتور تھے۔ مزدکیوں کے مقابل اٹھنے والی تحریک کی پشت پر موبذانِ موبد ہی تھے اور انھوں نے ہی نوشیرواں کو تخت ایران سونپا جس نے مزدکیت کو خلاف قانون قرار دیا اور اس شیطانی مذہب کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔

نوشیرواں ایران کا انتہائی مقبول بادشاہ ثابت ہوا اسے عوام کی مکمل حمایت حاصل تھی اس نے ایرانی عوام کے لیے بہت سی اصلاحات کا اجراء کیا۔ اس نے ملک میں نظام عدل پر خصوصی توجہ دی اور یہی وجہ تھی تاریخ کے صفحات میں اسے نوشیرواں عادل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ اہل حیرہ کی وفا سے بھی پوری طرح واقف تھا اس لیے جلد ہی قباذ کے مقرر کردہ حیرہ کے حکمرانوں سے حیرہ کی حکومت چھین کر پھر سے منذر ثالث کے حوالے کر دی اور حیرہ کا وہ بادشاہ حارث بن کندی جس کو قباذ نے مقرر کیا تھا اور جو مزدکی تھا عرب کے اندرونی صحراؤں کی طرف بھاگ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ نوشیرواں کی فوجوں کے ہاتھ لگ گیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ صحرائے عرب کے ایک مشہور قبیلے بنو کلب میں پہنچا اور اس سے پناہ طلب کی جو عرب روایت کے مطابق اسے حاصل ہو گئی۔ حیرہ کی حکومت اب پھر سے لخمی خاندان کو منتقل ہو گئی تھی جس کو حیرہ کے لوگ بطور حکمران پسند کرتے تھے۔

منذر ثالث اہل حیرہ کا بہت لائق حکمران تھا اسی لیے اندرون عرب کے بہت سے قبائل نے جو غسانیوں اور حبشہ کے حملوں کی وجہ سے پریشان رہتے تھے منذر ثالث کو اپنا مشترکہ بادشاہ چن لیا۔ چنانچہ اندرون عرب کے بہت سے علاقے بھی حیرہ کی ریاست میں شامل ہو گئے اس طرح ایرانی حکمرانوں کا اثر و رسوخ یمن اور جزیرہ عرب کے اندر بسنے والے بادیہ نشینوں تک بھی پھیل گیا۔ اس دوران اہل حیرہ ایرانیوں کے ساتھ ہونے والی رومی جنگوں میں ہمیشہ ایران کے ہم رقاب رہے۔ منذر ثالث کے عہد حکومت کو اہل حیرہ کا سنہری دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ منذر ثالث اور ایرانی شہنشاہ نوشیرواں عادل کے درمیان گہرے

تعلقات پائے جاتے تھے۔اگر چہ رومیوں نے سرتوڑ کوششیں کی تھیں کہ کسی بھی قیمت پر اہل حیرہ کی وفاداریاں خرید سکیں مگر عربوں میں ایسے دھوکے کا تصور تک موجود نہ تھا۔اس لیے رومیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور حیرہ کے بادشاہ ان کے کسی لالچ میں نہ آئے۔

منذر ثالث کے بعد حیرہ کا نظم ونسق منذر چہارم نے سنبھالا مگر وہ جلد ہی غسانیوں کے ساتھ ایک جنگ میں مارا گیا جس کے بعد نعمان ابوقابوس نے حیرہ کا تخت وتاج سنبھالا۔اس کے دور میں بہت سے رومی قیدی جو عیسائی تھے ان کی حراست میں آئے۔رومی چونکہ عیسائی تھے اس لیے وہ جہاں جاتے اپنے دین کی تبلیغ شروع کر دیتے کسی طرح ان کی رسائی نعمان کی ملکہ ہند تک ہوگئی جو ان کی تبلیغ سے متاثر ہوگئی اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ابوقابوس کو اگر چہ حیرہ کا کامیاب بادشاہ قرار دیا جاتا ہے مگر اس کی بیوی کے دین بدلنے اور عیسائیت قبول کرنے سے وہ ایرانی حکمرانوں کی نظر میں مشکوک ہو چکا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ خود بادشاہ نے بھی عیسائیت قبول کرلی ہے اس لیے کہ اس کی بیوی نے عیسائیوں کے لیے خانقائیں اور گرجے تعمیر کرائے جس میں حیرہ کے بادشاہ نے ذرا بھی مداخلت نہ کی۔آخر ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے حیرہ کے حکمران کو ایران طلب کرلیا۔

تاہم نعمان کو شہنشاہ کے ارادے کا علم تھا اس لیے اس نے اپنے اہل وعیال اور خزائن کو ساتھ لیا اور چپکے سے ریگستانوں کی طرف نکل گیا۔اس نے بنوشیبان کے سردار ہانی بن مسعود سے پناہ حاصل کی اور اپنے بیوی بچوں کو اس عرب سردار کے حوالے کر کے خود شاہ ایران نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوا جس نے اسے قید کر دیا اور اسی قید کے دوران اس کا انتقال ہوا۔خسرو پرویز نے ایاس طائی کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا تاہم ابھی اس کے انتقام کی آگ نہ بجھی تھی اس لیے اس نے فوج کا ایک دستہ صحرائے عرب کی طرف روانہ کیا جس نے بنوشیبان کا محاصرہ کرلیا اور مطالبہ کیا کہ وہ نعمان کے اہل وعیال اور خزانے ان کے حوالے کر دیں۔بنوشیبان کے سردار ہانی بن مسعود نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور ان سے مشورہ کیا جنھوں نے پورے عزم سے اپنے سردار کو حکم مقرر کیا۔تب ہانی بن مسعود نے ایرانی فوج کے سپہ سالار کو کہا کہ میں عرب روایت کے مطابق اپنا سر تو تمھارے حوالے کرسکتا ہوں مگر جن کو میں پناہ دے چکا ہوں ان کو کسی قیمت پر تمھارے حوالے نہیں کرسکتا۔ہانی کے قبیلے کے جنگجو افراد لڑائی کے لیے تیار ہو کے نکلے ایرانی فوج نے ان پر حملہ کر دیا۔مگر قبیلے کے وقار اور اپنی روایات کے تحفظ کی خاطر عرب بادیہ نشینوں کا یہ قبیلہ اس بے جگری

سے لڑا کہ ایرانی فوج اپنے بہت سے مقتول میدان میں چھوڑ کر فرار ہوگئی۔ ایرانی شہنشاہ نے اس بات کا غصہ حیرہ کے حکمرانوں پر نکالا اور ان سے حکومت چھین کر ۶۱۴ء کو حیرہ کے علاقوں کو ایران کا ایک صوبہ قرار دے دیا۔ جس کی وجہ سے عرب قبائل میں بددلی پھیل گئی اور وہ یمنی قبائل جنھوں نے حیرہ کے بادشاہ کو اپنا بادشاہ بنایا تھا حیرہ سے الگ ہو گئے اور لڑ بھڑ کر ایرانی تسلط سے بھی نجات حاصل کر لی۔ تاہم اس دوران لخمی خاندان نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور جونہی حالات ان کے موافق ہوئے انھوں نے پھر سے حیرہ پہ قبضہ کر لیا اور ۶۳۲ء میں ایک بار پھر سے حیرہ میں لخمی خاندان کا ایک فرزند منذر بن معرور حکمران ہوا مگر ابھی اس کو حکومت کرتے ہوئے آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ ان کے دروازوں پہ اسلامی فوجوں نے دستک دی اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ نے منذر بن معمور کو شکست دے کر حیرہ کو اسلامی عہدِ حکومت میں داخل کر دیا[20*]۔

ملوکِ غسان

جس طرح ایران کے سرحدی علاقے عرب بادیہ نشینوں کی غارت گری کی زد میں رہتے تھے اسطرح روم کے سرحدی علاقے اور تجارتی کاروان بھی ان سے محفوظ نہ تھے۔رومی افواج کے لیے دور دراز کی صحرائی وسعتوں تک ان کا پیچھا کرنا ممکن نہ تھا اس لیے انھوں نے بھی اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی طریقے کار اختیار کیا جس کو اہل فارس نے اپنایا تھا۔رومی حکمرانوں کی خواہش تھی کہ عرب کے سرحدی علاقوں میں وہ حیرہ جیسی کوئی عرب سرداری قائم کریں جو ان کے مفادات کا تحفظ کرے۔چنانچہ اس ضمن میں ان کی نظر بنو غسان پر ٹھہر گئی اور انھوں نے آلِ غسان کو ان تمام علاقوں میں بسے عرب قبائل کا سربراہ تسلیم کر لیا۔انھیں مراعات دیں اور ان کے ساتھ معاہدے کیے۔اگر چہ مورخین کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان عرب قبائل اور رومی حکمرانوں کا اتحاد کب عمل میں آیا۔تاہم اتنا ضرور معلوم ہو سکا ہے کہ رومیوں اور عربوں کے درمیان ہونے والے اس معاہدے میں طے پایا کہ اگر بنو غسان پر عربوں کی طرف سے حملہ ہو گا تو رومی افواج اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کے لشکر سے ان کا دفاع کریں

گے۔دوسری طرف جب رومی افواج اہل فارس کے مد مقابل ہوں گی تو آلِ غسان بیس ہزار عرب شہسواروں کے ساتھ ان کے ہم رقاب ہوں گے۔غسانیوں کی یہ حکومت صحرائے شام کی دوسری طرف تھی اور صحرا کے ساتھ ساتھ آباد علاقوں سے ہوتی ہوئی ارضِ فلسطین تک جا پہنچی تھی۔شام اور فلسطین اگرچہ رومی حکمرانوں کے زیر حکومت تھے مگر ان سے ملحق علاقوں میں آلِ غسان رومی مملکت کے حلیف مانے جاتے تھے اور تمام علاقوں میں پھیلے عرب قبائل پر حکومت کرتے تھے۔

رومی حکام ان کو مالی امداد کے ساتھ ساتھ ان کی عسکری امداد بھی کرتے تھے جس کے عوض آلِ غسان کے ذمہ بھی اسی قسم کے فرائض تھے جیسا کہ حیرہ کے عرب حکمران ادا کرتے چلے آئے تھے۔یعنی ریگزارِ عرب کے درمیان بسنے والے دور دراز کے عرب قبائل کی غارت گری سے رومی علاقوں کو محفوظ رکھنا۔ان کو رومی مملکت کی حدود میں داخل ہونے اور لوٹ مار کرنے سے روکنا۔اس کے علاوہ عرب قبائل یعنی حیرہ اور ایران کے سرحدی حکمرانوں کی جاسوسی بھی ان کے فرائض میں شامل تھی۔وہ ان پہ گہری نظر رکھتے اور ان کی نقل وحرکت کی ہر اطلاع رومی حکمرانوں تک پہنچاتے۔جنگ کی صورت میں عملی طور پہ رومی افواج کی مدد بھی ان کے فرائض میں شامل تھی۔رومی حکمران ان عرب سرداروں کے ساتھ معاہدے سے سراسر فائدے میں تھے کیونکہ ایک طرف تو عرب بادیہ نشینوں کی غارت گری سے ان کی جان چھوٹ گئی تھی تو دوسری طرف رومیوں کو ان سرحدوں پر اپنی باقاعدہ فوج رکھنے کی ضرورت نہ تھی اور یہ عرب قبائل ہی ان کے ہر طرح کے مفادات کا تحفظ کر رہے تھے۔

اگرچہ اس سے قبل رومی حکمرانوں نے عرب کے ان وسیع ریگزاروں پہ اپنا تسلط قائم کرنے کی درجنوں کوششیں کی تھیں مگر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا اس لیے انھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ وہ ان عرب قبائل سے معاہدہ کرلیں۔مورخین نے اس بات کو بھی واضح نہیں کیا کہ یہ عرب قبائل کب سے ان علاقوں میں آباد چلے آرہے تھے،اور کب اور کیسے ان قبائل نے شام کے صحراؤں میں اپنا اپنا حلقہ اثر قائم کیا۔تاہم مولانا صفی الرحمان مبارک پوری نے ان قبائل کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شام کی سرحد پر قائم ہونے والی اس عرب مملکت کا معروف بادشاہ زیاد بن ہویلہ تھا جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ بنوضجعم سے تعلق رکھتا تھا۔سکندر رومی نے جب ایران کے دارا اول کو شکست دی اور تقریباً دس سال بعد جب ایرانی اپنے

استحکام کی طرف دوبارہ لوٹے تو ان کے علاقوں میں کئی عرب سرداریاں قائم ہوچکیں تھیں۔ بعد میں اردشیر بابک اور اس کی موت پر اس کے بیٹے شاہ پور اول نے حیرہ اور دیگر عرب ریاستوں پر یلغار کی تو جن عرب قبائل نے ایرانیوں کے باجگذار بننا پسند نہ کیا انھوں نے شام کے ان علاقوں کا رخ کیا اور رفتہ رفتہ اپنی قوت کو مستحکم کیا۔ چونکہ کہ اہل روم خود اہل فارس سے الجھے ہوئے تھے اس لیے ان کی توجہ ان سرحدی علاقوں کی طرف کم ہی تھی جس کی وجہ سے بنی قضاعہ کو ان علاقوں میں اپنے قدم جمانے کا وقت مل گیا اور انھوں نے عرب قبائل پر اپنا اثر ورسوخ بڑھادیا۔ تاہم یہ تو ان دنوں کی بات ہے جب انھوں نے باقاعدہ طور وہاں اپنی مستحکم حکومت قائم کرلی تھی۔ اس سے قبل کے تاریخی حقائق پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی عرب، یمن اور حضر موت کے عربوں کے یونانیوں اور رومیوں کے ساتھ قدیم زمانوں سے تجارتی تعلقات موجود تھے اور پڑا سے لے کر ایلہ تک عرب تاجروں کی اجارہ داری موجود تھی۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ جنوبی عرب کے تجارت اور زراعت پیشہ عرب بہت پہلے سے ان علاقوں میں آباد تھے۔ اگرچہ بعد میں انھوں نے قوت حاصل کرلی جن میں بنوقضاعہ خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

تاہم ان عرب قبائل کو ان علاقوں میں تقویت اس وقت حاصل ہوئی جب حیرہ سے آنے والے عرب قبائل بھی ان کے ہمنشیں ہوگئے اور یہاں عرب شاہسواروں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ بنوضجعم دوسری صدی عیسوی تک ان علاقوں میں حکومت کرتے رہے۔ پھر ان علاقوں میں یمنی قبائل یعنی بنوکہلان کو اکثریت حاصل ہوگئی تو انھوں نے بنوضجعم سے حکومت چھین لی اور شام کے ان ساحلی علاقوں میں اس بڑی تبدیلی کو اہل روم نے بھی قبول کرلیا اور بنوکہلان کو سند حکومت عطا کردی۔ اس لیے کہ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ ان علاقوں پہ عربوں کا کون سا قبیلہ اپنا حق حکمرانی ثابت کرتا ہے بلکہ ان کو صرف اس بات سے دلچسپی تھی کہ بہتر طریقے سے ان کے مفادات کا تحفظ کون کرتا ہے۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ ان علاقوں میں عربوں کا وہی قبیلہ حکمران ہوگا جو باقی قبائل سے قوت میں مستحکم ہوگا اور ان کے مفادات کا بہتر تحفظ بھی وہی کرسکے گا جو خود طاقتور ہوگا۔ اس لیے اہل روم عربوں کے آپس کے جھگڑوں سے عموماً خود کو دور ہی رکھا کرتے شاید اسی لیے تاریخ میں کسی ایسے بڑے معرکے کا سراغ نہیں ملتا جس میں رومیوں نے جدوجہد سے اپنے ان علاقوں کو عربوں سے پاک کرنے کی کوشش کی ہو جیسا کہ ایرانیوں کا انداز تھا۔
اگرچہ حیرہ کے عرب قبائل ایران کے پوری طرح وفادار تھے جب کہ دوسری طرف آلِ غسان اور رومی

حکمرانوں کے درمیان ایک بہت بڑا دور چپقلش کا بھی گزرا ہے اور گاہے بگاہے رومی ان عرب قبائل پہ غداری اور اپنے فرائض سے کوتاہی کا الزام عائد کرتے رہے ہیں۔ بنوغسان بھی بارہا ان سے بغاوت کی راہ پہ چلے۔ آلِ غسان سے بنی جنفہ کے امیر حارث بن جبلہ نے کافی شہرت حاصل کی وہ رومی شہنشاہ جسٹین کا ہم زمانہ تھا۔ شہنشاہ جسٹین نے ہی اول اول حارث بن جبلہ کو ملک یعنی بادشاہ کا خطاب عطا کیا اور اسے بلادِ شام میں بسنے والے تمام عرب قبائل کا فرمانروا مقرر کیا۔ جس سے رومی دو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے ایک تو یہ کہ وہ حیرہ کے عربوں کے مقابل ایک طاقتور عرب حکمران کو علاقے میں پروان چڑھتا دیکھنا چاہتے تھے جو حیرہ سے جنگ کرے اور ایران کو صدمہ پہنچائے یا قوت وسطوت میں کم از کم حیرہ کے لخمی حکمرانوں کا مقابلہ کرسکے۔ دوسرے وہ ان عرب بدوؤں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے جو آئے روز ان کے سرحدی علاقوں پر یلغار کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ اس سے قبل رومیوں نے عربوں کو کبھی بھی درخورِ اعتناء نہ جانا تھا اور نہ ہی کسی عرب کو عزت وجاہ کا کوئی مقام عطا کیا تھا۔ چنانچہ رومیوں کا یہ خواب اس وقت پورا ہوا جب ۵۴۱ء میں حیرہ کے عرب قبائل اور شام کے غسانیوں کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ بلادِ شام کے عربوں کے مابین اس دس سالہ جنگ میں آخری فتح غسانیوں کو حاصل ہوئی اس جنگ کو مورخین نے جنگِ قنسرین کے نام سے یاد رکھا جس میں جبلہ بن حارث غسانی کو فتح حاصل ہوئی اور حیرہ کا بادشاہ منذر قتل کردیا گیا۔ مورخین نے تیس غسانی بادشاہوں کے نام گنوائے ہیں مگر ان کی تفصیلات بہت کم لکھی ہیں۔

مغربی مورخین نے بھی شام کی سرحد پر آباد عربوں اور رومی مملکت کے درمیان تعلقات پہ بہت ہی کم لکھا ہے۔ تاہم ۳۶۳ء میں برپا ہونے والے روم اور ایران کے مابین معرکے کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں جن کے مطابق رومی شہنشاہ جولین نے ایران کے خلاف چڑھائی کی تو اس کے لشکروں میں اہل غسان کے علاوہ دیگر عرب اتحادیوں کے لشکر بھی شامل تھے۔ اگرچہ جولین کی یہ مہم ایک بڑی ناکامی کا شکار ہوئی اور اہل فارس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مغربی مورخ (Foster) لکھتا ہے کہ اس مہم میں ناکامی کے بعد پسپائی کے لمحات میں رومی افواج کا سب سے بڑا دردِسر وہ عرب قبائل تھے جو بڑھ بڑھ کر ان پر حملے کر رہے تھے۔ یعنی بنوحیرہ کے لخمی قبائل جو ایران کے حلیف تھے۔ تاہم ۵۷۰ء میں جب حارث بن جبلہ مرگیا تو آلِ غسان اور رومی حکمرانوں کے درمیان اعتماد کی فضا قائم نہ ہوسکی اور دونوں فریق

ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔عرب قبائل کی ان علاقوں میں بسنے والی بیشتر آبادی نے رومیوں کا مذہب یعنی عیسایت قبول کرلیا تھا اس لیے وہ خود کو اہل روم ہی خیال کرتے تھے۔چنانچہ حارث بن جبلہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے منذر نے روم کے خلاف بغاوت کردی اور تمام مشرقی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ابتداء میں رومیوں نے طاقت کی زبان استعمال کرنے کی پالیسی اپنائی اور صحرائے شام کے ان علاقوں پر فوج کشی کردی مگر حیرہ کے عرب قبائل بھی روم کی اس اندرونی بے چینی پر نظریں گڑائے بیٹھے تھے اس لیے انھوں نے روم اور آلِ غسان کے مابین اس شورش کو موقع غنیمت جانا اور جنگ میں کود پڑے۔انھوں نے رومیوں کو کئی ایک محاذوں پر شکست سے دوچار کیا تو رومی حکمران آلِ غسان سے پھر مذاکرات کی راہ پر آگئے۔

بنوغسان چونکہ عیسائی مذہب کے پیرو تھے اس لیے ان کا روم سے اولین مطالبہ یہ تھا کہ ان کے لیے عرب نسل کے راہب کو بشپ بنایا جائے۔دیگر کئی شرائط بھی جنگ بندی کے معاہدے میں شامل تھیں جنھیں رومی حکام کو چاہے نہ چاہے قبول کرنا پڑا۔اس طرح ایک بار پھر بنوغسان اور رومی حکمرانوں میں اعتماد کی فضا بحال ہوئی۔حارث بن جبلہ کے کئی بیٹے یکے بعد دیگرے آلِ غسان کی سربراہی پہ فائز رہے اور اپنی قوم کے استحکام کی جانب رواں رہے۔تاہم حارث چہارم کے دورِ حکومت نے ان علاقوں پہ اپنے گہرے نقش ثبت کیے۔وہ آلِ غسان پر چالیس سال تک حکمران رہا اور اس کا دورِ حکومت ۵۲۹ء سے لے کر ۵۶۹ء تک رہا۔حارث کے باپ نے حیرہ کے بادشاہ منذر کو قتل کردیا تھا۔حیرہ کے حکمران اپنے اس ادھار کو کبھی نہ بھولے تھے۔چنانچہ روم اور ایران کے مابین لڑی جانے والی ایک جنگ میں اہلِ حیرہ نے حارث کے ایک بیٹے کو اغوا کرلیا وہ اسے حیرہ لے گئے اور اس کو اپنے بڑے بت خانہ کے سب سے محترم بت عزیٰ پہ قربان کردیا اور اس کا سر حارث کو تحفے کے طور پر بھیج دیا اور ساتھ ہی اسے یاد دلایا کہ اب تک کا ہمارا حساب برابر ہوا آئندہ کی پھر دیکھیں گے۔اسی جنگ سے واپسی پر اہل روم اور بنوجفنہ کے مابین تعلقات ایک بار پھر سے کشیدہ ہوگئے رومیوں کا خیال تھا کہ اہل ایران کے ہاتھوں اس شکست میں آلِ غسان کے عرب قبائل بھی دخیل رہے اور اندرون خانہ وہ ایرانیوں سے ملے ہوئے ہیں۔حارث کے بعد اس کا بیٹا منذر آلِ غسان کا حکمران ہوا منذر کے چار بیٹے تھے۔منذر کو رومی افواج نے گرفتار کرلیا اور صقیلہ لے جا کر قتل کردیا جس کا منذر کے بیٹوں کو شدید دکھ تھا۔چنانچہ انھوں نے روم سے ہونے والے معاہدے کا

انکار کیا اور بغاوت کی راہ اختیار کی۔ رومی افواج کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے پریشان ہو کر وہ عرب کے ریگ زاروں میں چھپ گئے اور اپنی قوت کو مستحکم کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے اپنے بڑے بھائی نعمان کی قیادت میں روم کے سرحدی علاقوں پہ شب خون مارنا شروع کر دیا۔ پھر کسی معرکے میں نعمان رومیوں کے ہتھے چڑھ گیا اور انھوں نے اسے قسطنطنیہ لے جا کر قتل کر دیا۔ مگر اس سے عربوں کی اس بغاوت میں کوئی فرق نہ پڑا جوان کی سرحدوں پہ کسی آگ کی طرح بتدریج پھیل رہی تھی اور رومی حکمرانوں کو پریشان کر رہی تھی۔ شام کے ان علاقوں سے متصل عرب قبائل بھی رومیوں کی اطاعت سے باہر آ گئے تھے اور منذر کے بیٹوں کے ساتھ مل کر رومی سرحدوں پر غارت گری شروع کر رکھی تھی۔

چنانچہ ۶۱۳ء میں ہونے والی روم ایران جنگ میں اگرچہ آلِ غسان اپنے علاقوں کے دفاع میں تو ضرور اہل فارس کے مقابلے پر نکلے مگر رومی حکام کے ساتھ ان کا رویہ سرد مہری کا ہی تھا۔ چونکہ اس علاقے کے بہت سے عرب قبائل عیسائیت قبول کر چکے تھے اور سلطنت روم ہی اس وقت عیسایت کا واحد گڑھ تھی اس لیے جب عرب میں اسلام کا نور پھیلا اور دور تک پھیلتا چلا گیا تو آلِ غسان کی نظریں ایک بار پھر قسطنطنیہ کی جانب اٹھیں اور وہ ان سے مدد کے خواہاں تھے۔ مگر اب ان کے لیے وقت بہت کم تھا کہ اسلامی لشکروں کی رفتار کسی آندھی سے بھی تیز تھی۔ چنانچہ جلد ہی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے ان کے دروازوں پہ دستک دی۔ دراصل غسانی قبائل اور اسلامی افواج کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا اس لیے کہ مسلمانوں کی اصل جنگ اہل روم کے ساتھ تھی۔ چنانچہ ۱۳ھ کو یرموک کے میدان میں ہونے والے معرکے نے سلطنت روم کے منطقی انجام کی طرف اشارہ کر دیا تو اہل غسان کس کھیت کی مولی تھے۔ چنانچہ آلِ غسان نے اپنے سردار جبلہ بن ایہم سمیت اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ آلِ غسان کا سردار بعد میں مرتد ہو گیا مگر آلِ غسان کے بہت سے جواں مرد اسلام کی روشنی پھیلانے والے ان قافلوں کے ہمراہ ہو گئے جو دنیا میں خیر کی تقسیم پر معمور کیے گئے، جو اجالوں کے امین تھے، جو سچائی کے شیدائی تھے، جو حق کے پیامبر تھے، جو رضائے الٰہی کے سفیر تھے۔ اللہ ان کو شاندار جزا عطا فرمائے [21*]۔

آلِ کندہ

ہم اہل عرب کے اس دور کے سیاسی حالات کا جائزہ لے رہے ہیں جب مکہ میں اسلام کی آواز بلند ہونی شروع ہوئی اور عرب کی سیاسی، اخلاقی، معاشی، عقائدی اور جغرافیائی حالات پہ طاری صدیوں کا جمود ٹوٹنا شروع ہوا۔ تب ان کا بوسیدہ سماجی نظام ان کی خوبیوں کو کسی گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ اہل عرب اپنی قوت کو اپنے اندرونی خلفشاروں میں ہی ضائع کر رہے تھے اور بہت سے عرب قبائل ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے۔ اگرچہ تب بھی وہ بلند اخلاقی محاسن سے مزین تھے اور ان کے ہاں عہد کی پاسداری، مہمان کی دلنوازی، سخاوت اور شجاعت، عفو و درگزر، باہمی مفاخرت، حافظہ اور شعر و ادب، بزرگوں کی تعظیم، روایات کی پاسداری، جنگی برتری، شمشیرزنی، گھڑسواری، قبیلہ کی عصمت، لسانی برتری، جفاکشی اور رحم دلی جیسے بلند اخلاقی اوصاف موجود تھے۔ اگر کوئی کمی تھی تو وہ سیاسی منظر پہ تھی کہ عرب کبھی کسی ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کی طاقت کا شیرازہ ہمیشہ منقسم رہا۔ اس لیے کہ اگر حیرہ کے طاقتور حکمران ایران کی حمایت کا دم بھرتے تھے تو آلِ غسان جو خود بھی کافی طاقتور تھے اور اہل روم کی

پاسداری کا دم بھرتے تھے۔اسی طرح آلِ کندہ بھی تبع کے حکمرانوں کے حلیف خیال کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ عرب میں وہ خود بھی ممتاز اہمیت کے حامل تھے۔آلِ کندہ کی تاریخ کے بارے میں اگرچہ مورخین کے ہاں زیادہ تذکرہ نہیں ملتا تاہم پھر بھی اتنا ضرور معلوم ہے کہ آلِ کندہ ایک قحطانی قبیلہ تھا۔پچھلے زمانے میں ثور نامی ایک شخص کو آلِ کندہ کا آباء بتایا جاتا ہے۔جس کا لقب کندہ تھا جو عرب کے علاقہ حجاز میں آکر آباد ہوئے اور یہیں پھلے پھولے۔پھر جلد ہی انھوں نے اہل عرب میں اپنی بستیوں اور کثیر آبادی کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل کرلیا۔عرب چونکہ ایک جنگجو قوم تھی اس لیے جس قبیلے میں بھی تلوار اٹھانے والے مردوں کی خاطر خواہ تعداد موجود ہو اس کا رعب اردگرد کے قبائل پہ قائم ہوجاتا ہے۔آلِ کندہ کی ریاست رقبے کے لحاظ سے اگرچہ ایک چھوٹی ریاست تھی مگر انھوں نے اپنے جنگجو شاہسواروں کی بدولت علاقے میں اپنا اثر ورسوخ قائم کررکھا تھا۔آلِ کندہ کی بادشاہت حیرہ کے عرب حکمرانوں سے ملحق علاقہ نجد میں قائم تھی۔

اگرچہ ابتداء میں کندہ حضر موت کے قریب یمن کے پہاڑوں کے دامن میں تھے جہاں سے ایک شدید جنگ کے بعد انھیں ہجرت کرنا پڑی تھی۔یعقوبی نے اپنی تاریخ میں حضر موت کی اس جنگ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔یمن سے ہجرت کے بعد انھوں نے حجاز کے معد بن عدنان سے پناہ طلب کی جو عرب روایت کے مطابق انھیں مل گئی۔وہ حجاز اور اس سے ملحق علاقوں میں رہنے لگے۔یاد رہے کہ معد بن عدنان مکہ کے مشہور خاندان قریش کے جداعلیٰ تھے اور نبی اکرم ﷺ کے آباء میں سے تھے۔حیرہ کے لخمی خاندان سے آلِ کندہ کی چپقلش چلی آرہی تھی۔چنانچہ حیرہ کے حکمرانوں کے باہمی انتشار کے دور میں آلِ کندہ نے علاقے میں اپنے قدم مضبوطی سے جمالیے۔اگرچہ اس سے قبل بھی ملحق عرب قبائل پہ وہ بغیر کسی لقب کے حکومت کرتے چلے آئے تھے۔تاہم آلِ کندہ کا پہلا باقاعدہ بادشاہ حجر تھا جس نے بکر بن وائل کے علاقوں سے لخمی اقتدار کا خاتمہ کیا اور اپنی سلطنت کو وسعت عطا کی۔مورخین نے حجر کے دورِ اقتدار کی بہت سی خصوصیات کا ذکر کیا ہے اس نے ملک میں نظام عدل کو مستحکم کیا اپنی عسکری قوت کو منظم کیا، اپنے حلیف قبائل کو تقویت پہنچائی۔وہ جابروں کے مقابلے میں کمزوروں کو پناہ دیا کرتے اور کسی کے آگے سر نہ جھکایا کرتے، وہ خود بھی بڑے جنگجو تھے اور ان کے حلیف قبائل بھی ان کے ہم رقاب رہتے جس کی وجہ سے ان کا دبدبہ پورے علاقے میں موجود تھا۔اگرچہ وہ شام میں تبع کے حکمرانوں کے حلیف تصور کیے جاتے تھے

مگر حیرہ اور غسان کی طرح ان کے باجگذار نہ تھے بلکہ ان کے تعلق برابری کی سطح پر قائم تھے۔آلِ کندہ کی اصل حکمرانی مکہ اور بصرہ کی درمیانی وادئ رمہّ کے علاقے میں تھی۔اگرچہ بعد میں انھوں نے بہت سے عرب قبائل کو زیرنگیں کیا اور اپنی حکومت کی سرحدوں کو لخمی خاندان کی حکومت حیرہ تک وسعت دے دی۔ حجر کی وفات کے بعد اس کے بیٹا عمرو آلِ کندہ کا سربراہ بنا۔تاہم اصل شہرت اس کے پوتے حارث الحرب کو حاصل ہوئی جس نے ایران کے بادشاہ قباذ کی پشت پناہی کی بنا پر حیرہ کی حکومت لخمی خاندان سے چھین لی اور پورے حیرہ پر قابض ہوگیا۔ایرانی شہنشاہ قباذ نے ایک نیا مذہب مزدکیت قبول کرلیا تھا جس کی پیروی میں کندہ کے حارث الحرب نے بھی مزدکیت قبول کرلی۔مگر حیرہ کے بادشاہ منذر نے چونکہ ایرانی شہنشاہ کے اس مطالبے کو رد کردیا تھا اس لیے شاہ ایران نے منذر کو معزول کر کے اہل حیرہ پہ کندہ خاندان کے حارث الحرب کو بادشاہ مقرر کردیا تھا جس کو اہل حیرہ کی خوشنودی حاصل نہ تھی۔خود ایران میں مزدکیت کے خلاف ایک بڑی تحریک نے جنم لیا اور ایران کے مذہبی حلقوں موبذان موبد نے عوام کو مزدکیت کے خلاف منظّم کیا اور ایک بڑی تحریک کے ذریعے شہنشاہ ایران قباذ کو تخت سے اتار کر اس کے بیٹے نوشیرواں کو ایران کا بادشاہ بنادیا جو مزدکیت کا سخت مخالف تھا۔

چنانچہ حیرہ کے کندہ بادشاہ حارث الحرب کو بھی حیرہ کا تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ شہنشاہ ایران کی فوجوں کے قبضے میں آگیا تو وہ اسے قتل کردیں گے اس لیے کہ وہ ہر مزدکی کو قتل کرتے پھر رہے تھے۔اس طرح حیرہ کی حکومت ایک بار پھر لخمی خاندان کے منذر کو منتقل ہوگئی جو شہنشاہ ایران نوشیرواں کا قریبی دوست تھا۔حارث الحرب صحرائے عرب کے اندرونی علاقوں کی طرف بھاگ گیا اور قبیلہ بنوکلب کے ہاں پناہ حاصل کرلی اپنے عروج کے دنوں میں حارث الحرب نے اپنے بیٹوں کو مختلف عرب قبائل کے علاقوں میں حاکم مقرر کررکھا تھا۔جن میں بنوبکر،تمیم،قیس،تغلب اور اسد کے عرب قبیلے شامل تھے۔اگرچہ آلِ کندہ کو شہنشاہ ایران قباذ کی معزولی کے بعد حیرہ کے علاقوں سے نکلنا پڑا تاہم ان کی آبائی ریاست کندہ ابھی قائم تھی جہاں کچھ ہی عرصہ بعد انھوں نے رومی حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل کر لی اور خود کو مستحکم کرلیا۔رومیوں کے ساتھ آلِ کندہ نے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے جنھوں نے آلِ کندہ کے حکمرانوں کو ”فلارک“ کا خطاب عطا کیا تھا جو کہ عرب میں ایک منفرد بات تھی۔تاہم ۵۲۸ء میں حارث الحرب انتقال کرگیا اور آلِ کندہ کی ریاست اپنے زوال کی جانب گامزن ہوئی کیونکہ اس کے بیٹوں

میں اقتدار کے حصول کے لیے خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔المنذر جس کا تعلق حیرہ کے لخمی خاندان سے تھا اور جواب پھر سے حیرہ کا حکمران تھا نے حارث کے ایک بیٹے کو اپنی مدد کا یقین دلایا اور اس طرح کندہ کی ریاست میں بھڑکتی اقتدار کی جنگ کو ہوادی۔حارث کے دو بیٹے شرجیل اور سلمہ کے درمیان جنگ شدت اختیار کرگئی تھی دونوں بھائی عرب قبائل سے ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کررہے تھے۔ انھوں نے بہت سے عرب قبائل کی حمایت حاصل کرلی تھی اس طرح عرب میں ایک بڑی جنگ بپا ہوئی میدان ۶۱۲ء کو سجا اور بڑے پیانے پر ہونے والی قتل و غارت گری کے باوجود اس جنگ کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کہ آلِ کندہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔حارث الحرب کا بڑا بیٹا شرجیل میدان جنگ میں مارا گیا اس کا ایک اور بیٹا حجر جو قبیلہ بنی اسد کا حاکم تھا وہ ابھی اس جنگ میں کام آیا اس کا تیسرا بیٹا عرب کا مشہور شاعر امراؤالقیس تھا جس نے سرتوڑ کوششوں سے اپنی ریاست کو بحال کرنے کی کوشش جس میں اسے جزوی کامیابی بھی حاصل ہوئی اور وہ بنو اسد پہ غالب بھی آ گیا مگر اس دوران ان کے روایتی دشمن لخمی حکمران بھی آلِ کندہ کی باہمی شورش پہ نظریں جمائے بیٹھے تھے اس لیے منذر بن نعمان نے جلد ہی آلِ کندہ پر حملہ کردیا اور امراؤالقیس کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

جنوبی عرب میں کندہ خاندان کا تبع کے حکمرانوں سے تقریباً وہی تعلق تھا جو حیرہ کے لخمی قبائل کا اہل فارس کے ساتھ اور شام کے غسانی قبائل کا بازنطینیوں کے ساتھ تھا۔مگر جزیرہ نما عرب میں آلِ کندہ وہ واحد قبیلہ تھا جنھیں ملک کا لقب ملا جو عموماً ان عرب قبائل کے لیے مخصوص تھا جو غیر ممالک کے حلیف تھے۔مشہور عرب شاعر امراؤالقیس کا تعلق آلِ کندہ ہی کے ساتھ تھا۔وہ حارث الحرب کا سب سے چھوٹا اور سب سے محبوب بیٹا تھا جس کی پرورش نہایت ہی ناز و نعم میں ہوئی تھی۔اپنی ریاست کی بحالی کی ناکام کوششوں کے بعد جب وہ صحرائے عرب کی وسعتوں میں ان وقتوں کی یاد میں شعر کہا کرتا جب وہ شہزادہ تھا تو بہت سی آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے۔امراؤالقیس بلاشبہ عرب کا بہت بڑا شاعر تھا۔جاہلی ادب پہ لکھی گئی کتابوں میں اس کے قصائد عرب فصاحت اور بلاغت کے نمونے کے طور پہ پیش کیے جاتے ہیں،۔ابتدائے اسلام میں کئی کندی نمایاں ہوئے جن میں الاشعث بن قیس بہت نمایاں تھا۔کندہ کا عروج کئی لحاظ سے دلچسپ تھا کہ سیاسی طور پہ شمالی عرب میں انھوں نے مشترکہ سرداری کی بنا ڈالی اور ثقافتی لحاظ سے کندہ نے قبائلی لہجوں میں لسانی وحدت اور ثقافت کے ارتقاء کو مہمیز عطا کی۔تاہم خاص نجد اور حجاز میں صورت حال کافی

مختلف تھی اس لیے کہ اس خطے کی اکثر آبادی بدوی قبائل پہ مشتمل تھی اور حجاز کسی حد تک اپنی مرکزی حیثیت مآرب اور غزہ کے درمیان بڑے کاروانی راستے پر واقعہ ہونے کی وجہ سے مذہبی اور تجارتی سرگرمیوں کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔کعبہ کی مرکزیت اور عکاظ جیسے بڑے تجارتی میلے نے مکہ کو اہل عرب میں ہمیشہ سے ممتاز مقام عطا کر رکھا تھا۔پھر قریش کی فعال اور متحرک انتظامیہ نے کعبۃ اللہ کو عربوں کے لیے جائے مقدس بنا رکھا تھا اور ہر عرب کی خواہش ہوتی کہ حضرت ابراہیم کے تعمیر کردہ اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے جائے۔یثرب کی ایک اور اہم آبادی بھی اسی عظیم کاروانِ شاہراہ پر واقعہ تھی۔یثرب نخلستانی علاقہ تھا جو کھجور کی کاشت کے لیے بہترین تصور کیا جاتا تھا۔چنانچہ حجاز اگرچہ اس دور میں بین الاقوامی واقعات کے اصل دھارے میں شامل نہ تھا مگر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ وہ سیاسی لحاظ سے بہت پیچھے تھا بلکہ یہی وہ سر زمین تھی جس نے حیرہ آلِ غسان کندہ اور دیگر عرب آبادیوں کو ایک ہی ہلالی پرچم تلے جمع کیا اور صدیوں کے اس جمود کو توڑا جو عربوں کی خصوصیات کو ابھرنے کا موقع نہ دے رہا تھا۔

نقش لوح و قلم، سوئے داستانِ حرم

تب تہذیب کے ایوانوں میں اندھیرا تھا اور عقائد کے دالانوں میں وحشت، تب نمرود کی خدائی میں انسانیت سسکتی تھی اور بابل کے در و دیوار شرک سے آلودہ تھے، انسانی عقائد شدید طور پہ پست تھے، تب قبیح رسموں کا محشر تھا جس میں سلگتے حرفِ تمنا کی آہ و بقا تھی، جبکہ طیور و حیوش کی نگاہ میں اِک حیرت تھی کچھ سوال تھے اور احساسِ ندامت سے عاری انسان کے افعال و افکار تھے جو جانوروں کی نگاہ میں بھی پست تھے۔ چمن در چمن کھلے گل باہم نوحہ کناں تھے کہ انسان کب اپنے رتبے کو پہچانے گا کب اسے احساس کی وہ دولت عطا ہو گی جو اسے خالق کے ہاں اس کے حقیقی مقام سے آشنائی فراہم کرے گی۔ زمین و آسماں اس کے لیے مسخر کیے گئے مگر وہ نادان اپنے ہی غلاموں کی پوجا پہ تلا ہوا تھا۔ وہ پتھر کے بدہیت مجسّموں کے سامنے سر جھکاتا مگر اس کے اندر ندامت کا کوئی احساس تک جنم نہ لیتا۔ وہ اپنے بادشاہ کو معبودِ حقیقی کا عکس تصور کرتا اور یہ نہ سوچتا کہ ان میں اور بادشاہ میں کوئی بھی ایسا امتیازی فرق موجود نہیں جو اسے خالق قرار دینے پہ دلیل ہو۔ عقائدی پستی کے ساتھ وہ اخلاقی طور پہ بھی اُن پست راہوں کا مسافر تھا جس کی کوئی

منزل نہ تھی۔اس کے انداز میں ایک لاابالی پن تھا جس نے اس کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا ہوا تھا۔وہ سوچنے اور فکر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا مگر سوچنے اور زندگی کی راہوں کو فروزاں کرنے سے گریزاں تھا۔اگرچہ وہ اپنی زندگی سے مطمئن نہ تھا مگر کوئی راستہ کوئی منزل اس کی ترجیح میں شامل نہ تھی۔ وہ بے مقصد خونریزی کا خوگر تھا،طاقتور کمزور کو نگل جاتا۔چنانچہ اس سماج میں خیر کی کوئی کرن نہ تھی اس لیے امید کا دامن بھی خالی تھا۔تاہم خالق کی رحمت ان کی منتظر تھی اس لیے ان کے ہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کو فلاح کی اس راہ کی طرف بلاتے ہیں جس کی ہر پگڈنڈی روشن اور اجلی منزلوں کا پتا دیتی تھی۔

نمرود کی شاہی

اکثر قدیم علماء کا خیال ہے کہ بابل و نینوا کے اس علاقے پہ نمرود بن کوش نامی فرعون حکمران تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔علامہ ابن خلدونؒ نے معروف انگریز مورخ (HeroDotes) کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطنت بابل اس وقت دنیا کی نمایاں ترین قوت تھی اور اس کی وسعت مبالغہ کی حد تک تھی۔خود نمرود کو اپنی سلطنت کی وسعت کا درست طور پہ علم نہ تھا۔دور دور تک کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو فرعونوں کی اس ریاست کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی۔(Hero Dotes) سلطنت کی تمدنی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے:

''بابل کا شہر اس وقت دنیا کا سب سے خوبصورت شہر تھا جس کی مثل روئے زمین پر نہ تھی۔شہر کی بیرونی فصیل اسی میل کی گولائی میں گھومتی ہوئی شہر کو اپنے حصار میں لیے رکھتی جس کی اونچائی دو سو فٹ اور چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ شہر پناہ کے حفاظتی دستے اپنی سواریوں میں اس پہ گھومتے رہتے۔دیوار کی چنائی پختہ سرخ اینٹوں سے کی گئی تھی اور اس کی مضبوطی کو بے مثل بنانے کے لیے جگہ جگہ پگھلے ہوئے تانبے کا استعمال بھی کیا گیا تھا۔اس شہر پناہ کے چاروں طرف حفاظت کے لیے دو سو افسران اور ان کے دستے مقرر تھے جو رات بھر جاگ کر شہر کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے۔چونکہ دور دور تک کسی حملہ آور کی کوئی توقع نہ تھی اس لیے اس شان و شوکت کا مقصد محض اپنی قوت کا اظہار تھا۔شہر پناہ میں دو سو دروازے تھے جن سے لوگوں اور

تجارتی قافلوں کی آمدورفت ہمیشہ جاری رہتی۔ ہر دروازے پہ ایک افسر مقرر تھا جو باہر سے آنے والے قافلوں سے محصولات وصول کرتا۔ شہر پناہ سے باہر ایک گہری خندق تھی جس کو پانی سے بھر دیا گیا تھا جو شہر کے دفاع کو ناقابل تسخیر بناتی تھی۔ تمدنی حوالوں سے بھی اہل بابل دنیا سے آگے تھے۔ ان کے ہاں غسل کے لیے انتہائی شاندار حمام بنائے جاتے جہاں لوگ اجتماعی غسل کرتے۔ فرعون اپنے لیے نہایت عمدہ لباس کا انتخاب کرتے۔ ان کے امراء اور روساء بھی اس معاملے میں حسنِ ذوق کا اظہار کرتے اور عمدہ لباس استعمال کرتے۔ اہل بابل کے تجارتی روابط دنیا کے بہت سے خطوں سے استوار تھے بحری راستوں سے سامانِ تجارت دنیا بھر سے آتا اور بابل کی منڈیاں بھری رہتیں۔ بابل کی ایک وجہ شہرت اس کے وسیع وعریض باغات بھی تھے جن کا حسن ہر ایک کے لیے عمدہ دعوتِ نظارہ پیش کرتا۔ اہل بابل ایک خوشحال زندگی گذار رہے تھے۔ محصولات کی مد میں ریاست کو بے پناہ دولت حاصل ہوتی جو عام لوگوں کی تعمیر وترقی پر بھی خرچ کی جاتی۔ چنانچہ اس خوشحالی نے اہل بابل کے اندر اس رعونت کو جنم دیا جو کسی بھی متمول معاشرے کا خاصہ تصور کی جاسکتی ہے۔ اس مادی برتری نے ان سے اخلاق حسنہ کی دولت کو چھین لیا تھا جس کی بنا پہ بابل کا وہ معاشرہ اخلاقی سماجی اور عقائدی تنزل کا شکار ہوا۔ ان کی مادی ترقی بے مثل تھی اور فوجی طاقت ناقابل تسخیر۔ ان کا معاشرہ شرک کی عادتِ بد کا شکار تھا۔ یہاں سارے لوگ بت پرست اور مشرک تھے۔ نمرود ان کے مشرکانہ عقائد کا سرپرست بھی تھا اور ان کا معبود بھی۔ سلطنت میں دولت کی فراوانی اور امنِ بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں غرور اور نخوت اس قدر بھر دیا تھا کہ اس نے بابل کے معبدِ اعظم میں اپنا سونے کا بت بنوا کر رکھ دیا تھا جس کی پوجا ہر خاص وعام پر لازم تھی[22*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مشہور مؤرخ علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آج تک پوری زمین پہ صرف چار حکمران متصرف ہو سکے ہیں جن میں سے ایک نمرود بن کوش بھی تھا۔ باقی تین بادشاہوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام ۔ ذوالقرنین اور بخت نصر شامل

ہیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین علیہ السلام مومن تھے جبکہ نمرود اور بخت نصر کافر [*23]۔اہل بابل نے انسانی تمدن کے کئی دور دیکھے ہیں جس میں سمیری اور اشوری تہذیب وتمدن کے وہ ادوار بھی شامل ہیں جب انسان کا پیشہ صرف قتل و غارت گری اور ملک گیری تھا۔وہ اخلاقی اور عقائدی انحطاط کا دور تھا۔ اشوریوں کو بابل کا تمدن ورثے میں ملا تھاان کے ایک بادشاہ "اشور بنی پال" نے نینوا میں گلی الواح کا کتب خانہ قائم کیا جس میں سمیری الواح کی نقلیں تیار کی جاتیں۔آثار قدیمہ کے ماہرین نے بابل کے قدیم کھنڈروں سے گلی الواح کا ایک ذخیرہ دریافت کیا ہے جس سے ان ادوار کی تہذیب ومعاشرت پہ کافی روشنی پڑتی ہے۔اہل علم ایک مدت بعد علامتوں والی اس زبان کو پڑھنے کے قابل ہوئے۔

یاد رہے کہ اہل مغرب کے ہاں انیسویں صدی میں گلی الواح کی ان تحریروں کو پڑھنے والوں کی تعداد صرف چار تھی۔تاہم جب انسان ان تحریروں کو پڑھنے کے قابل ہوا تو اس نے جانا کہ یہ ایک بیش بہا خزانہ ہے جس سے تاریخ کے کئی دریچے وا ہوتے ہیں۔بابلی باشندوں کو فنون لطیفہ سے خاص دلچسپی تھی،ان کا ذوق نہایت اعلیٰ تھا۔جس کا عکس ان کے فن تعمیر اور مجسّمہ سازی میں بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ان کے سنگی مجسّموں میں سر اور داڑھی کے ایک ایک بال کو نمایاں کرکے دکھایا گیا ہے۔مجسّموں کے لباس کی سلوٹیں اور چنٹیں نہایت ماہرانہ انداز سے نکھار کر دکھائی جاتی تھیں۔تزین اور تفصیل نگاری کی یہ خصوصیت فنیقیوں اور بابلیوں ہی سے یادگار ہے۔وہ اپنے جنگی معرکوں اور مذہبی تمثیلات کی تفصیلات کو دیواری نقش ونگار سے عیاں کرتے[*24]۔

وہ اپنے معبدوں اور محلات کے دروازوں پر بھی عظیم الجثہ بیلوں اور شیروں کے مجسّمے نصب کرتے جن سے نہ صرف ان کے ذوقِ جمالیات کا اظہار ہوتا بلکہ اس امر سے ان کے عقائدی رجحان کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اس طرح کے بڑے مجسّموں کا چہرہ انسانی ہوا کرتا اور ان کے پر ان کی قوت پرواز کی طرف اشارہ کرتے۔ایک بابلی بادشاہ "سارگن ثانی" نے نینوا کے شمال میں ایک بے نظیر محل تعمیر کرایا تھا جو پچیس ایکڑ سے زائد کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا جس کے ایک ہزار کمرے تھے۔محل کے ایک طرف سات منزلہ زغورط بھی تھا جو ان کی عبادت گاہ ہوا کرتا۔سو سال پہلے تک اس محل کے کھنڈرات عراق کے اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے جو ان اقوام کا مسکن تھا۔اس محل کے سامنے پر دار مجسّمے اتنے پائیدار تھے کہ وہ ہزار سال تک

انسانی آنکھ سے داد وتحسین وصول کرتے رہے۔اشوری اور بابلی اقوام زرگری میں بھی ماہر تھیں [25*]۔بغداد کے عجائب گھر میں اس دور کے کئی تاج اور منقش دروازے ان کی فنی مہارت پہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ایک انگریز مورخ (Raney Grew) نے بابلی معاشرے کے فنون کی تفصیلات بیان کی ہیں وہ اپنی کتاب(Civilization of the east)میں لکھتا ہے:

"بابلی بڑے قوی ہیکل اور تنومند جنگ جو تھے۔ان کے بشرے پر مردانگی اور شہامت کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔تاہم ان کے مجسّموں کے نقوش میں مصریوں جیسی فطرت نگاری نہیں ہے جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انھوں نے برہنہ مجسّمہ سازی سے احتراز کیا تھا جس سے جسم کے زاویوں اور قوسوں کے باریکی سے مشاہدے کا زیادہ موقع مل سکتا تھا۔البتہ گھوڑوں اور شیر ببر کے جو نقوش انھوں نے تراشے ہیں وہ اپنی دلآویزی اور شگفتگی کے حوالے سے بے نظیر ہیں [26*]۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

اشور بنی پال کی وفات پر اشوریوں کے دشمن باہم متحد ہوگئے اور بابلیوں اور میڈیوں کی متحدہ افواج نے نینوا کا محاصرہ کرلیا۔خشارشیا کی ماتحتی میں لڑنے والی ان بابلی افواج نے قدیم اشوری ریاست کا خاتمہ کر دیا جو کئی صدیوں سے قائم تھی۔جس کے بعد بابل کی دوسری شہنشائی وجود میں آئی۔یہ نمرود بن کوش کے آباء تھے جنھوں نے قدیم اشوری ریاست کا خاتمہ کیا اور بابل کی وہ ریاست قائم ہوئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔بابل دریائے فرات کے بائیں کنارے پہ آباد تھا۔بعد میں دریا پہ ایک پل تعمیر کیا گیا جس کے بعد شہر پھیل کر دریا کے دونوں حصوں تک پھیل گیا۔بابل دو ہزار برس تک تمدن عالم کا مرکز بنا رہا۔بابلیوں کا طرز تحریر اور ان کی زبان بحیرہ روم اور مصر تک رائج تھی۔چونکہ بابل مشرق کی بہت بڑی تجارتی منڈی بن گیا تھا جہاں خشکی اور تری کے راستوں سے ہزاروں میل دور کے تاجر اپنا سامان تجارت لاتے تھے اور واپسی پہ اپنے ساتھ بابل کے علوم وفنون صنائع وبدائع، سحر و نیرنگ اور دیومالا کے قصے بھی

لے جاتے۔اسی واسطے سے ایشیا اور یورپ کے ممالک بابلی ہیت اور فنون لطیفہ کے ساتھ ساتھ ان کے پست عقائد سے بھی واقف ہوئے۔بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابل سے چین تک تجارتی قافلے سفر کیا کرتے تھے۔چنانچہ ایک اور مغربی مورخ (Sir Leonard Woolley) جن کا تعلق برطانیہ سے ہے نے بھی قوم ابراہیم علیہ السلام کے تہذیبی اور تمدنی حالات پر گہری نظر ڈالی ہے۔انھوں نے اپنی تحقیقات کا خلاصہ اپنی کتاب (Abraham) میں پیش کیا جو رائل سوسائٹی لندن نے 1935ء میں شائع کی۔اس کا ایک منتخب اقتباس یہاں درج کرتا ہوں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور اس کے پس منظر میں پیش آنے والی مشکلات کے علاوہ اس معاشرے کا تہذیبی تمدنی معاشرتی اور عقائدی جائزہ بھی لیا جاسکے اور ان حالات اور مشکلات کو درست طور پر جانا جاسکے جو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعوت کے میدان میں درپیش تھیں۔

''جدید اثری تحقیقات کے سلسلے میں نہ صرف وہ شہر دریافت ہوگیا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے بلکہ اس دور کی کئی تحریریں بھی ماہرین آثار قدیمہ کے ہاتھ لگیں ہیں جن سے دورِ ابراہیم علیہ السلام کے لوگوں کی حالت زار کے بہت سے پہلو کھل کے سامنے آگئے جو کل تک تاریخ کے مدفن میں بے زبان پڑے تھے۔محققین کے درمیان اب اس امر پہ تقریباً اتفاق پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ اور ظہور کا زمانہ ۲۱۰۰ ق م کے لگ بھگ کا زمانہ ہے اور شہر''اُر'' کی آبادی اس وقت تقریباً ڈھائی لاکھ نفوس کے قریب تھی۔ اگرچہ بعض مورخین نے اُر کی آبادی پانچ لاکھ بھی لکھی ہے اور یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ شہر کی آبادی پانچ لاکھ ہی رہی ہو اس لیے کہ وہ دنیا کا بہت بڑا اور اہم صنعتی وتجارتی مرکز تھا۔ایک طرف پامیر اور نیلگری تک سے وہاں مال واسباب آتا تھا تو دوسری طرف اناطولیہ سے بھی ان کے تجارتی روابط قائم تھے،اُر کا شہر جس ریاست کا صدر مقام تھا اس کی حدود موجودہ عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھیں۔ملک میں لوگوں کی اکثریت صنعت وتجارت سے وابستہ تھی۔اس عہد کی جو تحریریں دستیاب ہوئیں ہیں ان سے لوگوں کے عمومی مزاج کا

اندازہ لگانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ ان لوگوں کی زندگی کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ معاشرہ سود خوری میں بری طرح مبتلا تھا۔ چونکہ وہ لوگ سخت قسم کے کاروباری لوگ تھے اس لیے ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان کے ہاں حسد کا رویہ عام تھا۔ ان کی عدالتوں میں فوجداری اور اخلاقی جرائم میں ملوث لوگوں کے مقدمات کی بھرمار تھی۔ وہ اپنے خداؤں سے عام طور پہ کاروبار میں برکت اور خوشحالی کی دعا ہی مانگا کرتے۔ زندگی گذارنے کے لیے انھوں نے کوئی اخلاقی نظام وضع نہیں کیا تھا اس لیے قحبہ گری اور زنا عام تھا۔ ان کی آبادی تین طبقات پر مشتمل تھی۔

ا۔ عمیلو؛ یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں پجاری، حکومت کے عہدیدار، فوجی افسران، روسا اور متموّل خاندان شامل تھے

۲۔ مشکینو؛ ان میں تجار، اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ شامل تھے

۳۔ اردو؛ یعنی غلام (جن کی معاشرے میں اکثریت تھی)[27*]۔

جیسا کہ اس تفصیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کے پہلے طبقے "عمیلو" کو ہی معاشرے میں اہم مقام حاصل تھا۔ ان کے امتیازات خاص تھے اور ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق بھی دوسرے طبقات سے مختلف تھے۔ ان کے جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کے تھی۔ چنانچہ یہ شہر اور یہ معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے جو احوال تاریخ اور بنی اسرائیل کی کتابوں سے دستیاب ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عمیلو طبقہ کے ایک فرد تھے اور آپ کا باپ ریاست کا بہت بڑا عہدیدار تھا۔ اُر کے کتبات میں تقریباً پندرہ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں جن کی پوجا اس دور کے لوگوں میں مروّج تھی۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص خدا ہوا کرتا جس کو شہر کا محافظ قرار دیا جاتا اور اسے رب البلد، مہادیو یا رئیس الآلہہ بھی کہا جاتا۔ اس کا احترام دوسرے خداؤں سے زیادہ کیا جاتا اور وہ دیگر معبودوں کا سردار تصور کیا جاتا۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر اُر کا محافظ خدا یا رب البلد "ننار" یعنی

چاند دیوتا تھا۔اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام ''قمرینہ'' بھی لکھا ہے۔بابل کا دوسرا بڑا شہر''ارسہ'' تھا جسے بعد میں اُر کی بجائے سلطنت کا مرکز قرار دے دیا گیا۔ارسہ کا رب البلد'' شماس'' یعنی سورج دیوتا تھا۔ان بڑے خداؤں کے ماتحت بے شمار چھوٹے چھوٹے خدا تھے جو زیادہ تر آسمانی ستاروں اور سیاروں میں سے منتخب شدہ تھے ۔کچھ کم تر درجے کے خدا زمین سے بھی منتخب کر لیے گئے تھے۔وہ لوگ اپنی فروعی ضروریات کو انھی سے متعلق سمجھتے تھے۔انھوں نے ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہ بتوں کی شکل میں ڈھال لی تھیں اور اپنی تمام مراسم عبادات انھی کے سامنے بجالاتے تھے۔سارا ملک ننار دیوتا کی پوجا میں مستغرق تھا اور ننار کا بت شہر اُر کی سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔اس کے قریب ہی ننار کی بیوی ''نن گل'' کا معبد بھی موجود تھا۔ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ننار دراصل چاند کے اس اوتار کا لقب تھا جو ان کا بادشاہ بھی ہوتا۔اس لیے ننار کے شاہی معبد کی ہر شب شبِ زفاف تھی اور اس کی خواب گاہ میں ہر شب ایک پجارن دلہن بن کے جاتی تھی۔ان کے مندروں اور معبدوں میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پہ وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religion Prostitutes) کی سی تھی۔اس معاشرتی تناظر میں وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔اگرچہ ان کے ہاں ہر عورت کو بہرحال زندگی میں ایک بار تو لازماً اپنی عصمت کسی اجنبی مرد کے حوالے کرنی ہی ہوتی تھی۔ان کے پجاریوں کے خیال میں یہ عمل یقینی ذریعہ نجات تھا۔اب یہ بیان کرنا کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفیض ہونے والا سب سے بڑا طبقہ خود پجاریوں پہ ہی مشتمل تھا۔ننار ان کا محض ایک دیوتا ہی نہ تھا بلکہ وہ ملک کا سب سے بڑا تاجر سب سے بڑا کارخانہ دار سب سے بڑا زمیندار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔جس کے معبد کے نام پر سلطنت کے بکثرت باغات عالی شان محلات اور زمینیں وقف رہتی تھیں۔ننار کے معبد کی آمدنی بے پناہ تھی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معبد کی آمدنی کا حساب رکھنے کے لیے ایک محکمہ قائم تھا جس کے ملازمین کی تعداد ہزاروں میں تھی۔عام لوگ اپنے دیوتاؤں کے بتوں پر

سونا فصل کی کٹائی پر اناج کا ایک حصہ، اس کے علاوہ دودھ اور کپڑے تک قربان کرتے تھے جس سے پجاریوں کی بن آتی۔ جب ننار دیوتا کی بے پناہ آمدنی پروہتوں اور پجاریوں کے لیے سنبھالنا مشکل ہوگئی تو انھوں نے اس دولت سے سرمایہ کاری کی اور بہت سی زمینیں اور کارخانے معبد کے نام پر خریدے۔ بڑے پیمانے پر تجارتی کاروبار میں مندر کی رقم لگائی جاتی۔ عوام کی رگوں سے نچوڑی ہوئی ننار دیوتا کی یہ بے انتہا دولت اعیانِ حکومت اور پجاریوں اور پروہتوں کی زندگی میں تعیش کا باعث بنتی تو دوسری طرف عام آدمی مزید پسماندگی اور رذالت میں جا گرتا۔ ظلم کا یہ سارا نظام عقیدے کی اس کمزوری کا شاخسانہ تھا جس میں تاریخ عالم کی اکثر و پیشتر اقوام مبتلا رہی ہیں۔ چنانچہ ننار دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی اس تمام نظام ظلم کا منتظم اعلیٰ تھا اور اس کی پشت پہ بادشاہ سمیت سارا سیاسی ڈھانچہ کھڑا تھا۔ اس لیے اسے عوام کی طرف سے کسی ردعمل کی کوئی توقع نہ تھی۔ ان کے ہاں نظام اخلاق وعدل کا بھی کوئی واضح تصور موجود نہ تھا۔ یہ کام بھی پروہتوں اور پجاریوں ہی کی ذمہ داری تھی اور ملک کی سب سے بڑی عدالت بھی ننار کا معبد ہی تھی جہاں لوگوں کی قسمت کے فیصلے ہوتے اور پجاری ہی ان کے جج تھے۔ جن کے فیصلے ان کے ہاں خدا کے فیصلوں کے برابر تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ ننار ہی تھا اور فرمانروائے حکومت اس کی طرف سے ملک پر حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں کی صف میں شامل ہو جاتا اور کسی خدا ہی کی مانند اس کی بھی پرستش کی جاتی۔ اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانی اول کا نام "اُرنمّو" تھا۔ جس نے غالباً ۲۳۰۰ ق م میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی جس کی حدود مشرق میں سوسہ سے لے کر مغربی لبنان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی سے اس خاندان کو "نمّو" کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان کے علاقوں سے ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر ایک تسلسل کے ساتھ تباہی نازل ہونا شروع ہوئی۔ پہلے اعلامیوں نے اُر کے شہر کو تباہ کیا اور نمرود کو ان کے معبود ننار سمیت اٹھا کر لے گئے۔ اس کے بعد ارسہ میں ان کی عیلامی حکومت قائم ہوئی اور اُر سمیت کئی شہر اس کی غلامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ تاہم سو سال بعد ہی ایک

عربی النسل خاندان نے بابل میں زور پکڑا اور عیلامی حکومت کے خلاف جدوجہد شروع کی اور آخر کار اُر اور ارسہ کے شہر عیلامیوں سے آزاد کرا لیے۔ اگرچہ اس تنزلی اور تباہی کے بعد ان لوگوں کا ننار دیوی پر یقین قدرے کم ہو گیا تھا تاہم یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے ادوار میں ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا اثر کہاں تک قبول کیا تھا۔ مگر ۱۹۱۰ ق م میں بابل کے بادشاہ حمورابی نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان قوانین کی تدوین میں مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کارفرما تھی[28*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ اب تک کی اثری تحقیقات اور مورخین کے نقطہ نظر کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بات کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام بھی اسی عقیدے پر مبنی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی ضد تھیں۔ اس لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت توحید لے کر اٹھے تو ان کی قوم کے اعمائدین اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین قبول کرنے کے کیا معنی ہیں۔ انھیں اس حقیقت کا ادراک حاصل تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا اثر محض ان کی بت پرستی پر ہی نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت ان کی حاکمیت پجاریوں اور پروہتوں کے علاوہ اعمائدین ریاست کی تمام تر معاشرتی معاشی اور سیاسی زندگی تلپٹ ہو کے رہ جاتی اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آجاتی۔ دوسرے لفظوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے ازسرنو توحید اللہ کی بنیادوں پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صدائے توحید بلند ہوتے ہی معاشرے کا ہر طبقہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا۔ جس میں ایک طرف پوری قوم اور ریاست تھی تو دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی کھڑے تھے۔ اسی لیے قرآن پاک میں کہا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ اکیلے ہی ایک امت تھے۔"

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O
شَاكِراً لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ Oوَآتَيْنَاهُ فِيْ
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِيْ الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ النحل ١٦ ؛ ١١٩-١٢١)

ترجمہ؛

واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا۔اللہ کا مطیع فرمان اوریکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا، وہ اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے والا تھا، اللہ نے اس کومنتخب کر لیا تھا اور سیدھا راستہ دکھایا، دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔

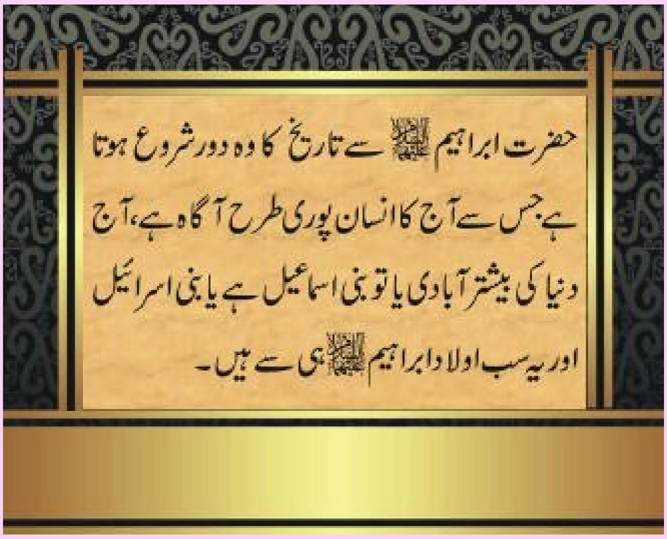

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ

اندھیروں کا اِک تسلسل تھا جس نے انسانیت کی منزل چھین رکھی تھی اور عقائد کی وہ پستی تھی جس نے احساسِ شرف کو اس کی نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا۔ رسموں کی وہ دہکتی رِدا تھی جس میں انسانی جسم جھلس رہے تھے۔ وہ پیکرِ خاکی جو کبھی مسجودِ ملائک تھا آج خدا فراموش ہی نہیں خود فراموش بھی بن چکا تھا۔ اہلِ بابل ہوں یا خطہ ارض پہ قائم دیگر انسانی آبادیاں سارا عالم گمراہی اور ضلالت کی انھی منزلوں کا مسافر تھا جس کی انتہا اس کی ابتدا کی طرح خیر کے ہر پہلو سے خالی تھی۔ شرک ان معاشروں میں کسی طلسم ہوشربا کی طرح چھایا ہوا تھا۔ سیاسی اور مذہبی بازی گروں نے بادشاہ کو خدا کا اوتار قرار دے رکھا تھا جس کی وجہ سے بادشاہ کی آمریت پہ عقائد کی مہر ثبت کر دی جاتی اور لوگ بادشاہ کے خلاف زبان کھولنے سے ڈرتے تھے کہ مبادا وہ دیوتاؤں کے عتاب کی زد میں آجائیں۔ سارا سماج اس اندھی مذہبی تقلید کا شکار تھا جس نے انسانی تمناؤں کو احساسات کو حتیٰ کہ خوابوں تک پہ پہرے لگا رکھے تھے۔ ظلم کی حد تو یہ تھی کہ مظلوم طبقات سے احساسِ زیاں تک چھین لیا گیا تھا۔ ان کی سوچ پہ بھی کڑے پہرے تھے اور ان کے عقائد بھی یقین کی

ان حدوں کو چھوتے تھے جہاں ان کی زندگی سے احساسِ ندامت رخصت ہو جاتا۔اِک بسیط خزاں تھی جس کی یاسیت نے عالم انسانیت کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔جانے کتنی مدت سے وہ لوگ لطفِ بہار کے احساس لطیف سے تہی داماں تھے کہ ان کو اپنے خالی دامن کا احساس تک نہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دعوتِ حق کی طرف بلایا تو انھوں نے اسے اِک نگاہ حیرت سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔جب راہ حق کی طرف بلانے کی پاداش میں آگ کا وہ انبار روشن کیا گیا جس میں خلیل اللہ کو جلانے کا فیصلہ کیا گیا تو پورے معاشرے میں کوئی آنکھ نہ تھی جس میں اشک ندامت اترا ہو،کوئی دل نہ تھا جس کے اندر اس بہیمیت کے خلاف اظہارِ نفرت کی کوئی چمک جنم لیتی،کوئی نفس نہ تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ و نصیحت پہ اِک پل بھی غور کرنا پسند کیا ہو،کوئی دریچہ دل نہ تھا جس کے اندھیروں نے اس آفاقی چمک سے روشنی اخذ کی ہو جس کی بنیاد الہام و خیر کی وہ دعوت تھی جس کی طرف قبل ازیں حضرت آدم علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام،حضرت ادریس علیہ السلام،حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر لوگوں کو بلاتے رہے تھے مگر لوگوں نے انحراف کی راہ اپنائی اور نتیجے میں خسارا اٹھایا۔اب بابل کا معاشرہ نمرود کی قیادت میں ایک بار پھر انکار پہ بضد تھا۔

غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بات صرف عقیدے کی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے اقتدار اور سیاسی برتری کی وہ ہوس کارفرما تھی جو ہمیشہ سے انسانی کمزوری چلی آئی ہے۔وہ صدیوں سے اپنا آج سنوارنے کے لیے اپنا کل برباد کرتا رہا ہے۔وہ صدیوں سے پیغمبروں کی دعوت اسی بنیاد پہ رد کرتا آیا ہے کہ اس کو قبول کرنے کی صورت میں ایک تو اس کا مضبوطی سے قائم اقتدار چھن جائے گا اور دوسرا اس کے آباء کی توہین ہوگی کہ وہ غلط کار تھے۔چنانچہ عصبیت کا یہی وہ مذموم پہلو تھا جس نے بہت سے معاشروں کو حق قبول کرنے سے روکا۔تاریخ کے بہت سے دھارے اس امر پہ شاہد ہیں کہ انسان نے حق کو جانتے بوجھتے بھی ٹھکرایا ہے اور انجانے میں بھی اپنے دامن میں کانٹے بھرے ہیں۔مگر اکثر و بیشتر صورت حال یہی رہی کہ لوگوں نے سامنے کے فائدے کے لیے پیغمبروں کے ابدی پیغام فلاح پہ کان نہ دھرے۔عقلی اور جبلی طور سے کسی بھی پیغمبر کا انکار ممکن نہ تھا اس لیے انسان نے ہمیشہ تاویل کی راہ اختیار کی اپنے آباء کی راہ اختیار کی۔اپنے نفس کی آواز پہ کان دھرے،حرف تمنا کو فوقیت دی،حقیقت کی جستجو نہ کی،منزل کا تصور اکثر اس کی نگاہ سے اوجھل رہا اور وہ رستوں کی دلکشی میں کھویا رہا جس کی حقیقت اس سائے کی طرح تھی جو

سورج کے ساتھ حرکت کرتا ہے اور جلد ہی اپنی ذات کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ عقائدی تعفن کی وہی بوتھی اور ایک جابر اور قاہر سلطان کا وہی تسلط تھا جو اس دور کا تاریخی تسلسل تھا جس نے کسی عفریت کی طرح انسانی بستیوں کو صورتِ دشت حسرت و یاس کے دالانوں میں بدل رکھا تھا کہ اِک صبح نور نے ان تہی دامانوں کے در پہ دستک دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے درمیان جنم لیا۔ آپ علیہ السلام کی جائے ولادت کے بارے میں علمائے تاریخ باہم متفق نہیں بعض نے سوس کو جو صوبہ ہواز کا علاقہ تھا آپ علیہ السلام کی جائے ولادت بتایا ہے تو بعض نے کہا کہ آپ بابل کے علاقے میں پیدا ہوئے۔

تاہم بعد کے مفکرین اس بات پہ تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کوفہ اور بصرہ کا درمیانی شہر ''اُر'' تھا۔ جس زمانہ میں آپ کی ولادت باسعادت کا خوش کن واقعہ پیش آیا۔ اُن دِنوں یہ سارا علاقہ نمرود بن کوش کی حکمرانی کے تحت تھا جو ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا۔ محمد بن جریر طبری ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا جائے مسکن کوفہ کی ایک بستی ''کوئی'' تھا۔ اس علاقے کو حاصر کہا جاتا تھا اور یہ نمرود کی مشرقی سلطنت کا حصہ تھا۔ نمرود کی حکومت مشرق و مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ بادشاہ کا اصل نام زرہی بن طہما سلفان تھا جو پرلے درجے کا توہم پرست تھا۔ وہ دور سحر اور نجوم کا دور تھا۔ نمرود کے درباری نجومی روزانہ ایک دفعہ بادشاہ کے ہاں پیش ہوتے اور اسے ستاروں کے حساب سے آنے والے وقت اور اس کی مشکلات سے آگاہی بہم پہنچاتے۔ ایک دن خلاف معمول شاہی نجومیوں کے سربراہ نے بہت صبح بادشاہ سے اذن ملاقات مانگا۔ بادشاہ نے فوراً ہی اس کو طلب کر لیا جس پہ اس نے بادشاہ کو بتایا کہ اس کی ریاست میں ایک بچہ جنم لینے والا ہے جو اس کے دین سے انکار کرے گا۔ اس کے بتوں کو توڑ ڈالے گا اور اس کی خدائی کا انکار کرے گا۔ اس پہ بادشاہ پریشان ہوا اٹھا اور اس نے اپنے وسائل اور قوت سے اس آنے والے بچے کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ اس کے کارندے ہر پیدا ہونے والے بچے کو اس کے والدین سے چھین لیتے اور قتل کر دیتے۔ بادشاہ کے اسی جبر اور خوف کی بنا پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو آپ کی والدہ محترمہ شہر سے باہر ویران جنگل میں تشریف لے گئیں وہیں ایک غار میں جناب ابرہیم علیہ السلام پیدا ہوئے[29*]۔

بادشاہ کے ہرکارے بھوکے کتوں کی طرح ہر دروازہ سونگھتے پھرتے تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو غار ہی میں لوگوں سے چھپائے رکھا حتیٰ کہ اپنے خاوند کے پوچھنے پر بھی اس کو یہی بتایا کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا مگر وہ جی نہ سکا اور وہ اسے جنگل میں ہی دفن کر آئی ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ آپ کے بارے متفکر رہا کرتیں۔وہ بار بار مختلف بہانوں سے جنگل کا رخ کرتیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر گیری کرتیں۔ان کو دودھ پلاتیں وہ کہتی ہیں کہ اگر مجھے کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جاتی تب بھی وہ عام کی بچوں کی طرح روتے ہوئے نہ ملتے بلکہ آرام سے اپنے انگوٹھے کو چوس رہے ہوتے۔شب و روز ایک ہموار آہستگی سے گزرتے رہے۔ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دن اور رات میں تین بار آپ سے ملنے آتیں۔علامہ طبری کے مطابق آپ علیہ السلام نے اس غار میں اپنی زندگی کے ابتدائی پندرہ سال گذارے اور اب وہ اپنی والدہ سے سوالات کرنے لگے تھے کہ وہ اس غار سے کیوں باہر نہیں جا سکتے۔آپ کی والدہ نے وعدہ کیا کہ چند دن بعد وہ ان کو غار سے باہر لے جائیں گی جس پہ آپ مطمئن ہو گئے۔اس دوران بادشاہ کا وہ خدشہ گزرے دنوں کی داستاں بن چکا تھا اور اس کے ذہن سے نجومیوں کی وہ پیش گوئیاں محو ہو چکیں تھیں۔اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے اپنے خاوند کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد یہ سن کے بہت خوش ہوئے کہ ان کا ایک بیٹا بھی ہے جو شہر سے باہر ایک غار میں موجود ہے۔چنانچہ وہ فوراً اپنی بیوی کے ساتھ اس غار میں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے آئے۔اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غار کی زندگی سے آزادی نصیب ہوئی اور اب وہ پہلی بار مظاہر کائنات کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے[30*]۔

اولین فکر و تدبر

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمین کی وسعتیں تھیں اور اس کی مخلوقات تھیں، لوگوں کا ہجوم تھا ان کے معاملات تھے اور مظاہر کائنات کا وہ منظر تھا جس کا مطالعہ وہ پہلی بار کر رہے تھے۔ گائے کو دیکھ کر انھوں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کیا ہے تو ان کے باپ نے انھیں سب جانوروں سے متعارف کرایا اور انھیں بتایا کہ یہ گائے ہے، یہ بیل ہے، یہ گھوڑا ہے، اسے اونٹ کہتے ہیں تو اس پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تو پھر کوئی ان سب کا خالق بھی ہوگا جو میرا بھی خالق ہے۔ یہ جواب سن کر ان کا باپ حیران رہ گیا کہ اس کے پاس اس توجیہہ کا کوئی جواب نہ تھا۔ علامہ طبری ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب غار سے باہر آئے تو وہ قمری مہینے کے درمیانی دن تھے اس لیے جب آپ نے آسمان پہ چمکتا ہوا ایک روشن ستارہ دیکھا تو آپ نے خیال کیا کہ شاید یہی میرا خالق ہے مگر جب وہ تھوڑی دیر کے بعد ڈوب گیا تو آپ نے کہا نہیں یہ میرا رب نہیں ہوسکتا کوئی ڈوب جانے والا میرا خالق نہیں ہوسکتا۔ تھوڑی دیر بعد چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تو آپ اس کے حسن سے مسحور ہو گئے اور سوچا کہ یہ ضرور میرا خدا ہے مگر صبح کی روشنی پھیلنے پر وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ ''اگر میرے رب نے مجھے سیدھا رستہ نہ دکھایا تو میں ان میں سے ہو جاؤں گا جو بھٹکے ہوئے ہیں'' دن کا آغاز ہوا اور سورج اپنی پر ہیبت روشنی لیے نمودار ہوا اور دنیا پہ چھاتا چلا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے کہ یہ سب سے بڑا ہے، سب سے روشن ہے یہ ضرور میرا خدا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے سوچا جو خود غروب ہو جائے جسے خود قرار نصیب نہ ہو وہ میرا خالق کیسے ہوسکتا ہے۔ تب اللہ کو آپ کی پریشانیوں اور جستجو پہ بے حد پیار آیا اور وحی کے ذریعے

آپ کو بتایا کہ وہ سب تو میری مخلوقات ہیں جیسے تُو میری مخلوق ہے میں تیرا رب ہوں میں تیرا خالق ہوں تب آپ نے عرض کی میں رب العالمین کے سامنے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔ پھر آپ اپنی قوم کی طرف پلٹے اور انھیں دین حق کی دعوت دی۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ٦ ؛ ٧٩)

ترجمہ؛

"اے لوگو میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو، بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا ہے زمینوں اور آسمانوں کو یکسو ہو کر"۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

آپ نہ صرف اپنی قوم کی بت پرستی سے پریشان تھے بلکہ اپنے گھر والوں سے بھی پریشان تھے کہ ان کا والد بت تراش تھا۔ آپ کا والد بت بناتا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو دیتا کہ وہ انھیں بیچ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کو لے جاتے اور ان کا سر پانی میں ڈبوتے اور انھیں کہتے تم میرے خدا نہیں ہو۔ وہ لوگوں کو پکارتے اور کہتے کہ کون ہے جو مجھ سے ایسی چیز خرید لے جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان لوگ۔ ان کے اس رویہ پہ حیران رہ جاتے اور ان کی شکایت ان کے والد سے کرتے جوان سے پہلے ہی اس بات پہ نالاں رہتے کہ ابراہیم علیہ السلام بت بیچے بغیر ہی واپس چلے آتے ہیں۔ جب کہ ان کے دوسرے بھائی بت بیچ کر آتے۔ آپ اکثر و بیشتر اپنے والد کو بھی دین حق کی دعوت دیتے رہتے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ

شَيْئاً يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً ○ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً ○ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَن فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً ○ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْراهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيّاً ○

القرآن الحکیم (سورۃ المریم ۱۹ ؛ ۴۲-۴۶)

ترجمہ:

”جب اس نے (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا رستہ دکھاؤں گا، ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں وہ تو اللہ رحمان ورحیم کا نافرمان ہے ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کے نہ رہ جائیں، باپ نے جواب دیا اے ابراہیم تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یادرہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے بارے میں جو ابتدائی تصور ابھرتا ہے وہ ایک ایسے شخص کا ہے جو ہتھوڑا ہاتھ میں لیے پتھروں سے بتوں کو تراشنے والا ایک معمولی بت تراش ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آذر بتایا جاتا ہے نہایت اثر ورسوخ والا آدمی تھا اور نمرود کے دربار میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ سیّد مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ وہ یعنی آذر نمرود کے دربار میں (Officer of the StateChief) کا عہدہ رکھتا تھا [31*]۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھلم کھلا شرک کی مخالفت کی اپنی قوم اور نمرود کے مذہب کے خلاف

بولنا شروع کیا اور دعوت توحید دینی شروع کی اور بعد میں ان کے بت خانے میں گھس کر ان کے بت توڑ ڈالے تو ان کے باپ نے خود ان کا مقدمہ بادشاہ کی عدالت میں پیش کیا۔ بائبل اگرچہ اس بارے میں خاموش ہے تاہم تلمود میں اس کی کافی تفصیلات ملتی ہیں جو اسلوب قرآن کی تائید کرتی ہیں۔

آتش نمرود

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا۔ انھوں نے پہلے خود عراق وشام اور فلسطین سے لے کر ریگ زارِ عرب تک اللہ کی اطاعت وفرمابرداری کی صدا لگائی۔ پھر مختلف علاقوں میں اپنے خلیفہ مقرر کیے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں۔ انھوں نے شرق اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو، شام وفلسطین میں اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو دین متین کی دعوت دیں۔ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اپنے والدین کو دین کی دعوت دی۔ انھیں بتایا کہ ان کے پاس علم خاص ہے جس کی بنا پہ وہ حقیقت کو جانتے ہیں اس لیے بہتری اور فلاح کا راستہ یہی ہے کہ وہ ان پہ ایمان لے آئیں۔ تاہم ان کے والد اپنے آباء ہی کے دین پہ کاربند رہنے پہ بضد تھے۔ چنانچہ آپ کی دعوت پر آپ کے والد نے سخت رویہ اختیار کیا جس کا ذکر قرآن میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ مذکورہ آیات ابھی اوپر گذری ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ ان کی قوم ان کی بات سننے والی نہیں تو ایک دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے آپ سے کہا کہ ہمارا ایک میلہ آنیوالا ہے اگر تو اس میں ہمارے ساتھ چلے تو تجھے یقیناً ہمارا دین پسند آئے گا۔ پھر جب ان کی عید یا میلے کا وہ دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پہلے ان کے ساتھ ہی نکلے۔ مگر تھوڑی دور جانے کے بعد انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ بیمار ہیں اور وہ لیٹ گئے۔ قوم ان کو چھوڑ کے چلی گئی تو آپ واپس آئے اور ان کے بت خانے میں گھس کر ان کے تمام بت توڑ ڈالے۔ البتہ سب سے بڑا بت یونہی رہنے دیا اور اپنا کلہاڑا اس کے گلے

میں ڈال دیا۔ان کی قوم جب واپس پلٹی اور اپنے بتوں کا حال دیکھا تو واویلا مچادیا۔ان کی اس بدحواسی کی قرآن نے عمدہ منظر کشی کی ہے۔

چنانچہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

قَالُوا مَن فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ O قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ O

القرآن الحکیم (سورۃالانبیاء ۲۱ ؛ ۶۰۔۵۹)

ترجمہ:

"کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کیا ہے کوئی بڑا ہی ظالم تھا وہ (بعض بولے) ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے جس کا نام ابراہیم ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب آپ کی قوم آپ کو پکڑ کر بادشاہ وقت نمرود کے سامنے لے گئی۔ ساری قوم جمع ہوئی وہ حضرت ابرہیم علیہ السلام سے چلا چلا کر پوچھنے لگے کہ انھوں نے ان کے خداؤں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کیا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب قرآن کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

الُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ O قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃالانبیاء ۲۱ ؛ ۶۳)

ترجمہ:

"انھوں نے کہا کہ ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے انھوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ان کے سب سے بڑے گرو نے کی۔سو ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا مذاق اڑایا اور منطقی استدلال کے ذریعے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ چونکہ تمام کھانے بڑے بت کے سامنے پڑے تھے اور تم لوگ چھوٹے بتوں کی پوجا بھی کرتے ہو اس لیے ممکن ہے کہ بڑے بت کو اس بات پہ غصہ آ گیا ہو اور اس نے تمام بت توڑ ڈالے ہوں چونکہ یہ سب تمھارے معبود ہیں اس لیے تم کو ان سے خود ہی پوچھ لینا چاہیے اگر یہ بولتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب نے ان میں سے کچھ سلیم القلب لوگوں کو ایک پل سوچنے پہ مجبور کر دیا کہ واقعی ہی ظالم تو ہم خود ہیں جو ایسے معبودوں کو پوجتے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں اور نہ ہی بول سکتے ہیں۔مگر قوم کی اکثریت آپ سے لڑنے لگی تو آپ نے اسے مناسب موقع جانتے ہوئے اپنی قوم کو دینِ توحید کی دعوت دی جس کی تفصیلات قرآنِ حکیم میں مذکور ہیں؛

وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلاَ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلاَّ أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئاً وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْماً أَفَلاَ تَتَذَكَّرُونَ○ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلاَ تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَاناً فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ○ الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَـئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ٦ ؛ ٨٢-٨٠)

ترجمہ؛

’’اور جب وہ ان (ابراہیم علیہ السلام) سے جھگڑنے لگے تو انھوں نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے لڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھادی ہے اور میں تمھارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے اور میرے رب کا علم تو ہر چیز پہ چھایا ہوا ہے، اور آخر میں تمھارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو اس کی خدائی میں شریک ٹھیراتے ہوئے

نہیں ڈرتے جس کے لیے اس نے تم پہ کوئی سند بھی نازل نہیں کی اور ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی اور بے اطمینانی کا مستحق ہے تم ہی بتاؤ اگر کچھ علم رکھتے ہو کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کرتے اور انھی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت سی مثالوں اور عبرت آمیز واقعات کے ذریعے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ بتوں کی پوجا چھوڑ دیں اور دین توحید اختیار کرلیں اسی میں ان کی نجات ہے، اسی میں ان کی فلاح ہے، اسی میں ان کی کامیابی ہے۔ مگر ان کی قوم اپنی جہالت پہ اڑی ہوئی تھی اور اپنے بادشاہ ہی کو اپنا معبود جانتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو بھی اسلام کی دعوت دی تو نمرود نے کہا کہ میں تو خود پروردگار ہوں میں تمھارے پروردگار کو کیوں کر مانوں اور آپ کا رب کون ہے۔ اس پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے آپ علیہ السلام کا مضحکہ اڑایا اور کہا کہ یہ تو میری صفت ہے میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اس نے سزائے موت کے دو قیدی طلب کیے اور ایک کو تو رہا کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا لو میں نے ایک کو زندہ کر دیا اور دوسرے کو مار دیا۔ اس کی نادانی پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسکرائے اور کہا میرا معبود تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کے دکھا۔ اس پہ وہ کافر مبہوت رہ گیا اور غصے میں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کر دیا۔ پھر قوم نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اجتماعی فیصلہ کیا جس کو قرآن نے اپنے خاص اسلوب میں نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے:

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء ۲۱ ؛ ۶۸)

ترجمہ:

''انھوں نے کہا جلا ڈالو اس کو (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر

تمھیں کچھ کرنا ہے تو"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پس یہ تھا اس بدقسمت قوم کا فیصلہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں جوان کو زندگی کی درست راہوں کی طرف بلاتا تھا۔ چنانچہ اپنے اس فیصلے کے بعد ساری قوم نہایت دلجمعی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ ابن اسحاقؒ روایت کرتے ہیں کہ جب نمرود نے قوم کو لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دیا تو پوری قوم جوش وخروش سے اس کام میں جت گئی۔ لوگ منتیں ماننے لگے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے اتنی لکڑیاں اکٹھی کروں گا یہاں تک کہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لکڑیوں کا ایک انبار جمع کر لیا اور اسے آگ لگا دی۔ آگ کو چاروں طرف سے خوب بھڑکایا گیا یہاں تک کہ اس کے شعلے دور سے نظر آنے لگے۔ سدیؒ سے مروی ہے کہ آگ کے لیے ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا پھر اس کو لکڑیوں سے بھر دیا گیا حتیٰ کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ جب اس کو آگ لگائی گئی تو اس کی حدت اتنی تھی کہ اوپر سے اڑنے والے پرندوں کے پر جل جاتے تھے اور وہ اس آلاؤ میں آگرتے تھے۔ جب انھوں نے ارادہ کیا کہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دینا چاہیے تو جنوں اور انسانوں کے سوا زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات اس ظلم کے اس فیصلے پہ چیخ اٹھیں اور اپنے رب کو پکارا کہ اے معبودِ برحق اس وقت زمین کے سینے پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں جو تیرا نام لیوا ہو اور وہ آپ کی خاطر اس آگ کا ایندھن بننے والا ہے ہمیں اس کی مدد کی اجازت دی جائے۔ تو ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ان مخلوقات کو جواب دیا کہ اگر تم میں سے کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مدد کے لیے پکارا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ اگر انھوں نے میرے علاوہ کسی اور کو نہیں پکارا تو میں اس کا کارساز ہوں۔ بعض صحابہؓ نے روایت کیا ہے کہ جب وہ آپ کو آگ میں ڈالنے والے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے پوچھا؟ کیا میں آپ کی کوئی مدد کروں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا میرا رب میرا حال نہیں جانتا جو میں آپ کی مدد قبول کروں۔ پھر انھوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اپنا منہ پھیر لیا اور قوم نمرود نے اپنے خبث باطن کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے اس آلاؤ میں جھونک دیا۔

تب اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ندا دی گئی:

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء۲۱ ؛ ۶۹)

ترجمہ؛

''ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا ابراہیم (علیہ السلام) پر۔،

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ وہ آگ سلامتی والی بن گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پھولوں کی کسی نرم سیج پر آرام فرما ہیں۔ ان کو نہ کوئی خوف تھا اور نہ کوئی غم کہ وہ نہ صرف اپنے معبود کی عظمتوں کو جانتے تھے بلکہ اپنے مقام سے بھی واقف تھے۔ تاریخ عالم میں بے شمار پیغمبروں کے قصے اور ان کی داستانِ عزیمت موجود ہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی اس وارفتگی اور محبت کا ثبوت کہیں نظر نہیں آتا۔ اللہ نے آپ کو طرح طرح سے آزمایا مگر آپ علیہ السلام کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے اپنے بیٹے کی گردن پہ چھری چلا دی۔ مگر اپنے معبود کی محبت کا بھرم قائم رکھا۔ آپ نے اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے کو اِک ویراں راہ گزر پہ چھوڑ دیا مگر اللہ کے حکم سے انحراف کی راہ نہ اپنائی۔ آپ نے ننانوے سال کی عمر میں خود اپنا ختنہ اپنے ہی کلہاڑے سے کیا۔ اسی روز آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا جن کی عمر تیرہ سال تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دس امتحانوں سے گذارا۔

(۱) نمرود سے مقابلہ، (۲) آگ میں جانا (۳) بیٹے کو ذبح کرنا (۴) بیت اللہ کی تعمیر (۵) زیر ناف بالوں کو مونڈنا (۶) بغل کے بالوں کو نوچنا (۷) ناخن کاٹنا (۸) مونچھیں کاٹنا (۹) جمعہ کے روز غسل کرنا (۱۰) ختنہ کرنا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء کہا گیا جو آپ کے رتبے اور مقام کو احسن طریقے سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو

یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اللہ کے ہاں بہت ہی بلند ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دین حق کی ترویج کے لیے طویل جدوجہد بھی اس گہرے عشق کا ثبوت فراہم کرتی ہے جو آپ کو اپنے خالق کے ساتھ تھا۔ خود وقت کا بادشاہ نمرود دیکھ رہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معبود کتنا طاقتور ہے کہ اس نے اس کی جلائی ہوئی آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کیسی سلامتی والی بنا دیا تھا مگر اس کی نگاہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے سیاسی مضمرات بھی تھے اس لیے اس عظیم الشان معجزے کے باوجود نہ اس نے خود دین ابراہیم کو قبول کیا اور نہ ہی اپنی قوم کو اس کی اجازت دی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی طرف جائے اور یہ اس کی بڑی بدبختی تھی۔

ہجرت

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور آپ کو ضرر پہنچانے سے بھی باز آ گیا تھا۔ مگر آپ کی قوم کا کوئی فرد آپ کا دین قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ جب آپ نے محسوس کیا کہ اس قوم کو مزید نصیحت کرنا اب بے سود ہے تو آپ نے وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا۔ ابن اسحاقؒ سے طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے زندہ نکل آنے کے بعد چند آدمی آپ پہ ایمان لے آئے تھے جن میں ایک آپ کے چچا حاران تھے اور ایک آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ ایک آپ کی چچازاد حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جن سے آپ نے نکاح کیا آپ نے آخری بار اپنی قوم کو خطاب کیا اور دین توحید کی دعوت دی جسے انھوں نے رد کر دیا۔ تو آپ نے بھی اپنا نقطہ نظر ان پہ واضح کر دیا قرآن کی زبان سے سنیے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الممتحنہ ۶۰ : ۴)

ترجمہ:

”اور تمھارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان لوگوں میں جو ان پہ ایمان لائے اور ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم بیزار ہیں ان

سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اور ہم تمھارے معبودوں کے قائل نہیں اب ہم میں اور تم میں کھلی دشمنی ہے جب تک تم خدائے واحد پہ ایمان نہ لے آؤ''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب آپ نے اپنے بچپن کی گلیوں کو خدا حافظ کہا اپنے محبوب وطن سے اللہ کے دین کی ترویج و اشاعت کے لیے نقل مکانی کی۔ چنانچہ اس مختصر سے قافلے نے بابل و نینوا کی خوشحال ریاست کو خیر باد کہا اور اللہ کی زمین کی وسعتوں میں اہل خیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جو ان کی بات سمجھ سکیں، ان کی پہلی منزل حران تھی کچھ عرصہ وہاں قیام کیا آپ کی اگلی منزل مصر تھی۔ جب آپ مصر پہنچے تو وہاں ریقیون نامی فرعون حکومت کر رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آل فرعون کا پہلا بادشاہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ مصر نے حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنے لیے پسند کر لیا مگر اللہ کے فضل سے جلد ہی اس پہ عیاں ہو گیا کہ حضرت سارہ علیہا السلام کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے اور وہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی بیوی ہیں۔ اس پر بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نہایت قدر و منزلت کی اور جب آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو اپنی بیٹی ہاجرہ بھی ان کے ساتھ کر دی تا کہ وہ اس نیک اور بلند خاندان میں تربیت حاصل کرے اور وہیں رہے۔ بعد میں ایک مدت تک جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کا مشورہ دیا اور آپ نے حضرت حاجرہ علیہا السلام سے شادی کی اور اللہ نے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر بیٹے سے نوازا۔

حضرت ہاجرہ ،شہزادی یا کنیز

پچھلے زمانوں سے ہی بنو اسرائیل کے محققین حضرت سارہ علیہا السلام کو آزاد خاتون کہتے رہے اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی۔ دراصل اس علمی بدیانتی کے پیچھے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بلند رتبہ عطا کیا جائے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے انھوں نے یہ سارا گورکھ دھندر چایا کہ کسی طرح شانِ مصطفیٰ کو کم کیا جا سکے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام قبطی بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ تاریخ اس بارے میں واضح ہے علامہ سہیلی نے اپنی سیرت کی کتاب "**الروض الانف**" میں علامہ طبری کے حوالے سے لکھا ہے:

"غلبہ اسلام کے بعد جب اسلامی افواج کے ایک سربراہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کا محاصرہ کیا تو اہل مصر سے خطاب فرمایا کہ تم ہتھیار ڈال دو کہ ہمارے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرما دیا تھا کہ مصر فتح ہو جائے گا اور انھوں نے ہمیں اس فتح کے بعد آپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم بھی دیا ہے اس لیے تم ہماری طرف سے اپنے دل میں کوئی اندیشہ نہ رکھو، ہم تم سے بہترین رویہ اختیار کریں گے کیونکہ اہل مصر کے ساتھ ہمارا نسب کا رشتہ بھی ہے اور سسرال کا رشتہ بھی۔ اس پہ اہل مصر نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ بے شک نسب کے اس رشتے کو اللہ کا نبی ہی یاد رکھ سکتا ہے اور اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اگرچہ نسب کا یہ رشتہ بہت دور کا ہے اور تمھاری ماں ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی۔ پس عین الشمس کے

باشندوں نے ہمارے ساتھ جنگ کی اور ہمیں مغلوب کرلیا اور وہ ہماری ملکہ کو بھی اٹھا کر لے گئے اس طرح ہاجرہ ؑ ہمارے باپ ابراہیم ؑ تک پہنچیں"[32*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی سیرت" **رحمتہ للعالمین**" جلد دوم میں اس ابہام کو قدرے وضاحت سے دور کیا ہے۔آپ نے ان خصائص کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جن سے حضرت ہاجرہ ؑ متصف تھیں۔

۱۔ان کا تعلق کبیرہ مصر سے تھا اور وہ بادشاہ وقت کی شہزادی تھیں۔
۲۔آپ کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔
۳۔مکہ کی ویران وادی میں فرشتوں نے آپ کو مخاطب کیا۔
۴۔آپ حضرت اسماعیل ؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی ماں تھیں۔
۵۔آپ کو ام العرب المستعربہ کا خطاب عطا ہوا۔
۶۔آپ مکہ معظّمہ کی پہلی با قاعدہ شہری تھیں۔
۷۔آپ جدۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[33*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

کہتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ ؑ کا اصل نام ہاغار تھا جو عبرانی زبان میں تھا۔تاہم جب فرعونِ مصر نے حضرت سارہ ؑ کی کرامت دیکھی تو وہ ان سے بہت متاثر ہوا چونکہ اس نے اپنے خیال میں حضرت سارہ ؑ کو تکلیف پہنچائی تھی اس لیے اس نے بدلے کے طور پہ حضرت ہاجرہ ؑ کو جو اس کی بیٹی تھی ان کے ساتھ کر دیا تا کہ ان کا احساسِ تکلیف جاتا رہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ بدلے یا اجر کے طور پہ اس نے حضرت ہاجرہ ؑ کو حضرت سارہ ؑ کے ساتھ کر دیا۔تب انکا

نام آجر ٹھیرا۔یعنی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس مصیبت کا اجر تھیں جو حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھی۔پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ اللہ کی خاطر ہجرت کی اور مکہ آٹھیرے تاکہ وہ اوران کی اولاد بیت الحرام میں رہے اور توحید کی منادی کرے تب ان کا نام ہاجرہ علیہا السلام ہوگیا۔اس امر کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔جو امام بخاریؒ نے کتاب الانبیاء میں درج کی ہے جس میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے ان کے باپ نے عبرانی لفظ "**شفحہ**"استعمال کیا ہے جس کا مترادف عربی میں "**فاخدمها**" اور اردو میں خدمتگار ہے اور یہ لفظ ان کے لیے سب سے پہلے ان کے باپ یعنی فرعون مصر نے ادا کیا تورات بھی اسی امر کی توثیق کرتی ہے دیکھیں کتاب پیدائش (۱۰۔۴۰)۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

جب رب العالمین کو منظور ہوا کہ بنو اسماعیل علیہ السلام کو ایک مستقل اور شاندار قوم بنائے تب سیّدہ سارہ علیہا السلام نے خود حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دیا شادی کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام پہلے ہی سال بارآور ہوئیں اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی شکم مادر میں تھے تو اللہ کے سفیر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے سامنے آکر ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی اور کہا کہ تم کو بیٹا مبارک ہو تم اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ان کی اولاد اتنی کثرت سے ہوگی کہ گنی نہ جائے گی۔یہ بات بھی اللہ کے اس منصوبے کا حصہ نظر آتی ہے جس کے تحت وہ شہر مکہ کو آباد دیکھنا چاہتے تھے کہ جونہی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حمل ٹھہرا تو حضرت سارہ علیہا السلام کے خیال میں یہ آیا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام ان کو حقیر جانتی ہیں اس لیے انھوں نے خود ہی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے برا سلوک شروع کردیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زور دیا کو وہ ان کو الگ کردیں۔خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے وحی کے ذریعے اس مصلحت سے آگاہ کردیا تھا جو اس کے پیش نظر تھی۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خوشی خوشی حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لے کر مکہ کی سنسان اور بیابان وادئ میں لے اترے اور اس مقام کو آباد کیا جہاں اب مکہ معظّمہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوۡا الصَّلٰوۃَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷ ؛ ۱۴)

ترجمہ؛

''اے رب میں اپنے کنبے کا ایک حصہ اس وادیٔ میں جہاں کوئی روئیدگی نہیں آباد کرتا ہوں کہ یہ تیرے رحمت والے گھر کے پاس رہیں اور اللہ کے لیے نماز کو قائم کریں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

امام بخاری اپنی کتاب حدیث میں روایت لائے ہیں:

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ وادیٔ مکہ میں اترے تو اس وقت مکہ میں کوئی جاندار نہ تھا اور نہ ہی پانی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو چھوڑ کے جانے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے سوال کیا ہم کو یہاں کس کے بھروسے چھوڑ چلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا اللہ کے بھروسے۔اس پہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اطمینان ہوا اور کہا میں اپنے اللہ پر راضی ہوں۔[*34]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تورات کتابِ پیدائش میں مذکور ہے کہ جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس پانی ختم ہو گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے تڑپنے لگے تو تب خدا کا فرشتہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ غم نہ کر اللہ تیرے ساتھ ہے۔فرشتے نے ایک بار پھر ان کو اولادِ اسماعیل علیہ السلام کی کثرت کی خوشخبری سنائی اور پاؤں کی ٹھوکر ماری اور ایک چشمہ (زم زم) رواں ہو گیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ؛

”حاجرہ نے ایک آواز سنی تو انھوں نے کہا کہ اگر تجھ سے کچھ فائدہ ہوسکتا ہے تو سامنے آ اس پہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے سامنے آگئے انھوں نے زمین پہ اپنی ایڑی ماری تو وہاں سے پانی جاری ہوگیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

صحیح بخاری کی اس حدیث اور توراۃ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا درجہ کتنا بلند تھا کہ کبھی فرشتہ ان کے سامنے آکر بات کرتا ہے تو کبھی ان کو آسمانوں سے پکارتا ہے اور ان کی مشکلات کا سدباب کرتا ہے۔ اہل کتاب کا رویہ افسوس ناک ہے کہ وہ ان فضائل سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سیّدہ ہاجرہ علیہا السلام کے درجے کو کمتر ظاہر کرنے کے لیے انھیں لونڈی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لونڈی کی اولاد کہتے ہیں تا کہ ان کے دل میں بھڑکتی وہ آگ کسی طرح کم ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو اسماعیل کے ہاں پیدا ہونے پر ان کے سینوں میں بھڑک اٹھی تھی۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مسلمان عیسائی اور یہودی علماء اس امر میں متفق ہیں کہ فرعون مصر نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت سارہ علیہا السلام کی خدمت کے لیے دیا تھا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

امام بخاری کتاب الہبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث لائے ہیں کہ؛

”حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے مصر گئے وہاں حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہبہ میں ملیں اور حضرت سارہ علیہا السلام نے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو خبر ہے اللہ نے کافر کو ذلیل کیا اور ہم کو ایک لڑکی خدمت کے لیے دی ہے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم یہود کے ایک بلند پایہ مفسر نے توراۃ کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے ربی شلوموا سحاق نے لکھا کہ ''وہ (یعنی حضرت ہاجرہ علیہا السلام) فرعون شاہ مصر کی بیٹی تھی جب اس نے ان کرامات کا مشاہدہ کیا جو حضرت سارہ علیہا السلام کی وجہ سے واقع ہوئیں تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں خادمہ ہو کے رہنا اس سے بہتر ہے کہ کسی دوسرے گھر میں وہ ملکہ بن کے رہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ ربی شلوموکی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام فرعون مصر کی بیٹی تھیں اور یہ کہ شاہ مصر پہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عظمت بھی عیاں ہو چکی تھی جس کا رعب اس پہ اس قدر طاری ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی ان کی خدمت کے لیے وقف کرنا اپنے خاندان کے لیے باعث سعادت سمجھا۔ اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ توراۃ میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے ''امتی'' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے لیکن یہ ایسے ہی ہے جسے حضرت یوسف علیہ السلام باوجود فروخت ہو جانے کے غلام نہ تھے کہ توراۃ میں ہی فوطیفار کو یوسف علیہ السلام کا آقا کہا گیا ہے اور طوطیفار یعنی شاہ مصر کی بیوی نے بھی ان کو غلام کہا ہے۔ مگر کیا ان کے یہ کہہ دینے سے حضرت یوسف علیہ السلام غلام بن گئے تھے۔ اس لیے اگر طوطیفار کے خرید لینے سے حضرت یوسف علیہ السلام غلام نہیں بنے تھے تو حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ آ جانے سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام لونڈی کس طرح بن سکتی ہیں۔ جو لوگ عربی زبان کا ذوق رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان میں ولید جاریہ اور امۃ کے لفظ جہاں لونڈی کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہیں یہ الفاظ دختر کے لیے بھی مستعمل ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ اسلام لونڈیوں کو انھی الفاظ سے مخاطب کرتا ہے جو لڑکیوں اور دختروں کے لیے اصل لغت میں وضع ہوئے ہیں۔ اس لیے کسی لفظ کو اگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے مستعمل دیکھیں تو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا لونڈی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے جو امام بخاریؒ اپنی روایت میں لائے ہیں اور ہم کو صرف وہی الفاظ یاد رکھنے چاہییں جو نبی اکرم صل اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے اور آپ ﷺ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے ''**فَاَخْدَمَهَا**'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں خدمت گذار۔ ہم جانتے ہیں کہ خدمت کرنے سے کوئی کسی کا غلام نہیں بن جاتا۔ حضرت انس بن مالک انصاریؓ نے برسوں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مگر کسی نے انھیں آپ ﷺ کا غلام نہیں کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کا اصلی نام شیبہ تھا اور وہ ایک مدت تلک اپنے چچا مطلب کی شکر گذاری میں رہے اور خود کو عبدالمطلب کہلاتے رہے ''یعنی مطلب کا غلام'' ان کی یہ عرفیت اتنی مقبول ہوئی کہ ان کے اصل نام پہ غالب آ گئی لیکن کوئی بھی مورخ ان کو مطلب کا غلام نہیں جانتا۔ خود ہمارے ہاں کل تک دہلی اور لکھنو کے شریف گھرانوں میں لوگ اپنی بچیوں کو لونڈیا کہہ کر بلاتے رہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں نکلتا کہ ان کی حقیقی بیٹیاں ان کی کنیزیں بن گئی ہیں۔

پھر ہجرت

ابن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اچھی وضع قطع کی خاتون تھیں اس لیے جب ایک مدت تک حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہبہ کر دیا اور کہا کہ میں نے دیکھا کہ یہ عورت اچھی وضع قطع کی ہے تم اس سے نکاح کر لو شاید اللہ تمہیں اس سے اولاد دے۔ حضرت سارہ خود بانجھ تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو رہے تھے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے مقاربت کی تو اللہ نے انھیں حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمائے۔ امام بخاریؒ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مصر فتح کرو تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا اس لیے کہ ان کا تم پر صلہ رحمی کا حق اور ذمہ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام کو طبعی حزن و ملال تھا کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے فلسطین چلے گئے۔ یہ شام کا علاقہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام موتفکہ کے مقام پر اترے جو وہاں سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھا۔ علامہ طبریؒ کے مطابق اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تاجِ نبوت سے مشرف فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے وہاں پر ایک کنواں کھودا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ کنویں کا پانی نہایت میٹھا تھا جہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ریوڑ پانی پیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے تاہم وہاں کے لوگوں نے آپ سے بہت اچھا سلوک نہیں کیا اس لیے آپ ''قط'' کی طرف ہجرت کر گئے جو رملہ اور ایلیا کا درمیانی علاقہ تھا۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جن کی گود ابھی خالی تھی۔ چنانچہ جب فرشتے قوم لوط کی طرف

اللہ کا عذاب لے کر اترے تو وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اترے اور انھوں نے اس بڑھاپے میں حضرت سارہ علیہا السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت عطا کی جس پہ وہ پہلے تو شدید حیرت سے دوچار ہوئیں پھر اللہ کی اس عنایت کا شکر ادا کیا۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔ قرآن حکیم میں اس سارے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

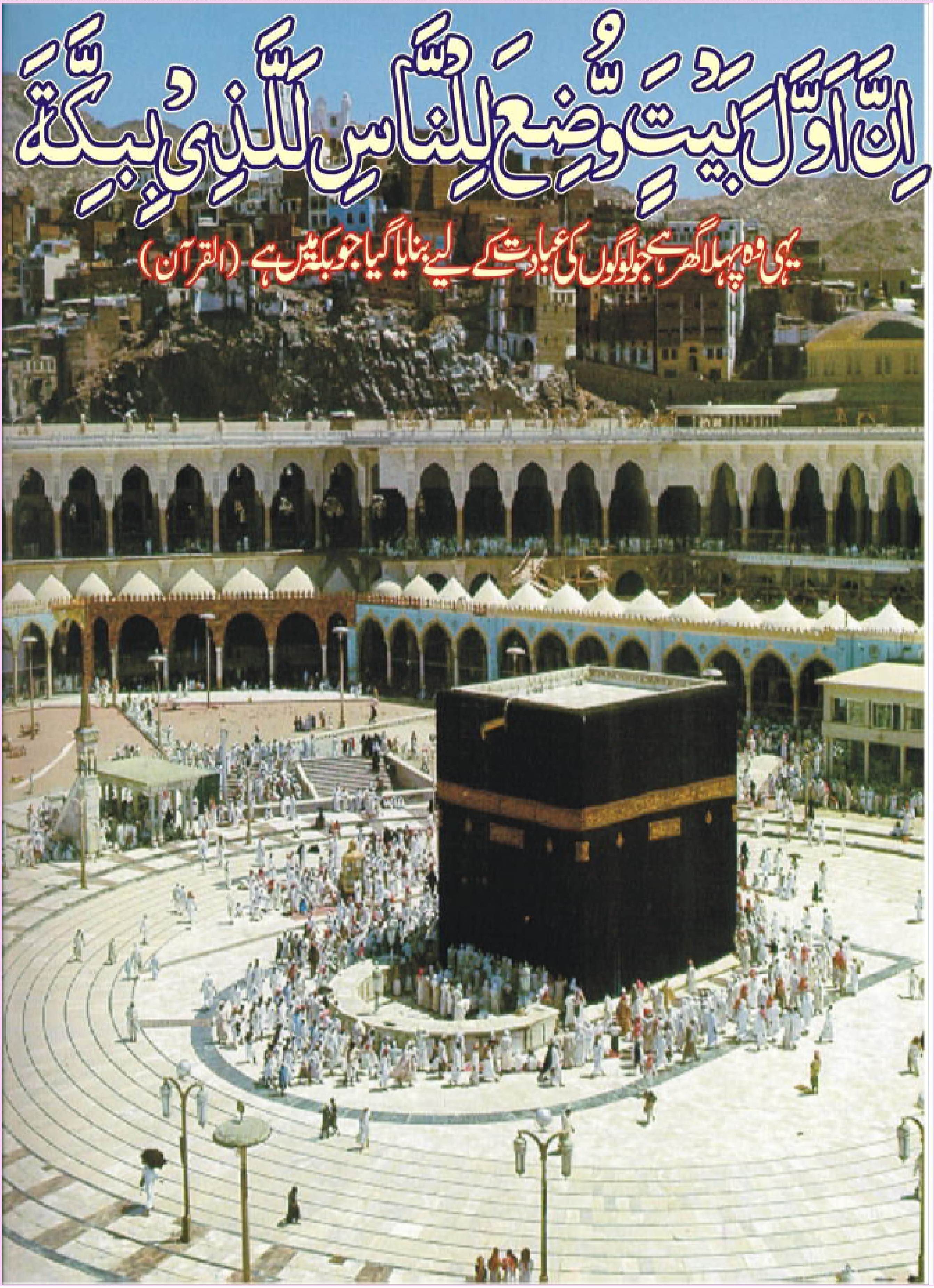
اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ
یہی وہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا جو بکہ میں ہے (القرآن)

بیت اللہ کی تعمیر

کعبہ مقدسہ کی تعمیر کے حکم سے کافی عرصہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ حکیم وجبار کے حکم کے مطابق اپنے شیر خوار بچے اور محبوب بیوی ہاجرہ علیہا السلام کو لے کر مکہ کی اس ویران وادی میں اترے تھے جو آج دنیا کا مصروف ترین شہر ہے۔جس کا کوئی دن دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے مہمانوں سے خالی نہیں ہوتا۔ کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی جب بیت اللہ کا طواف نہ کیا جا رہا ہو۔کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جب شہر مکہ کے افق سے رونق غائب ہوئی ہو۔پانچ ہزار سال سے کعبہ اللہ کے مہمانوں کا میزبان ہے۔مکہ دنیا کا عجیب شہر ہے جہاں کی روایات اور اقدار کا حامل اور کوئی شہر خطہ زمین پہ موجود نہیں کیونکہ زمین پہ اللہ کا ایک ہی گھر ہے جو مکہ میں ہے۔ہر آدمی کو فطری طور پہ اس جگہ سے محبت ہوتی ہے جہاں وہ رہتا ہے اس کے بچپن کی گلیاں ہمیشہ اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں سنہری یادوں کی صورت زندہ رہتی ہیں۔مگر مکہ عجیب شہر ہے کہ دنیا کے ایک ارب ساٹھ کروڑ لوگ اس کی گلیوں سڑکوں اور چوکوں اور بیت اللہ کی محبت میں مبتلا ہیں۔اگر چہ ان کا بچپن یہاں نہیں گذرتا مگر وہ نسبت محبت ورافتگی اور ایک ان دیکھے تعلق کی ڈوری

سے بندھے اس شہر کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں ہلکے یا بوجھل کہ

شہر مکہ میں تقدس کے وہ سائے ہیں جو دنیا میں اور کہیں نہیں،

جذبات واحساسات کے وہ منظر ہیں جو دنیا میں کہیں اور نہیں،

شہر مکہ میں ایسے درخت ہیں اور ایسی گھاس ہے جن کو اکھاڑا نہیں جاتا کاٹا نہیں جاتا جو دنیا میں کہیں اور نہیں،

شہر مکہ میں انوارِ ملائکہ کے وہ سائے ہیں جو دنیا میں کہیں اور نہیں،

شہر مکہ میں ان مقدس قدموں کے نشان ہیں جو دنیا میں کہیں اور نہیں،

شہر مکہ کی گلیوں میں محبت کی وہ خوشبوئیں ہیں جو دنیا میں کہیں اور نہیں،

شہر مکہ کی گلیوں میں دعائیں بارآور ہو جاتی ہیں کہ اتنی سرعت سے دنیا میں کہیں اور نہیں ہوتیں،

شہر مکہ کی وادیوں میں چٹیل اور بے رنگ پتھر ہیں اس کے باوجود اس زمین پہ ہمیشہ بہار رہتی ہے اس کا ہر موسم مسلمان کے لیے موسم بہار ہے اور اس کے دل کا کنول اس کے ہر موسم میں کھلا رہتا ہے۔

شہر مکہ کی راکھ مقدس سرمے کی طرح ہے جو دنیا میں کہیں اور نہیں ملتا۔

شہر مکہ میں مہمان اتنے آتے ہیں جو دنیا میں کہیں اور نہیں آتے۔

شہر مکہ کے علاوہ دنیا میں اور کوئی شہر نہیں جس کی طرف اتنی تعداد میں اور صبح وشام قافلے رواں رہتے ہوں۔

شہر مکہ اس شمع کی طرح ہے نہ جس کی روشنی کم ہوتی ہے نہ پروانوں کا جنوں۔

شہر مکہ اِک سحر کی طرح ہے جس نے کروڑوں لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور یہ اسی شہر مکہ کی داستان ہے۔ جب اس زمین پہ اللہ کا پہلا مہمان اترا۔ یہاں آباد ہونے والا پہلا خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان تھا جو اللہ کے حکم سے اس چٹیل اور بیابان وادیٔ میں اترا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس خاندان میں تین افراد شامل تھے جو سب سے پہلے اس مقدس زمین پہ اللہ کے مہمانوں کی صورت اترے۔ ان میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام شامل تھے۔ وہ مکہ کی ویران وادیوں میں اترتی ایک شام تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس وادی میں چھوڑ کر واپس پلٹے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا؟

''ہمیں یہاں کس کے سہارے چھوڑے جاتے ہو''؟

''اللہ کے سہارے''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔

اس پہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا:

تب آپ جائیں وہ یقیناً ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا''۔

یقین اعتماد اور بھروسے کا عجب معیار تھا جس پہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام فائز تھیں۔ تاہم کچھ ہی دنوں میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس موجود کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا تو ان کا بچہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام بھوک اور خاص طور پہ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے جس پہ ایک ماں کی بے چینی نہایت ہی فطری تھی۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کبھی وادی کی اس چوٹی صفا پر جاتیں کہ شاید کوئی مددگار نظر آ جائے جب وہاں کچھ نہ ملتا تو چوٹی سے اترتیں اور دوڑتی ہوئی دوسری طرف مروہ کی چوٹی پہ جا پہنچتیں کہ شاید کوئی مددگار نظر آئے یا کوئی کارواں ہی گزرتا نظر آ جائے۔ نشیب میں پہنچتیں تو تیزی سے دوڑتی ہوئی اپنے لخت جگر کو دیکھ لیتیں کہ کہیں کسی جانور نے ان کو آزار تو نہیں پہنچایا۔ اور پھر بھاگ کر چوٹی پر جا پہنچتیں۔ اسی بے قراری میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے دونوں چوٹیوں کے درمیان سات مرتبہ سعی کی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی بیقراری کی یہ ادا خالق کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے ان کی اس سعی کو شعار اللہ قرار دے دیا اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ہر اس مسلمان پر فرض کر دیا جو حج بیت اللہ کو آئے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب ساتویں مرتبہ چوٹی سے اتریں اور اپنے لخت جگر پہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان کا بچہ جہاں اپنی ایڑیاں رگڑ رہا تھا وہاں سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ یہ پانی کہیں بہہ کے ضائع نہ ہو جائے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اضطراری طور پہ پکار اٹھیں ''زم زم''۔ یعنی ''ٹھہر جا ٹھہر جا''۔

انھوں نے مٹی سے پانی کو روکا تاکہ کچھ پانی اکٹھا ہو جائے اور وہ اس سے اپنی مشک بھر لیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ اللہ اُم اسماعیل پہ رحم فرمائے کہ اگر وہ جلدی نہ کرتیں اور اس پانی کو نہ روکتیں تو زم زم ایک بہت بڑا چشمہ ہوتا۔ تب فرشتے نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے آ کر فرمایا: آپ اندیشہ نہ کریں یہ

پانی ختم ہونے والا نہیں ہے اور یہاں کے رہنے والوں کو اب پیاس کی تکلیف کبھی نہ ہوگی۔اب اس وادی کی ویرانی ختم ہونے والی ہے۔چند دنوں بعد بنو جرہم کا ایک قافلہ جو ملک شام کی طرف جا رہا تھا جب وہ اس مقام کے قریب سے گزرا جہاں حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے نومولود بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر تھیں تو انھوں نے آسمان پر کچھ پرندے دیکھے جو صرف پانی پہ منڈلاتے ہیں۔قبیلہ کے سردار نے اپنے لوگوں سے پوچھا؟ تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ یہاں پانی ہے۔انھوں نے انکار کیا اور کہا: کہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہاں دور دور تک پانی کا کوئی ذخیرہ نہیں۔ پھر ان پرندوں کی یہاں موجودگی کا کیا جواز۔انھوں نے کہا۔ذرا نزدیک جا کے دیکھتے ہیں۔اور انھوں نے دیکھا کہ ویران وادی میں پانی کا ایک ذخیرہ موجود ہے اور ساتھ ہی ایک خیمہ نصب ہے جس میں ایک عورت اپنے بچے سمیت موجود ہے۔انھوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مخاطب کیا اور کہا: اگر تم اجازت دو تو ہم یہیں مقیم ہو جائیں اور تم کو بھی مانوس کریں۔ہم پانی پہ تمھاری ملکیت کا حق بھی تسلیم کرتے ہیں۔حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ان کو یہاں اترنے کی اجازت دے دی۔یوں قبیلہ بنی جرہم اس وادیٔ کی ویرانی میں رونق افروز ہوا۔قبیلہ بنو جرہم کے لوگوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نہایت اچھا سلوک کیا اور ان کے ساتھ بہت سا وقت ہنسی خوشی گذار۔پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا انتقال ہو گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بنو جرہم ہی کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا کہ وہ مکہ جانا چاہتے ہیں تا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل سکیں حضرت سارہ علیہا السلام نے اس شرط پہ اجازت دی کہ آپ ان سے مل کے واپس آ جائیں گے اور وہاں رکیں گے نہیں۔مکہ پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام انتقال کر چکی ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کر لی ہے۔آپ خوشی خوشی اپنے بیٹے کے گھر پہنچے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر میں نہیں تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بہو سے ملے مگر اس نے آپ کے ساتھ بے رخی سے معاملہ کیا اور کہا میرا خاوند شکار کے لیے گیا ہوا ہے اور گھر میں آپ کو کھانے کے لیے پیش کرنے کو کچھ بھی نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے رخصت ہوئے اور جاتے ہوئے اپنی بہو کو پیغام دیا اسماعیل کو بتانا کہ اس طرح کا ایک شخص آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ انھیں تمھارے گھر کی چوکھٹ پسند نہیں آئی۔شام کو

جب حضرت اسماعیل علیہما السلام گھر واپس آئے تو انھوں نے اپنے گھر میں اپنے والد کی خوشبو کو محسوس کیا اور اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ میری غیر موجودگی میں کوئی شخص آیا تھا؟ تو آپ کی بیوی نے بتایا:

ہاں! اس طرح کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور اس نے کہا کہ اسماعیل کو کہنا انھیں تمھارے گھر کی چوکھٹ پسند نہیں آئی۔ حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنے باپ کو ان کی خوشبو سے پہچان لیا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان کے پیغام کو نہ سمجھتے۔ اس لیے وہ اس مخفی پیغام کے مفہوم تک بھی پہنچ گئے جو ان کے والد نے ان کے لیے چھوڑا تھا۔ چنانچہ آپ نے فوراً ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ کچھ عرصہ بعد اسی قبیلے کی ایک اور لڑکی سے شادی کر لی۔ عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیم علیہما السلام ایک بار پھر واپس پلٹے اور اپنے بیٹے کے گھر پہنچے ۔اب کی بار آپ کی بہو نے آپ کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا اور کہا:

تشریف لائیں۔ اسماعیل علیہما السلام گھر میں نہیں تھے مگر ان کی غیر موجودگی میں ان کی بیوی نے حضرت ابراہیم علیہما السلام کی خوب خدمت کی ان کو کھانے کے لیے دودھ اور گوشت پیش کیا۔ اس کے بعد اُن کا سر دھلایا ۔اور آپ کی عزت و تکریم کی۔

حضرت ابراہیم علیہما السلام شام کو واپس چلے گئے اور اپنی بہو کو پیغام دے گئے کہ اسماعیل کو کہنا کہ اس کے گھر کی چوکھٹ ہمیں پسند آئی ہے اس کو برقرار رکھے۔ شام کو حضرت اسماعیل علیہما السلام واپس آئے تو ایک مدت بعد پھر اپنے گھر میں اپنے والد کی مہک محسوس کی۔

انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کوئی مہمان آیا تھا؟ حضرت اسماعیل علیہما السلام کی بیوی نے جواب دیا: ہاں ایک بزرگ آئے تھے جن کا چہرہ بہت خوبصورت تھا اور ان کے جسم سے خوشبو بھی آ رہی تھی میں نے جانا کہ وہ بہت دور سے آئے ہیں اس لیے میں نے ان کی خدمت کی۔ آپ کی بیوی نے بتایا کہ انھوں نے آپ کے لیے پیغام بھی چھوڑا ہے"۔ وہ کیا؟

حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بے قراری سے پوچھا تو آپ کی بیوی نے بتایا کہ انھوں نے کہا مجھ سے کہا کہ انھیں تمھارے گھر کی چوکھٹ پسند آئی ہے اسے برقرار رکھنا۔ اس پہ حضرت اسماعیل علیہما السلام مسکرائے اور اپنی بیوی کو اس مخفی پیغام کی حقیقت سے آگاہ کیا جس پہ آپ کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ پھر ایک مدت گزر گئی اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پھر مکہ پہنچے۔ حضرت اسماعیل علیہما السلام سے ملے ان کو اللہ کے حکم سے آگاہ کیا کہ اللہ نے

انھیں حکم دیا کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کریں اور اس سلسلے میں تمہیں میری معاونت کرنی ہے۔جس پہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: میں اپنی پوری خوشی کے ساتھ آپ کے ساتھ شامل ہوں آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کریں۔

”علامہ طبریؒ نے تعمیر کعبہ کے حوالے سے حضرت خالد بن عروہؓ کی روایت درج کی ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ مجھے بیت اللہ کے بارے میں بتلایئے کیا یہ گھر زمین میں سب سے پہلے بنایا گیا۔حضرت علیؓ نے کہا نہیں بلکہ وہ جگہ جہاں سب سے پہلے برکت رکھی گئی وہ مقام ابراہیم علیہ السلام ہے اور جو وہاں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا اور اگر تو چاہے تو میں تجھے بتلاؤں کہ یہ بیت اللہ کس طرح تعمیر ہوا پھر واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ وحی نازل فرمائی کہ میرے لیے گھر بناؤ یہ حکم سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کو عاجز سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پہ سکینہ نازل فرمائی اور یہ سکینہ کیا تھی وہ ایک تیز رفتار ہوا ہے جس کے دو سر تھے اور وہ مجسم تھی اور اس کے دونوں سر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے تھے وہ یعنی سکینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے کر مکہ کی اس وادیٔ میں پہنچی اور بیت اللہ کی تعمیر کی جگہ پہ آ کے رک گئی پھر اس نے اس جگہ کا طواف کرنا شروع کیا جہاں بیت اللہ تعمیر کیا جانا مقصود تھا کیونکہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا تھا جہاں یہ سکینہ جا رکے وہاں تم میرا گھر تعمیر کرو۔چنانچہ نشاندہی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے گھر کی تعمیر شروع کی جب دیواریں قد سے نکلنے لگیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ایک پتھر لانے کو کہا جس پہ کھڑے ہو کے آپ اللہ کے گھر کو تعمیر کر سکیں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لائے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو پسند نہ فرمایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کسی اور پتھر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے وہ ایک اور پتھر تلاش کر کے لائے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک نہایت عمدہ پتھر پہ کھڑے کام کر رہے ہیں جس سے روشنی نکل رہی تھی تو آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا یہ پتھر کون لایا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب

دیا کہ یہ پتھر وہ لایا ہے جو تمھاری مدد پر بھروسا نہیں کرتا اور وہ پتھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمانوں سے لائے تھے“[35*]

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسلوب قرآن بھی اس سکینہ کی تائید کرتا ہے جس نے کعبۃ اللہ کی جگہ کا تعین کرنے میں آپ کی مدد کی تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ O

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ٢٢ ؛ ٢٦)

ترجمہ:

”اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور (نماز میں) رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھنا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تعمیر کعبہ کے بعد اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب لوگوں کو حج کی طرف بلاؤ۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ میرے مالک میری آواز آخر کہاں تک جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا تمھارے ذمہ آواز لگانا اور ہمارے ذمے اس کو پہنچا دینا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی اے لوگو اللہ نے تم پہ بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے تو اس کی طرف آؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق نے نہ صرف یہ آواز سنی بلکہ اس کا جواب بھی دیا۔

”لبیك الھما لبیك“

اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز سے اس شہر کی طرف آنے لگے۔

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ O

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ۲۲ ؛ ۲۷)

ترجمہ:

”(اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا) کہ لوگوں میں (حج کے) فرض ہونے کا اعلان کردو اور لوگ (تمھارے پاس) حج کے لیے چلیں آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی پتلی اونٹیوں پر بھی، جو پہنچیں گی دور دراز رستوں سے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ طبری عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عبیدؓ بن عامر سے پوچھا کہ آپ تک یہ بات کیسے پہنچی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے بلایا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی اور وہ کام کر لیا جو اللہ کو منظور تھا تو حج کا موقع آ گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اللہ کے گھر کا حج کرنے کے لیے بلایا۔ اول انھوں نے یمن کی طرف منہ کیا اور اللہ سے دعا مانگی لوگوں کو حج بیت اللہ کی دعوت دی تو جواب ملا ” **لبیك الھم لبیك**“ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف منہ کیا اللہ سے دعا کی اور لوگوں کو اللہ کے گھر کی طرف بلایا تو وہاں سے بھی وہی جواب ملا یعنی ” **لبیك الھم لبیك**“ پھر ۸ ذی الحجہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر منیٰ میں تشریف لے آئے آپ کے ساتھ بہت سے دوسرے مسلمان بھی تھے۔ وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور رات وہیں گذاری۔ پھر اگلے دن فجر کی نماز وہیں پڑھی تب آپ عرفہ آ گئے اور وہیں ٹھہرے یہاں تک کہ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ نے ظہر اور عصر کی نماز اکٹھے پڑھی پھر آپ عرفہ میں موقوف کی جگہ آئے وہاں ایک درخت کے پاس ٹھیرے اور یہی جگہ عرفہ کے اندر موقوف

ہے جہاں امام حج ٹھیرتا ہے اور لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیتا ہے۔ جب سورج غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی وہاں سے مزدلفہ آ گئے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز اکھٹے پڑھی سب نے رات وہیں گذاری۔ اگلے دن سب نے صبح کی نماز پڑھی اور مزدلفہ میں ''قزح'' کے مقام پر ٹھیرے یہ مزدلفہ کا موقوف ہے۔ پھر جب صبح خوب روشن ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام وہاں سے چل پڑے آپ ان لوگوں کو اپنے افعال دکھاتے رہے اور تعلیم دیتے رہے یہاں تک کہ آپ نے جمرہ کبریٰ کی رمی کی پھر منیٰ میں جانور ذبح کرنے کی جگہ آئے پھر نحر اور حلق کیا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر بیت اللہ آئے تا کہ لوگوں کو دکھائیں کہ طوافِ وداع کس طرح کرنا ہے۔ پھر منیٰ میں آ کر رمی کی یہاں تک کہ حج سے فارغ ہوئے اور لوگوں کو گھر جانے کی اجازت دی۔ بعض دیگر صحابہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سکھاتے رہے[36*]۔

قربانی

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب تیرہ سال کے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک عجیب خواب دیکھا جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ اپنے محبوب فرزند حضرت علیہ السلام السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ سراپا تسلیم ورضا سیّدنا ابرہیم علیہ السلام نے اس خواب کو کسی تاویل کے حوالے کرنے کی قطعی کوشش نہیں کی بلکہ خود کو اس ازحد دشوار حکم کو بجالانے کے لیے تیار کیا، گریز کی کسی راہ پہ جانے کے بجائے اس حکم الٰہی سے اپنے بیٹے کو بھی آ گاہ کر دیا۔ جسے آپ نے بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ جس نے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوش کر دیا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورة الصافات۳۷ ؛ ۱۰۲)

ترجمہ:

"اے پدر بزرگوار ! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پوچھنے کا مدّعا یہ نہ تھا کہ تو راضی ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل کروں ورنہ نہ کروں بلکہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جس صالح اولاد کی انھوں نے دعا مانگی تھی وہ فی الواقع کس قدر صالح ہے۔ اگر وہ خود بھی اللہ کی خوشنودی پہ اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی دعا مکمل طور پہ قبول ہوئی ہے اور ان کا بیٹا محض جسمانی حیثیت سے ہی ان کی اولاد نہیں بلکہ اخلاقی روحانی اور معنوی حیثیت سے بھی ان کا وارث ہے۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے استقلال اور عزم نے ثابت کیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے آپ کی دعا کو جامعیت کے ساتھ قبول کیا ہے۔

وَقَالَ اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّی سَيَهۡدِيۡنِ ○ رَبِّ هَبۡ لِی مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ○
فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷ ؛ ۱۰۰)

ترجمہ:

”تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری راہنمائی کرے گا ،اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو (اس دعا کے جواب میں اللہ نے فرمایا) تب ہم نے اس کو (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک حلیم اور بردبار بیٹے کی بشارت دی“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور جنگل کی راہ اپنائی۔ اسے ماتھے کے بل زمین پہ لٹایا اور اللہ کی رضا کی خاطر وہ عمل ثقیل شروع کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں موجود ہی نہ تھی۔ انھوں نے اپنے محبوب لختِ جگر کے گلے پر چھری چلا دی تب نِدا آئی بس اے براہیم اپنا ہاتھ روک لے تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷ ؛ ۱۰۵)

ترجمہ!

''اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لے) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یعنی اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ہے جو اس سے محبت رکھتا اور اسی محبت کے صلے میں وہ اپنی زندگی بھر کے سرمائے کو اس کی راہ میں قربان کر رہا ہے۔ اس کا بیٹا جو اس کی دعا ہے اور اللہ کی عطا ہے وہ بھی صبر و وفا کا پیکر ثابت ہوا ہے اور اسے بھی اپنی زندگی سے زیادہ اللہ کی خوشنودی سے محبت ہے تو زمین و آسمان کو ہلا دینے والے اس منظر نے اللہ کی رحمت کو کس عروج پہ پہنچا دیا ہو گا اس کو بیان کرنے کے لیے لفظوں کا دامن نہایت تنگ محسوس ہو رہا ہے کہ بہت سے احساسات لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ لفظوں سے ماوراء ہوتے ہیں۔ الفاظ میں ایسی کیفیات کو بیان کرنے سے بعض اوقات واقعہ کی حقیقی شان کچھ گھٹ کے ہی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ آپ کو ایک مینڈھا عطا فرمایا جسے آپ نے اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس لازوال یقین محکم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی استقامت اور صبر کو آنے والی نسلوں میں یادگار بنا دیا گیا۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ نے محسنین کا درجہ بیان فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ جو لوگ احسان کی روش اختیار کرتے ہیں ہم ان کے اوپر آزمائشیں اس لیے نہیں ڈالتے کہ انھیں خواہ مخواہ تکلیفوں میں ڈالیں اور رنج و غم میں مبتلا کریں بلکہ یہ آزمائشیں ان کی فضیلتوں کو ابھارنے کے لیے اور انھیں بلند مراتب عطا کرنے کے لیے ان پر ڈالی جاتی ہیں۔ پھر آزمائش کی خاطر ہم انھیں جس مخمصے میں ڈالتے اس سے انھیں بہ خیریت نکال بھی لیتے ہیں جیسے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نکالا۔ دیکھو کہ اللہ کو تمھارے بیٹے کی قربانی درکار نہ تھی بلکہ وہ تمھارے خلوص کو جانچنا چاہتا تھا۔ اگرچہ اسے ہر بات کا پہلے ہی علم ہوتا ہے اس

لیے اس قربانی کے لیے تمھاری تیاری اور آمادگی ہی اس بات کے لیے کافی ہوگئی کہ ہم تمہیں وہ بلند مرتبہ عطا کر دیں جو ہماری خوشنودی پر واقعی اپنا بیٹا قربان کرنے والے کو مل سکتا تھا۔اس طرح ہم نے تمہیں تمھارے بیٹے کی زندگی بھی بخش دی اور تمہیں بلند مرتبہ بھی عطا کر دیا کہ اللہ کے نزدیک مقصد یہ نہ تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ سے تمھارے بیٹے کو ذبح کرا دیتا بلکہ اصل مقصود تو اس بات کا امتحان لینا تھا تمہیں ہمارے مقابلے میں دنیا کی کوئی اور چیز تو زیادہ عزیز نہیں۔مگر تم امتحان میں کامیاب ہوئے اور ہم نے اسے بڑی قربانی قرار دیا اور قیامت تک کے لیے اسے تمھاری سنت جاریہ بنا دیا کہ اسی تاریخ کو تمام عالم کے لوگ دنیا بھر میں جانور قربان کر کے وفاداری اور جانثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے رہیں۔ ان شاءاللہ

ذبیح کون؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے دو بہت بڑی قومیں پیدا ہوئیں۔ایک بنواسحاق جنھیں بنواسرائیل بھی کہا جاتا ہے اور جن کے گھر سے دنیا کے دو بڑے مذاہب نصرانیت اور یہودیت نے جنم لیا اور روئے زمین کے بہت بڑے حصے کو اپنا حلقہ بگوش کیا۔ دوسرے بنواسماعیل جو نزول قرآن کے وقت تمام عرب کے مقتدا و پیشوا تھے اس وقت ان میں سے قبیلہ قریش کو مکہ معظّمہ میں عزت وشرف کا مقام حاصل تھا۔درست طور پہ تو اس امر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ بنواسحاق یعنی بنواسرائیل کب بنواسماعیل سے حسد کے رشتے میں بندھ گئے تاہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل ہی بنی اسرائیل نبی اسماعیل سے نالاں تھے۔بنواسحاق چونکہ کتاب کے حامل تھے اس لیے وہ عربوں کو اپنے سے کم تر جانتے تھے اور شاید اس امر کے پیچھے بھی ان کا حسد ہی کارفرما تھا کہ انھوں نے اپنی کتاب میں تحریف کرتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ بتایا۔حالانکہ باوجود ان کی تحریفات کے ان کی کتاب مقدسہ میں بے شمار ایسے مقامات موجود ہیں جو اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کی تحریف اس روشنی کا راستہ روکنے میں مکمل طور پہ کامیاب نہ ہوسکی جو خالق اپنی مخلوق تک پہنچانا چاہتا تھا۔چنانچہ ذبیح اللہ کے معاملے میں بھی دیگر قرائن کے علاوہ خود تورات بھی اس امر پہ گواہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔کتابِ پیدائش میں

مذکور ہے:

''خدا نے ابرہام کو آزمایا اور کہا اے ابرہاہم.........تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریا کے ملک جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پہ چڑھا

بائبل (کتاب پیدائش۔۔۔۔ ۲۲ : ۱۔۲)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

جہاں ایک طرف بائبل کا یہ بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ جل وجلالہٗ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی مانگی دوسری طرف یہ بھی کہا جارہا ہے کہ وہ تیرا اکلوتا بیٹا ہے۔ حالانکہ خود بائبل اور بعد میں قرآن نے اس بات کو قطعی طور پہ متعین کردیا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کبھی اور کسی بھی دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اکلوتی اولاد نہ تھے۔ وہ اکلوتے کس طرح ہو سکتے تھے جبکہ ان سے تیرہ چودہ سال قبل اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرما دیئے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں بائبل کی مندرجہ ذیل تصریحات کا مطالعہ کریں جس سے ہمارا نقطہ نظر نہ صرف واضح ہو جاتا ہے بلکہ یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد تھے تو پہلی اولاد کی موجودگی میں دوسری اولاد اکلوتی کس طرح ہوسکتی ہے ؟؟؟

''اور ابرہام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی اُس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابراہام سے کہا کہ دیکھ خدا نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو اور ابرہام نے ساری کی بات مانی اور ابراہام کو ملک کنعان میں رہتے دس سال ہوگئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی''

بائبل (کتاب پیدائش۔۱۶ : ۱۔۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسماعیل رکھنا"

بائبل (کتاب پیدائش ۔۱۶ : ۱۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"اور جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوئے تب ابراہام چھیاسی برس کے تھے"

بائبل (کتاب پیدائش ۔ ۱۶ : ۱۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"خداوند نے کہا ابرہام سے کہ ساری جو تیری بیوی ہے۔۔۔اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔۔۔تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔۔۔جو اگلے سال اسی وقت معین پر پیدا ہوگا۔۔۔تب ابراہام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور گھر کے سب۔۔۔۔مردوں کو لیا اور اسی روز۔۔۔۔خداوند کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔۔۔۔ابرہام ننانوے برس کا تھا جب اس کا ختنہ ہوا۔۔۔اور جب اسماعیل کا ختنہ ہوا تو وہ اس وقت تیرہ برس کا تھا"

بائبل (کتاب پیدائش ۔ ۱۷ : ۱۵ ۔ ۲۵)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تب ابرہام سو برس کا تھا"

بائبل (کتاب پیدائش ۔۲۱ : ۵)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس سے بائبل کی تضاد بیانی کھل کے سامنے آجاتی ہے ظاہر ہے کہ چودہ برس تک تنہا حضرت اسماعیل

علیہما السلام ہی حضرت براہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔تو اب اگر ان سے ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی مانگی گئی تھی تو وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے تھے۔حضرت اسحاق علیہ السلام کس طرح ہو سکتے تھے جب کہ وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔اب اسی معاملے میں ہم قرآن سے نظائر پیش کرتے ہیں تا کہ معاملے کی حتمی صورت کھل کے سامنے آجائے۔اس لیے کہ قرآن کے بعد ہمارے لیے کسی اور بات پہ یقین کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے،محفوظ کتاب ہے،حتمی کتاب ہے،فارق کتاب ہے،مبین کتاب ہے جس سے منہ موڑنا تباہی کو دعوت دینا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ ○ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ○ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ○ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ○ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ○ سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ○ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ○ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷ ؛ ۹۹۔۱۱۲)

ترجمہ:

ابراہیم نے کہا''میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری راہنمائی فرمائے گا اے پرور دگار مجھے ایک بیٹا عطا فرما جو صالحین میں سے ہو(اس دعا کے جواب میں)ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار)لڑکے کی بشارت دی وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو (

ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے آپ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے نِدا دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی سلام ہے ابراہیم پر ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی ایک نبی صالحین میں سے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے ایک بیٹے کی دعا کی جسے اللہ نے قبول فرمایا۔اس کے بعد آپ کو وہ خواب دکھایا گیا جس میں آپ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔آپ نے اس خواب کو سچ جانا اور اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کو تیار ہو گئے۔جسے اللہ نے اپنی حکمت سے بچا لیا اور اسے بڑی قربانی قرار دیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل پہ اللہ نے اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں کیا کہ وہ یقیناً ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار محسنین میں فرمایا اور انعام کے طور پہ ایک اور بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری بھی دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ وہ صالح ہوگا اور نبی بھی ہوگا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشی دوگنی ہو جائے۔اب قرآن کے حوالے سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔تاہم ان امور پہ بحث ابھی باقی ہے کہ وہ کون سی تاریخی روایات تھیں جن کی بنا پر اسلامی روایات میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے اور بہت سے بلند پایہ صحابیؓ اور علمائے تاریخ و اہل سیر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیتے ہیں۔چنانچہ مفسرین اور علمائے تاریخ نے صحابہ رضوان اللہ علیہ اور تابعین کی جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام

تھے اس گروہ میں حسب ذیل بزرگوں کے نام ملتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، قتادہؒ، عکرمہؒ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، مجاہد، شعبیؒ، مسروقؒ، مکحولؒ، زہریؒ، عطاؒ، مقاتلؒ، سدیؒ، کعب احبارؒ، زید بن اسلمؒ اور علامہ طبریؒ کے نام ملتے ہیں۔ کچھ دوسرے لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

ان میں بھی جلیل القدر لوگ شامل ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت معاویہؓ، عکرمہؓ، مجاہدؒ، یوسف بن مہرانؒ، حسن بصریؒ، محمد بن کعب القرظیؒ ، علامہ شعبیؒ ، سعید بن المسیبؒ ، علامہ ضحاکؒ ، محمد بن علی بن حسینؒ (محمد الباقر)، ربیع بن انسؒ، احمد بن حنبلؒ وغیرہم شامل ہیں۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

مگر جب ہم ان دونوں نقطہ نظر کی شہادت دینے والوں کی اس فہرست پہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متعدد نام مشترک ہیں یعنی ایک ہی بزرگ سے دو مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے تو دوسری طرف عطا ابن ابی رباحؒ بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے ہی روایت درج کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ روایت میں یہ الفاظ اضافی ہیں کہ "یہودی جو یہ کہتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جھوٹے ہیں" اسی طرح حضرت حسن بصریؒ سے ایک روایت ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے تھے مگر عمرو بن عبید کا دعوی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کو اس امر میں کوئی اشتباہ نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اس اختلافِ روایات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمائے اسلام میں سے بعض پورے جزم و وثوق کے ساتھ یہ رائے دیتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جیسا کہ ابن جریر طبریؒ اور علامہ قاضی عیاضؒ وغیرہ، ان کے برعکس مسلمان علماء ہی کا ایک گروہ قطعی طور پہ حکم لگاتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، مثلاً علامہ ابن

کثیرؒ اور علامہ شبعیؒ وغیرہ اور بعض اس معاملے میں تذبذب کا شکار ہوئے اور کوئی حتمی رائے دینے سے گریز کی راہ اختیار کی۔ جیسے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ اضحاقؒ وغیرہ، تاہم اس معاملے میں اگر نگاہ عمیق سے تمام نظائر کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر ہر اشتباہ سے پاک نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اور حسب ذیل دلائل معاملے کو ہر پہلو سے واضح کر دیتے ہیں[37*]۔ اوپر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک صالح بیٹے کے لیے دعا کی تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔ فحوائے کلام صاف بتا رہا ہے کہ یہ دعا اس وقت کی گئی جب آپ بے اولاد تھے اور بشارت جس لڑکے کی دی گئی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو آپ کے پلونٹھی کے بیٹے تھے۔ پھر یہ بات بھی قرآن ہی کے سلسلہ کلام سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہی بچہ جب باپ کے ساتھ چلنے دوڑنے کے قابل ہوا تو اسے ذبح کرنے کا اشارہ فرمایا گیا۔ چنانچہ اب یہ بات قطعی طور پہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پلوٹھے کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ خود قرآن میں دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی ترتیب اسی طرح بیان کی گئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ○

ترجمہ:

سب تعریفوں کا سزاوار وہ اللہ ہی ہے جس نے (مجھے کو یعنی براہیم کو) اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے عطا فرمائے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی ہے وہاں ان کے لیے غلام علیم (علم والے لڑکے) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ " **فَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ** " (الذاریات ۔۲۸) آپ کو ایک فرزند کی بشارت ہو جو بڑا عالم ہوگا۔ جب کہ سورۃ

الحجر میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا " لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ " (سورۃ الحجر ۵۳) آپ خائف نہ ہوں ہم آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا اور جب آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی گئی تھی تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے" وَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے مژدہ سنایا انھیں ایک حلیم فرزند کا) ان آیات سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں صفت حلم غالب تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام میں صفت علم، اور یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلم ہی تو تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے بغیر کسی تردد کے کہا" اے میرے پدر بزرگوار آپ کو جو حکم ملا ہے آپ اس کی تعمیل فرمایئے آپ انشااللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر قرآن مجید میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دے دی تھی کہ ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا جلیل القدر بیٹا بھی پیدا ہوگا۔

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کی پیدائش کی خبر دیتے ہی ساتھ یہ خبر بھی دی جا چکی ہو کہ اس کے ہاں ایک لائق بیٹا پیدا ہوگا اور اگر اس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب دکھایا جاتا ہے کہ اس کو ذبح کرو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ اس بیٹے کو قربان کرنے کا اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے اس کی تاویل کی ہے کہ ممکن ہے یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت دکھایا گیا ہو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہو چکے ہوں مگر درحقیقت یہ ایک نہایت ہی بودی تاویل تھی۔ اس لیے کہ قرآن کا اسلوب بیان اس کی تردید کر رہا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الصافات میں ذبیح کے متعلق یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں "اور جب وہ دوڑنے چلنے کے قابل ہوگیا " تب یہ خواب دکھایا گیا اور ان الفاظ کو جو بھی شخص خالی الذہن ہو کے پڑھے گا اس کے تصور میں یقیناً آٹھ دس برس کے ایک بچے کی تصویر ہی آئے گی اور کوئی بھی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ جوان بیٹے کے لیے بھی یہ الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں۔ ہمارے استدلال کو تقویت پہنچانے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس قصہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ "ہم نے اسے اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی بیٹا نہیں ہے جسے ذبح کرنے کا اشارہ کیا گیا تھا بلکہ اس سے پہلے کسی اور بیٹے کی بشارت دی جا چکی تھی اور جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اللہ کی طرف سے اسے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے اس امتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تب ان کو ایک اور بیٹے

یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔ چنانچہ واقعات کی یہ ترتیب قطعی طور پہ یہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس صاحبزادے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ کسی صورت بھی حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں ہو سکتے بلکہ ذبیح اللہ ان سے کئی سال پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ مگر علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس امر کی بھی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ واقعات کی اس صریح ترتیب کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ پہلے صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی اور پھر جب وہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر اس کی راہ میں قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو اس کا انعام انھیں اس شکل میں عطا کیا گیا کہ ان کے نبی ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔

تاہم ان کی یہ تاویل ان کی پہلی تاویل سے بھی کمزور ہے اور اس تاویل کو سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے رد کرتے ہوئے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ اگر علامہ طبری کی اس بات کو درست مان لیا جائے تو آیات کی ترتیب مختلف ہوتی اور اللہ تعالیٰ یوں نہ فرماتا "کہ ہم نے اس کو اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی ایک نبی صالحین میں" بلکہ اللہ یوں فرماتا کہ "ہم نے اس کو یہ بشارت دی کہ تمھارا یہی لڑکا ایک نبی ہوگا صالحین میں سے" مزید براں بہت سی معتبر روایات اور تاریخی آثار بھی اس امر کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ تھے۔ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مینڈھا عطا کیا تھا اس کے سینگ مدت دراز تک کعبۃ اللہ میں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور عامر شعبیؒ دونوں اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ انھوں نے خود خانہ کعبہ میں یہ سینگ دیکھے تھے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے تک یہ سینگ کعبۃ اللہ میں ہی موجود تھے۔ جب حجاج بن یوسف نے حرم پاک میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا اور کعبہ تک کی عمارت کو مسمار کر دیا گیا تو اس وقت یہ سینگ بھی دست برد زمانہ کی نظر ہو گئے۔ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں مزید لکھتے ہیں کہ ان سینگوں کی کعبۃ اللہ میں موجودگی اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ بڑی قربانی کا یہ واقعہ شام میں نہیں (جیسا کہ یہودی کہتے ہیں) بلکہ مکہ میں پیش آیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا اسی لیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ میں اس کی یادگار محفوظ رکھی گئی۔ تاریخ عالم کے سرسری مطالعے سے بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مسلمان ہی وہ واحد امت ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کو نہ صرف یاد رکھا بلکہ ساڑھے چار ہزار سال کا متواتر عمل اس بات کا شاہد ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کے حقیقی وارث بنی اسماعیل ہیں نہ کہ بنی اسرائیل کیونکہ بنو اسحاق میں کبھی کوئی ایسی رسم جاری نہیں رہی جس میں ساری قوم بیک وقت قربانی کرتی ہو اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار قرار دیتی ہو۔ جبکہ یہ بات صدیوں سے عرب کی روایات میں محفوظ چلی آ رہی تھی کہ قربانی کا یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا تھا اور یہ صرف روایت ہی نہ تھی بلکہ اس وقت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مناسک حج میں یہ رسم برابر چلی آ رہی تھی کہ لوگ اسی مقام منیٰ پر جا کر اسی جگہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی تھی اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل عرب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ نے بھی اسی قدیم طریق کو باقی رکھا حتیٰ کہ آج تک حج کے موقع پر دس ذی الحج کو منیٰ میں قربانی کی جاتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی استقامت اور صبر کی لازوال داستان سے یادگار ہے۔ جو لوگ منیٰ نہ جا سکیں وہ اپنے اپنے مقام پر سنت ابراہیم کی پیروی میں جانور قربان کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

قیامت تک اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ یہ رسم خطہ ارض سے موقوف ہو جائے الا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والے زمین سے نابود ہو جائیں جب کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ قرآن وسنت کی تعلیمات اس بات کی شاہد ہیں کہ زمین پہ اور کوئی امت رہے نہ رہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے موجود رہیں گے۔ ان شاء اللہ

حاکمؒ اپنی کتاب حدیث مستدرک میں حضرت امیر معاویہؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں جو اس بات پہ دلیل پیش کرتی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے:

> ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اس نے عرض کی یارسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم میں اپنے پیچھے ایک ایسا وطن چھوڑ آیا ہوں جو خشک سالی کا شکار ہے جہاں پانی کے ذخیرے خشک ہو گئے ہیں میں اپنے پیچھے ایسا مال چھوڑ آیا ہوں جو خستہ حال ہے قحط کے باعث مال ہلاک ہو گیا ہے اور اہل وعیال ضائع ہو گئے تو اے اللہ کے نبی اللہ نے آپ کو جو عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمایئے اے ذبیحین کے فرزند ؛حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن ذبیحین کا لفظ سن کر رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم

نے تبسم فرمایا اور اس کی تردید نہیں کی اور ذبیحین سے مراد حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما الصلواۃ والسلام ہیں''[*38]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اتنے واضح دلائل کے بعد یہ بات قابل تعجب نظر آتی ہے کہ خود امت مسلمہ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا خیال آخر کیسے پھیل گیا اور یہودیوں نے اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس شرف سے محروم کر کے اپنے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف اسے منسوب کرنے کی کوشش کی ہے تو یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن آخر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے یہودیوں کے اس تصور کو کیسے قبول کر لیا اس سوال کا ایک بہت شافی جواب علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دیا ہے۔

''حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے مگر بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ دراصل یہ سارے اقوال جو حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں کعب احبار سے منقول ہیں کعب احبار حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان ہوئے وہ کبھی کبھی یہود و نصاریٰ کی قدیم کتابوں کے مندرجات پڑھ کے حضرت عمرؓ کو سنایا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ انھیں سن لیا کرتے تھے اسی بنا پر دوسرے لوگ بھی ان کی باتیں سننے لگے اور وہ سب رطب و یابس جو وہ بیان کرتے تھے بعد میں انھی کو روایت کرنے لگے حالانکہ امت کو ان کے اس ذخیرہ علم میں سے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی''[*39]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس سوال پہ مزید روشنی محمد بن کعب قرضی کی اس روایت سے پڑتی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاں یہ سوال چھڑا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے یا حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ اس وقت ایک صاحب بھی مجلس میں موجود تھے جو پہلے یہودی علماء میں سے تھے اور بعد میں سچے دل سے مسلمان ہو چکے تھے وہ بیچ میں بولے امیر المومنین'' خدا کی قسم ذبیح اللہ حضرت

اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اور یہودی اس بات کو خوب جانتے ہیں مگر وہ عربوں سے حسد کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ یہودی پروپیگنڈا ہی کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں بھی یہ خیال جڑ پکڑ گیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے مسلمان چونکہ علمی معاملے میں ہمیشہ غیر متعصب رہے ہیں اس لیے ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہودیوں کے ان بیانات کو جن کو وہ قدیم صحیفوں کے حوالے سے تاریخی روایات کے بھیس میں پیش کرتے تھے محض ایک علمی حقیقت سمجھ کر قبول کرلیا اور اس میں چھپے تعصب کو محسوس نہ کرسکے، اللہ ہم پہ رحم فرمائے۔

چراغ شب آخر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی استقامت، اطاعت، صبر اور قربانی سے عبارت ہے۔ آپ نے عمر بھر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی عراق کے نمرود کے ساتھ معرکہ آرا نظر آتے ہیں تو کبھی شام وفلسطین کے وسیع ریگ زاروں میں اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑتے نظر آتے ہیں، تو کبھی بیت اللہ کی دیواریں کھڑی کرتے نظر آتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف راغب کرنا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے اور اس کی طرف سے عطا کیے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے اور اپنے اندر اس بات کی آرزو رکھتے تھے کہ دنیا کے سب انسان مالک کائنات کے مطیع ہو کر رہیں اور اس علم کے مطابق اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کریں جو خدا نے ان کے لیے اتارا ہے۔ تاکہ ان پہ رحم کیا جاسکے۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے انھیں دنیا کا امام و پیشوا بنایا گیا۔ اُن کی وفات کے بعد اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اُن کی اولاد کو چنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کہلائے جو عرب ہی میں رہی۔ چنانچہ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور جو عرب قبیلے نسلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نہ تھے وہ بھی چونکہ ان کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے اس لیے وہ اپنا سلسلہ نسب انھی سے جوڑتے تھے۔ حضرت براہیم علیہ السلام کے بعد امامت کا منصب ان کی نسل کی

اس شاخ کو ملا جو آپ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے ان کی نسل سے جو انبیاء لوگوں کو اللہ کی دعوت پہنچانے پر مامور ہوتے رہے انھیں اور ان کی اقوام کو بنو اسرائیل کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن میں اولاد ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر کیا ہے جو انھیں دوسرے انسانوں پہ حاصل تھی۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحاً هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطاً وَكُلاًّ فضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ۷ ؛ ۸۳-۸۵)

ترجمہ؛

"پھر ہم نے ابراہیم کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد عطا فرمائی اور ہر ایک کو راہ راست دکھائی (وہی راہ راست) جو اس سے پہلے ہم نے نوحؑ کو دکھائی تھی اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰ اور ہارونؑ کو ہدایت بخشی اسی طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں (اسی کی اولاد سے) زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاس کو (راہ یاب کیا) ان میں سے ہر ایک صالح تھا (اسی کے خاندان سے) اسماعیلؑ، الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو رستہ دکھایا ان میں سے ہر ایک کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا کی نیز ان کے آباؤ اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا، انھیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی"۔

ایک مدت دراز تک حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ہی سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے اسی کو راہ راست کا علم دیا گیا۔اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہ راست کی طرف اقوام عالم کی راہنمائی کرے۔انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا جب تک یہ قوم امامت کے منصب پہ فائز رہی بیت المقدس ہی دعوت اِلی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور جدوجہد اس طاغوت کے خلاف تھی جس میں لوگوں نے توہمات کی بنا پر اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔وہ اپنے حقیقی معبود سے باغی ہو کر اس کے ملک اور رعیت میں اپنا حکم چلانے لگے تھے۔یہ بغاوت کا آخری درجہ ہے جس کے لیے قرآن نے طاغوت کا لفظ استعمال کیا ہے۔اللہ کے انبیاء کی جدوجہد اور دعوت کی بنیاد ہی اس طاغوت کے انکار پہ رکھی تھی اور وہ لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے آزاد کرا کے اللہ کی اطاعت میں دینے پر مامور تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی اسی طاغوت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

قدیم زمانوں سے کر آج تک تمام مشرک سوسائٹیوں میں یہ قدر مشترک رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب اور خدائے خدائیگان کی حیثیت سے تو مانتے رہے ہیں مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور محبوب ماننے سے انکاری تھے۔انھوں نے مذہبی حلقوں کے ساتھ ملی بھگت سے اللہ کی شہنشاہی کو ہمیشہ سے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ایک اللہ کی فوق الفطری خدائی جو سلسلہ اسباب پہ حکمران ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دستگیری کے لیے رجوع کرتا ہے۔اس خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح اور فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھیراتا ہے۔وہ انھی سے اپنی دعائیں مانگتے ہیں اور انھی کے سامنے سب مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور انھی کے آستانوں پہ اپنی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔خدائی کا دوسرا حصہ تمدنی اور سیاسی معاملات سے متعلق ہے یعنی ایسی حاکمیت جو قانون حیات مقرر کرنے کی مجاز اور اطاعت امر کی مستحق ہو اور جسے دینوی معاملات میں بھی فرمانروائی کے متعلق اختیارات حاصل ہوں۔چنانچہ خدائی کے اس دوسرے حصے کو دنیا کے تمام مشرکین قریب قریب ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے وقت کے شاہی خاندانوں مذہبی پروہتوں اور سوسائٹی کے اگلے پچھلے بڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور تاریخ کے دریچوں میں مزین اکثر حکمران خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے دعویدار ہوئے ہیں۔

اس تصور کو عوام کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے انھوں نے آسمانی خداؤں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا اور مذہبی طبقے اس معاملے میں ہمیشہ ان کے شریک کار رہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ حق کی دعوت دی تو وقت کا بادشاہ نمرود ان کے آڑے آیا جس کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ وہ آسمانی خداؤں کا اوتار ہے۔ نمرود بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر نہ تھا اور نہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کا مدبر وہ خود ہے اور نہ یہ کہ اسباب عالم کے پورے سلسلے پہ اسی کی حکمرانی چل رہی ہے۔ بلکہ اسے دعویٰ صرف اس امر کا تھا کہ وہ ملک یعنی عراق کا اور اس کی رعیت کا حاکم مطلق ہے اور یہ کہ میری زبان اور میرا حکم ہی ملک کا قانون ہے اور میں کسی اور قوت کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی اور غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دین حق کی دعوت دی تو نمرود نے حیرت اور رعونت کے ساتھ پوچھا کہ تمھارا خدا کون ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صرف ایک رب العالمین ہی کو خدا اور معبود جانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی خدائی اور ربوبیت کا انکاری ہوں۔ جب نمرود اور اس کے حواریوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا باریکی سے جائزہ لیا تو انھوں نے جانا کہ بات صرف قومی مذہب اور مذہبی معبودوں تک محدود نہیں بلکہ اس کی زد براہ راست نمرود کی مملکت اور سیاسی اقتدار پہ بھی پڑتی ہے یہی وجہ ہے نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور بعد ازاں انھیں آگ میں ڈال دیا گیا جس کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

آگ سے زندہ نکل آنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی اس خدائی سے ہجرت کر جاتے ہیں اور اللہ کی وسیع زمین میں نکل جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس علم خاص سے نواز سکیں جو اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ اسی تگ و دو میں گزرا کہ لوگوں تک اس پیام خیر کو زیادہ سے زیادہ منتقل کیا جائے جو اللہ کی طرف سے ان پہ اتارا گیا تھا۔ اگرچہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے لاکھوں پیغمبر زمین پر اتارے تاکہ وہ ان کو سیدھی راہ دکھا سکیں مگر اپنے بعض پیغمبروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو غیر معمولی محبت تھی اور بارگاہ الٰہی میں ان کا خاص مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی پیغمبروں میں شامل تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنے ان احسانات کا ذکر بھی کیا جو اللہ نے ان کے ساتھ اپنی محبت کی وجہ سے کیے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ کے لیے ہر مرحلہ پہ اپنی محبت اور

استقامت کا ثبوت فراہم کیا اور اللہ کی بندگی کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کیا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو غیر معمولی رتبوں سے نوازا مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت جلیل القدر اور صالح اولاد عطا کی جب عام طبعی اصولوں کی رو سے اولاد جیسی نعمت پانے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

اللہ نے بڑھاپے میں آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام جیسی لازوال نعمت سے نوازا جب وہ خود اور ان کی بیوی تک تمام عمر بے اولاد رہ کر اب قطعی طور پہ خوشی کے اس امکان کو رد کر چکے تھے تب اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو اولاد عطا کی بلکہ ایسی بے نظیر اولاد عطا کی جس کا ذکر رہتی دنیا تک محفوظ رہے گا کہ جب تک اس دنیا میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان رکھنے والا ایک شخص بھی موجود ہے اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کا تذکرہ باقی رہے گا۔پھر یہ بھی دیکھیں کہ دنیا میں اور کوئی نبی ایسا نہ ہوا جن کے ہاں مسلسل چار نسلوں تک انبیاء ہی پیدا ہوتے رہیں یعنی خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور پیغمبر تھے،ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام بھی جلیل القدر پیغمبر تھے پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ آپ کو بہت ہی صالح اولاد عطا کی بلکہ ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی عطا فرمادی کہ ان کے یہ دونوں بیٹے بہت بابرکت ثابت ہوں گے اور ان کی نسل سے بڑی بڑی قومیں آباد ہوں گی اور وہ ان کے جداعلیٰ ہوں گے۔ان کی اولاد کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ گنی نہ جائے گی۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی اپنا ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

آپ نے شام کا ملک اسحاق علیہ السلام کو عطا فرمایا تا کہ ان کو اپنے ننھیال کا قرب حاصل رہے۔عرب کا ملک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے کیا تا کہ ان کو بھی قرابتداروں کا تعاون حاصل رہے۔پھر یہ بھی ہے کہ دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا ملک نہ تھا تا کہ وقت پر ایک بھائی دوسرے کی اعانت وامداد کرتا رہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنوجرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی تھی ۔بنوجرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا اور مضاض اپنے علاقے کا واحد فرمانروا تھا۔حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی اپنے ننھیال میں ہوئی تھی۔ایک طویل عرصہ تک ایک ہی باپ کی اولاد مصر اور بابل کے قدیم اور علم و تہذیب کے وارث علاقوں کے حکمراں بنے رہے۔بحر ہند سے لے کر بحر احمر تک کی اہم بندرگاہوں پہ انھی

کی اولادوں کا قبضہ تھا اور وہ وقت کی متمدن دنیا کی تجارت پہ اپنا کنٹرول رکھنے کے قابل ہو گئے تھے [40*]۔دوسری طرف عرب کا اندرونی حصہ بھی انھی کے قبضے میں تھا جو ان کے لیے غیر اقوام سے بچاؤ کے لیے ہمیشہ ایک نا قابل تسخیر حصار ثابت ہوا۔اس طرح اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی نسل سے پیدا ہونے والی اولادوں میں جسمانی بُعد بڑھتا رہا اور وہ اپنے اپنے علاقوں میں مقیم اور مگن رہے۔تاہم تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا انتظام فرمایا کہ بہت سے مواقعوں پر ان دونوں اقوام کے درمیان باہمی ملاپ اور معاونت کا سلسلہ جاری رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے خوف سے بھاگے کہ وہ ایک قبطی کے قتل میں ان کو گرفتار کرلے گا تو انھوں نے ملک عرب ہی میں پناہ لی اور دوبارہ جب وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے چھڑا کرلائے تب بھی انھوں نے بیابان عرب میں ہی چالیس سال بتا دیئے۔

پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سیموئل کے خوف سے ملک چھوڑنے پہ مجبور ہوئے تو اہل عرب ہی تھے جنھوں نے ان کو پناہ دی تھی۔

پھر جب بخت نصر نے بنی اسرائیل کی سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی تب بھی معد بن عدنان نے ہی ملک عرب میں ان کو عزت وآرام سے رکھا۔اس طرح اولاد ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے وہ عزت ومنزلت عطا فرمائی جس کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی کہ ان کی اولاد کو صالح بنا اور ان کو برکت عطا فرما۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بہت پہلے انتقال فرمایا کیونکہ بہت سی تاریخی روایات اسی امر کی تصدیق کرتی ہیں۔سدیؒ سے امام طبریؒ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے کا شوق پیدا ہوا تو انھوں نے اس کا ذکر حضرت سارہ علیہا السلام سے کیا جنھوں نے ان کو اس شرط پہ اجازت دی کہ آپ ان کے ہاں رات نہیں گذاریں گے۔چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ حضرت ہاجرہ انتقال فرما چکیں ہیں اس لیے تاریخی قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہیں۔

حضرت سارہ علیہا السلام کا انتقال کنعان کے علاقے جبابرہ نامی بستی میں ہوا،حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں اپنی ایک ملکیتی زمین میں دفن کیا۔حضرت سارہ علیہا السلام کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک عرب خاتون ''قطورا'' سے شادی کی جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھ مزید بیٹے عطا فرمائے علامہ طبری نے ان

کے نام یوں لکھے ہیں ۔ا۔یقسان ، ۲۔زمران ، ۳۔مدیان ، ۴۔یسبق ، ۵۔وسوح، ۶۔بسر[41*]۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر 175 سال تھی ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام ،حضرت اسحاق علیہ السلام نے مزروعہ جرون میں حضرت سارہ علیہا السلام کے قریب دفن کیا۔

بائیبل (کتاب پیدائش)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے دس صحیفے نازل فرمائے ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں؟

"جس پہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے چار کتابیں نازل فرمائیں البتہ ان کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے ،حضرت اخنوح علیہ السلام پہ تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل فرمائے اور کتابیں یہ ہیں تورات،انجیل،زبور اور قرآن مجید۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ نازل ہونے والے صحیفے تمام کے تمام امثال تھے جو لوگوں کے لیے خیر کی دعوت سے مزین تھے۔تاریخ کے بوسیدہ صفحات میں موجود امثال ابراہیم سے چند منتخب امثال ملاحظہ کریں۔

☜ اے بادشاہ جو غرور میں مبتلا ہو گیا ہے میں نے تجھے دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا کہ تو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے بلکہ میں نے تجھے دنیا میں اس لیے بھیجا کہ تو مظلوم کی پکار کو مجھ تک نہ آنے دے

(بلکہ مظلوم کو اس سے پہلے ہی انصاف فراہم کرے) اس لیے کہ میں مظلوم کی پکار کو واپس نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ عقلمند شخص جب تک مغلوب نہ ہو جائے تو اس کے اوقات اس طرح مقرر ہونے چاہییں کہ وہ کچھ وقت مناجات میں گزارے کچھ وقت اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے بارے میں غور وفکر کرنے میں گذارے کچھ وقت اپنے کام کا محاسبہ کرے کہ اس نے کیا کیا اعمال کیے اور کچھ وقت اپنے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے میں گزارے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ عقل مند کو چاہیے کہ وہ صرف تین صورتوں میں سفر کرے، سفر آخرت، تلاش رزق میں ، غیر محرم کی لذت سے بھاگنے کا سفر۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ عاقل کو حالات زمانہ معلوم ہونے چاہیں اپنے مرتبہ کا خیال اور اپنی زبان کی حفاظت کرے اور لایعنی باتوں سے اجتناب کرے

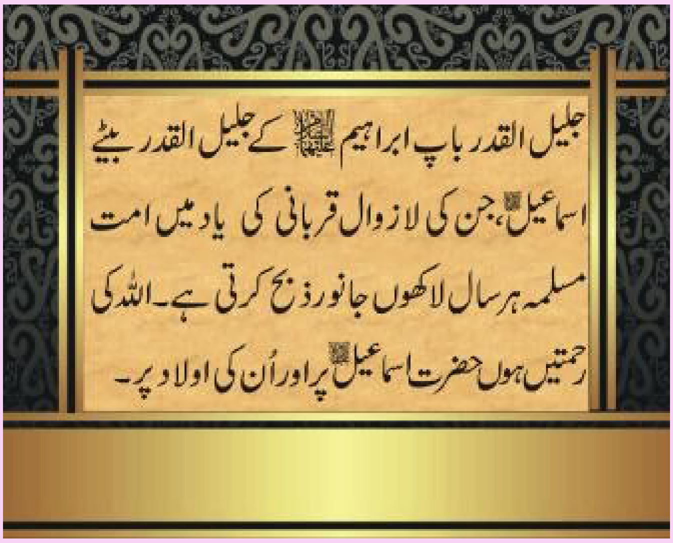

حضرت اسماعیل علیہما السلام

حضرت ابراہیم علیہما السلام کی ساری زندگی اطاعت اور وفاداری سے عبارت ہے۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ آپ کے وطن کے لوگ اس آفاقی پیغام پر ایمان لے آئیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا مگر وطن کے لوگ ایمان تو کیا لاتے خود آپ کے گھر والوں نے آپ کی دعوت کو مسترد کر دیا اور آپ کے والد نے آپ سے نہایت سخت رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ آپ اپنے وطن سے ہجرت کر گئے تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایک صالح بیٹے کی دعا فرمائی جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو حضرت اسماعیل علیہما السلام جیسا جلیل القدر بیٹا عطا فرمایا۔ تاریخی روایات کے مطابق جب حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہو ہوگئی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہما السلام کو ایک آزمائش میں ڈالا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ حضرت اسماعیل علیہما السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ تب آپ نے اپنے اس خواب کا ذکر حضرت اسماعیل علیہما السلام سے کیا تو حضرت اسماعیل علیہما السلام نے نہایت خوبصورت جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقع ہی صالح اور نیک اولاد عطا فرمائی

تھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا اے میرے باپ آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔انشاء اللہ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں ثابت قدمی سے گزر گئے۔اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ آپ کی قربانی کو قبول کرلیا بلکہ اس کو یادگار کے طور پہ رہتی دنیا تک جاری کردیا۔قبل ازیں اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین سے پھر ہجرت کی اور وادئ مکہ کی ویران اور بیابان گھاٹی میں اترے۔اپنے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو وہاں چھوڑا اور واپس چلے گئے۔حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک مدت دراز تک وہیں مقیم رہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لیے مکہ کی اس ویران وادی میں پانی کا ایک چشمہ جاری کردیا جس کو زم زم کہتے ہیں اور جس سے آج تک لوگ اپنی پیاس بجھاتے چلے آرہے ہیں۔

پانی کے اس چشمے کو دیکھ بنو جرہم کا قبیلہ بھی وہیں آباد ہوگیا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی قبیلے میں شادی کرلی تھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی قبیلہ بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی تھی جن کا نام السیدہ بنتِ مضاض بن عمرو الجرہمی تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے ایک بار پھر مکہ لوٹے اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس مقدس جگہ اللہ کا گھر تعمیر کروں اور اس سلسلے میں تمہیں میری مدد کرنی ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور لوگوں کو اس گھر میں اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے اور اللہ کا یہ گھر آباد ہوتا چلا گیا اور آج تک اس گھر کی رونق برقرار ہے اور یقیناً روز قیامت تک برقرار رہنے والی ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہت برکت عطا فرمائی اور آپ کو بارہ بیٹے عطا فرمائے جو عرب کے مختلف حصوں میں آباد ہوئے اور وہ بہت جلد اس طرح پھیل گئے کہ مغرب کی طرف سے اپنے ننھیال کے علاقوں تک جا ملے اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے جہاں ان کے باپ نے ان کے ان بھائیوں کو آباد کیا تھا جو ان کی آخری بیوی قطورا سے تھے۔شمال کی طرف ان کی بستیاں شام سے جا ملیں جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قیدار بہت نامور ہوا۔قیدار کی اولاد ہمیشہ خاص مکہ ہی میں آباد رہی اور انھوں نے اپنے باپ ہی کی طرح کعبۃ اللہ کی تقدس کا خاص خیال رکھا اور حاجیوں کی

خدمت کرنے میں کبھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔انھوں نے اس مقدس مسجد کی دل و جان سے خدمت کی جو دنیا کے لیے توحید کی پہلی درسگاہ تھی۔قیدار کی اولاد سے ستائیس پشت بعد عدنان اول نامی شخص نہایت اولعزم شخص گزرا ہے۔عدنان کے چھوٹے بھائی عکّ نے یمن میں اپنی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے علامہ طبری کی تحقیق کے مطابق ان کے نام یہ ہیں

نابت۔قیدر۔ادبیل۔میشا۔مسمع۔دما۔ماس۔ادُو۔وطور۔نفیس۔طما۔قیدمان[42*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

دیگر مورخین نے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزندوں کی تعداد بارہ ہی لکھی ہے۔تاہم ناموں میں کہیں کہیں معمولی اختلاف ہے۔بعض نے قیدر کی جگہ قیدار لکھا ہے اور ادبیل کی جگہ ادبال اور میشا کی جگہ میشان لکھا ہے۔بارہ بیٹوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک بیٹی بھی عطا کی تھی۔چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو وصیت کی کہ وہ ان کی بیٹی کی شادی اپنے بیٹے عیصو سے کر دیں۔چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔عرب کے کثیر التعداد قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں نابت اور قیدار کی اولاد ہیں۔توراۃ کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ؛

”اس لڑکے کی آواز خدا نے سن لی اسی روز ان کا ختنہ کیا گیا اسی روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ بھی کیا کیونکہ اسی روز یہ حکم ہوا تھا کہ خدا نے ابراہم علیہ السلام سے کہا کہ تو اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت میرے عہد کو نگاہ میں رکھیں گے اور میرا عہد جو میرے اور تمھارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو کہ اب تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے گا پس اسماعیل وہ فرزند اولین ہیں جو عہد کا حکم نازل ہونے کے بعد پہلے ہی روز خدائے برتر کے عہد میں داخل ہوئے اور فرزند عہد کہلائے“۔

کتاب پیدائش

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ نے عجیب غلبہ عطا فرمایا تھا آپ کا وجود مسعود عرب اور غیر عرب کی بہت سی ریاستوں میں اتحاد اور اتفاق کا ذریعہ بھی تھا۔ آپ اگرچہ عرب، حجاز، حضرموت کے علاقے کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے مگر آپ کی شان وجلالت کے تذکرے عراق سے لے کر شام وفلسطین تک پھیلے ہوئے تھے کہ آپ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے جو عراق میں پیدا ہوئے اور شام میں سکونت اختیار کی۔ آپ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے اکلوتے بیٹے تھے جو مصر میں پیدا ہوئیں اور اپنے شوہر کے ساتھ سالہا سال تک شام وفلسطین میں مقیم رہیں اور دم آخر اس مقدس سرزمین عرب میں آباد رہیں جسے کل دنیا کی آنکھ کا تارا بننا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ بنو جرہم کے داماد تھے جو عرب کا حکمران قبیلہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مسکن ایسی جگہ تھا جس کے ایک طرف مصر ہے جو آپ کا ننھیال ہے تو دوسری طرف عراق تھا جہاں آپ کا ددھیال تھا۔ ایک طرف شام تھا جہاں آپ کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام حکمران تھے تو اس کی الٹی طرف یمن کی ریاست تھی جہاں بنی قطورا آباد تھے جو اولاد ابراہیم علیہ السلام تھے اور آپ کے بھائی تھے اور پھر عیسو بن اسحاق تھے جو آپ کے داماد تھے اور دور اٹلی کے ساحلوں تک حکمران تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی تھی اور پدری زبان عبرانی تھی۔ جبکہ ان کے سسرال کی زبان عربی تھی اور انھی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عربی میں مہارت پیدا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف علاقوں میں مقیم مختلف زبانیں رکھنے والوں کی طرف مبعوث کیا اور آپ کی زبان کو دعوت کے لیے روانی عطا کی کیونکہ آپ ہر علاقے کی زبان جانتے تھے اس لیے ان سب زبانوں کے اندر تبلیغ دین اور اشاعت توحید کے مواقع قدرت ربانیہ نے ان کو عطا کیے تھے۔

یہ اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کا نام کل عالم کی ہدایت کے لیے چنا جائے اور آپ کی اولاد پر نبوت کا خاتمہ کیا جائے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جائے تا کہ خدا کے کلام میں اور انسانوں کی زبان سے ان کا لقب "رحمت للعالمین" پکارا جائے۔ مگر افسوس کہ اہل کتاب ہمیشہ سے بنو اسماعیل علیہ السلام کے درجے کو بنو اسحاق علیہ السلام سے گھٹا کر بیان کرتے رہے ہیں جو ان کے احساس کمتری پہ دلیل ہے۔ اگرچہ اللہ کے ہاں اسماعیل علیہ السلام وراسحاق علیہ السلام کے رتبوں یا حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام

کے رتبوں میں کوئی تفاوت بیان نہیں کیا گیا۔اس پہ دلیل قرآن وحدیث سے تو ہم بعد میں بیان کریں گے یہاں ہم اہل کتاب کے لیے انھی کی کتاب سے اپنے نظریہ وتصور کو تقویت فراہم کرتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی الہامی کتابوں میں اس طرح کا کوئی اشتباہ نہیں پایا جاتا کہ اس نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام پر یا حضرت سارہ علیہما السلام کو حضرت حاجرہ علیہما السلام پر کسی بھی قسم کی کوئی فضیلت عطا کی ہو۔

چنانچہ کتاب التوراۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ؛

☜ خداوند خدا نے ہاجرہ کے درد و غم کو سنا اور اس کی اعانت فرمائی

کتابِ پیدائش۔۔۔ (۱۶۔۱۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ خداوند خدا نے ساری کے درد و غم کو سنا اور اس کی اعانت فرمائی

کتابِ پیدائش ۔۔۔ (۱۸۔۱۴)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اور خداوند خدا نے اسماعیل نام رکھا ہاجرہ کے فرزند کا

کتابِ پیدائش ۔۔۔ (۱۶۔۱۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اور خداوند خدا نے اسحاق نام رکھا ساری کے فرزند کا

کتابِ پیدائش ۔۔۔ (۱۷۔۱۹)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ خدانے برکت دی ہاجرہ کے فرزند اسماعیل کو

کتاب پیدائش ۔۔۔۔ (۱۷۔۲۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ خدانے برکت دی ساری کے فرزند اسحاق کو

کتاب پیدائش۔۔۔۔۔ (۷۔۱۹)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اور خداوند خدا ساتھ تھا اسماعیل کے

کتاب پیدائش۔۔۔۔۔(۲۱۔۲۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ خداوند خدا ساتھ تھا اسحاق کے

کتاب پیدائش۔۔۔۔(۲۶۔ ۲۴)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اور فرمایا خداوند خدا نے کہ اسماعیل (علیہ السلام) کئی قوموں اور بادشاہوں کا باپ ہوگا

کتاب پیدائش ۔۔۔۔۔ (۲۵ ۔ ۱۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اور فرمایا خداوند خدا نے کہ اسحاق (علیہ السلام) کئی قوموں اور بادشاہوں کا باپ ہوگا

کتابِ پیدائش ۔۔۔۔۔ (١٧ ۔ ٦)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تورات کے بعد ہم قرآن وسنت سے اولادِ ابراہیم کے فضائل پیش کرتے ہیں امام محمد عبداللہ بخاریؒ اپنی صحیح میں حدیث پاک لائے ہیں کہ:

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کے ارادے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس مکہ پہنچے تو وہ اس وقت تیروں کی نبل یعنی لوہے کی وہ مکھیاں تیار کر رہے تھے جو تیروں میں استعمال کی جاتی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صنعت عدادی کے بھی ماہر تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی پوری زیست صرف پانی اور گوشت پہ گذارہ کیا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا
وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا O

القرآن الحکیم (سورۃ مریم ١٩ ؛ ٥٥)

ترجمہ:

”اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل کا کہ وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول و نبی تھا وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکواۃ (صدقہ اور پاکیزگی) کا حکم دیا کرتا تھا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت میں گذاری۔لوگوں کوراہ حق کی طرف راغب کیا۔اللہ نے آپ کوجس برکت اور فراغت سے نوازا تھا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔بنی اسماعیل پہ اگرچہ اللہ کے بے پناہ احسانات ہیں مگر میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ ان کی اولاد سے رونق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا جن کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا۔تورات کی ایک روایت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام نے 173 سال کی عمر پائی اور وفات کے بعد اپنی والدہ کے پہلو میں مطافِ کعبہ کے اندر مدفون ہوئے۔اللہ ان سے محبت کی نسبت سے ہمارے گناہ بھی معاف فرمادے۔

آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ
عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

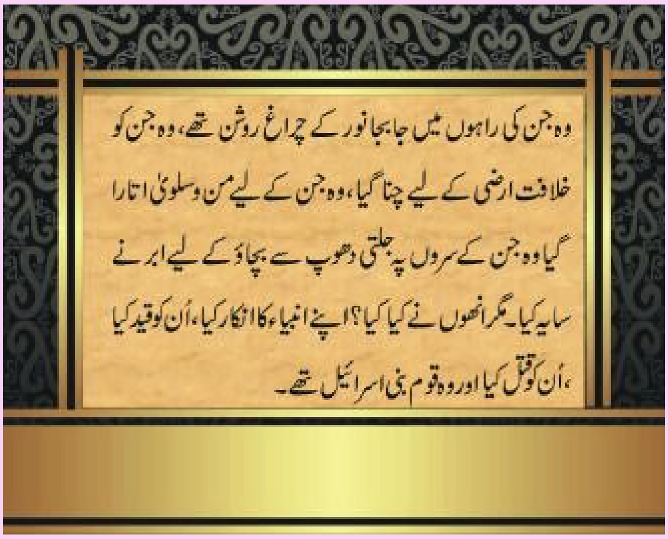

جب حضرت اسماعیل ؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا اور اپنے محبوب لخت جگر کو زمین پر لٹا کر اس کی گردن پہ چھری چلادی تو اللہ نے فرمایا کہ اے ابراہیم ؑ اب بس کر اللہ نے تمھاری قربانی کو قبول کرلیا ہے، تمہاری نیت کو جانچ لیا ہے، تہارے خلوص کو آزما لیا ہے۔ اللہ نے تمہارے درجے کو بلند فرمایا ہے اور تمہیں بلند منصب عطا فرمایا ہے۔ اس کے بعد اللہ کے فرشتے جب قوم لوط پہ عذاب لے کر اترے تو وہ پہلے حضرت ابراہیم ؑ کے گھر میں اترے اور انھیں اس معاملہ سے آگاہ کیا۔ تب حضرت ابراہیم ؑ فرشتوں سے جھگڑا کرنے لگے کہ عذاب کو مؤخر کردیا جائے۔ مگر فرشتوں نے کہا کہ اس بابت تو فیصلہ ہو چکا تاہم تمہیں اللہ کی طرف سے بشارت ہو کہ اس نے تمہیں ایک اور فرزند عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو صالح ہوگا اور نبی ہوگا۔ تب حضرت ابراہیم ؑ کی عمر ایک سو بیس سال اور حضرت سارہ ؑ کی عمر نوے سال سے کچھ زائد تھی۔ حضرت سارہ ؑ نے اس امر پہ حیرت کا اظہار کیا تو فرشتوں نے ان سے کہا

اللہ کے فیصلوں پہ حیران مت ہو اللہ تمہیں ضرور ایک بیٹے سے نوازے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشی عطا کی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو ہی بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ چونکہ کتابِ ہذا میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا مقصود ہے جو بنو اسماعیل کی اولاد تھے مگر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین میں بھی بنو اسحاق علیہ السلام شامل تھے اور قرآن نے بھی بنو اسحاق علیہ السلام یا قوم بنی اسرائیل کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور ان کی کمیوں اور کوتاہیوں سے بحث کی ہے۔ انہیں ہر قدم پہ ان کی ناشکری کے رویے سے آگاہ کیا ہے۔ اس لیے بنو اسماعیل کا ذکر تو اس کتاب کا عنوان ہے ہی مگر بنو اسرائیل کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیے بغیر منظر کی وسعت کو درست طور پہ پیش نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس موقع پر ہم قوم بنی اسرائیل کی تاریخ انبیائے بنی اسرائیل کی دعوت اور قوم بنی اسرائیل کی احسان ناشناسی کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

جس ملک کو کتابِ مقدس میں کنعان کہا گیا ہے وہ قدیم زمانوں میں ملک شام کا ایک صوبہ تھا۔ یونانیوں نے اس کو فنیقیہ کا نام دیا اور آج کل اسے لبنان کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ عربی میں دودھ کو لبن کہتے ہیں اور اس وادیٔ کے پہاڑوں کی چوٹیاں سارا سال دودھ جیسی سفید برف سے ڈھکی رہتیں تھیں اس لیے عرب اسے لبنان کہنے لگے۔ ملک کنعان بحیرہ روم کے مشرقی ساحلی میدانوں پہاڑوں اور وادیوں پر مشتمل تھا۔ بیشتر علاقہ کوہستانی ہے جس میں ہزاروں فٹ بلند کہساروں کا سلسلہ ہے مگر اصل کنعان اس علاقے کو کہا جاتا ہے جو پہاڑی دیوار اور سطح مرتفع کا درمیانی علاقہ ہے مغربی سلسلہ کوہ کے درمیان گہری وادیاں ہیں جو دراصل آبی گذرگاہیں ہیں۔ قادیسہ کی مقدس وادیٔ میں بلند وبالا دیودار کے جنگلات کا وسیع سلسلہ ہے جس کے چند میل جنوب میں نہر ابراہیم بہتی ہے جس سے وادیٔ کا حسن نکھر کے رہ جاتا ہے۔ کتابِ مقدس میں ملک کنعان کے دیودار کے ان وسیع جنگلوں کا ذکر آیا ہے جس کی قدامت حیرت انگیز ہے۔ کہتے ہیں کہ ان میں کچھ سلسلے تین ہزار سال سے زمین کے حسن کو نکھارے ہوئے ہیں۔ زیتون لبنان کا خاص درخت ہے جسے وہاں کے رہنے والے قدیم زمانوں سے مقدس درخت تصور کرتے آئے ہیں اور بادشاہوں کی تاجپوشی کے وقت ان کا مسح زیتون کے تیل ہی سے کیا کرتے تھے۔[43*] لبنان میں زیتون کے جھنڈ ہر سمت دکھائی دیتے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ کے خیال میں کنعان میں قدیم پتھر کے دور

کے انسان بستے تھے۔اس کے مختلف مقامات سے پتھروں کے ہتھیار اور اوزار برآمد ہوئے ہیں۔زمانہ ما قبل کے تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اول اول ان علاقوں میں کنعان اور جنوبی شام میں سامی نسل کے لوگ آباد ہوئے تھے جنہیں بنی اسرائیل کنعانی اور یونانی فنقی کہا کرتے۔اس دور میں ان علاقوں میں سمیریوں کا خط میخی اور مصریوں کا ہیروغلیفی دونوں ہی رواج پذیر تھے۔بتایا جاتا ہے کہ فراعین مصر کی جہاز سازی کے لیے کنعان سے ہی دیودار کی لکڑی جاتی تھی۔کنعانی بھی دوسرے سامی قبائل اموریوں اور بابلیوں کی طرح عرب کے ریگستانوں سے نکل کے بحیرہ روم کے مشرقی ساحلوں پہ آباد ہونے لگے۔شروع میں سارے شام اور فلسطین پر ملک کنعان ہی کا اطلاق ہوتا تھا اسی لیے عہد قدیمہ میں فلسطین کو ملک کنعان ہی لکھا گیا ہے۔

علامہ طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے ہجرت کی تو آپ مصر میں مقیم ہوئے۔تاہم کچھ عرصے بعد آپ مصر سے فلسطین منتقل ہو گئے جسے اس وقت ملک کنعان کہا جاتا تھا۔چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو شام کے علاقوں کی طرف لوگوں کی اصلاح کے لیے مقرر کیا تو پھر آپ نسل در نسل انہی علاقوں میں پھلتے پھولتے رہے۔یہی وہ علاقہ ہے جہاں قوم بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ انبیاء مبعوث ہوئے۔حضرت اسحاق علیہ السلام بھی یہیں سکونت پذیر تھے اور یہیں ان کی شادی ہوئی۔ان کی بیوی کا نام "رفقاء بنت بتویل بن الیاس" تھا۔حضرت اسحاق علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عیصو اور حضرت یعقوب علیہ السلام جسے بیٹوں سے نوازا۔علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ آپ کے یہ دونوں بیٹے جڑواں تھے۔حضرت عیص یا عیصو کی شادی اپنے چچا کے گھر یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی "بسمہ بنت اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام" سے ہوئی۔ان کے بطن سے روم بن عیص پیدا ہوئے۔چنانچہ بنو اصفر یعنی رومی سب انہی کی اولاد تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل کو بنو اسرائیل کہا جاتا ہے جن میں بکثرت انبیاء مبعوث ہوئے اور جن کا آبائی وطن کنعان تھا جن کی تاریخ یہاں بیان کی جارہی ہے۔سمیریا اور بابل کی طرح کنعان کی ریاست میں بھی متعدد شہری ریاستیں قائم ہو گئیں تھیں۔تاریخی لحاظ سے ان میں سے چار ریاستوں کو شہرت حاصل ہوئی جن کا تذکرہ تاریخ کے ایوانوں میں زندہ رہا اور وہ وقت کی راکھ میں دفن ہونے سے محفوظ رہیں۔شمال میں ببلوس اور ارداد جنوب میں صیدا (سِڈن) اور صور (ٹائر) کی شہری ریاستوں نے تہذیب وتمدن کے کئی مدارج طے کئے۔ان میں سے

قدیم ترین شہر ببلوس کا ہے جس کے کھنڈر کھدائی سے برآمد کر لیے گئے ہیں جن کی مدد سے ان کی تہذیب معاشرت عقائد اور دیگر سرگرمیوں پہ روشنی پڑتی ہے۔ یہ شہر مصریوں کے پپائرس کی تجارت کا مرکز تھا اور یونانیوں نے پپائرس کی رعایت سے ہی اس کا نام ببلوس رکھا تھا۔ کتابِ مقدس کا یونانی نام بائبل اسی امر سے یادگار ہے۔ چنانچہ بائبل ہی کی ایک روایت کے مطابق ببلوس نامی شہر کو خداوند خدا اِل یا ایل نے بسایا تھا اور یہ تمام کنعانیوں کا مقدس تیرتھ تھا جس میں عشتار دیوی کا عظیم الشان مندر ساحل سمندر پر واقع تھا زائرین کئی سیڑھیاں چڑھ کر مندر کے وسیع و عریض صحن میں داخل ہوتے تھے جہاں عشتار دیوی کا مجسمہ نسب تھا[44*]۔

اس معبد میں ''تموذ'' کے تہوار پر بہت رونق ہوتی تھی کہتے ہیں کہ اسی معبد کے قریب ہی نہر ابراہیم سمندر میں گرتی تھی۔ عشتار دیوی کا یہ مشہور معبد شاہ ببلوس سنی راس نے تعمیر کرایا تھا اور شہنشاہ قسطنطین کے حکم سے مسمار کر دیا گیا۔ فلسطین کا مرکزی علاقہ جہاں آج کے مشہور شہر بیروت وغیرہ آباد ہیں بہت بعد میں بسائے گئے تھے۔ ملک کنعان صدیوں تک مصریوں حیتیوں اور اشوریوں کی تاخت و تاراج کی آماج گاہ بنا رہا۔ پھر تقریباً ۱۴۰۰ ق م میں جب مصری اقتدار کا خاتمہ ہوا تو آرامیوں نے ملک پہ قبضہ کر لیا اور ان کی زبان آرامی ہی پورے ملک شام کی زبان بن گئی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری زبان بھی آرامی ہی تھی۔ پھر تیرویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں بحیرہ ایجئین کے آریائی نسل کے لوگ جنہیں فلسطی کہا جاتا تھا ان ساحلوں پہ آباد ہو گئے جس سے ملک کنعان کے ساحلی علاقوں کو فلسطین کہا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ لوہے کے ہتھیار لائے تھے اور ان کی آمد کے بعد ہی ملک کنعان میں لوہے کے ہتھیاروں نے رواج پایا۔

آرامیوں اور فلسطیوں کی آمد کے ساتھ ہی عبرانیوں نے بھی ان علاقوں کا رخ کیا۔ عبرانیوں کے جد امجد جناب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی مادری زبان آرامی ہی تھی۔ مگر کنعان پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے بھی عبرانی زبان سیکھ لی تھی اور اسی زبان میں اپنے مذہبی صحائف تحریر کئے اگرچہ علامہ طبریؒ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبرانی زبان سیکھ جانا ان کا ایک معجزہ تھا کہ جونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا قدم سر زمین فلسطین پہ پڑا تو اللہ کی قدرت سے ہی آپ کی زبان بدل گئی کیونکہ اب آپ کے مخاطب عبرانی تھے

عبرانیوں کی اکثریت نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا دین قبول کرلیا تھا۔حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے جدِاعلیٰ قرار پائے چونکہ آپ کا نام اسرائیل تھا اس لیے آپ کی قوم کو بنواسرائیل کہا گیا ۔کتاب مقدس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسرائیل کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ایک دفعہ آپ نے اللہ سے کشتی لڑی جس کی بنا پہ آپ کو اسرائیل کا نام عطا کیا گیا۔

”اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا جب اس نے دیکھا وہ اس پہ غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اُس کے ساتھ کشتی لڑنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی ہے یعقوب علیہ السلام نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے نہیں جانے دوں گا تب اس نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے جواب دیا ”یعقوب“ اس نے کہا کہ تیرا نام آگے سے یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں سے زور آزمائی کی اور غالب ہوا،تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا نام بتادے،اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی“

بائیبل (باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عبرانیوں نے اموریوں اور کنعانیوں سے جنگ وجدل کے بعد اپنی مستقل سلطنت کی بنیاد رکھی اور حضرت داؤد علیہ السلام تک ان کی سلطنت نہایت مستحکم ہو چکی تھی ۔حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور بنی اسرائیل کے عروج کا دور کہلاتا ہے ۔حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے بہت بلند درجات عطا فرمائے تھے۔حضرت دواؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مناصب کی طرف قرآن حکیم میں جابجا اشارات موجود ہیں مثلاً!

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ O وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ " لَّهُ أَوَّابٌ" O

القرآن الحکیم (سورۃ ص ۳۸ : ۱۸)

ترجمہ:

"اور ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا کہ وہ صبح وشام تسبیح کرتے تھے، اور پرندے بھی مسخر کردیئے تھے جو اکھٹے ہوجاتے تھے، سب اس کی تسبیح کو دوہراتے"۔

*⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يَاجِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الاسبا ۳۴)

ترجمہ:

"اور پہاڑوں کو ہم نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ تسبیح کرو اور یہی حکم ہم نے پرندوں کو دیا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ Oفَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ Oوَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ Oوَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى

الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ۞ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ۞

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء ۲۱ ؛ ۷۷-۸۲)

ترجمہ؛

اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد و سلیمان کو سرفراز کیا یاد کرو وہ موقع جب کہ وہ دونوں ایک کھیت کے مقدمے کا فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئیں اور ہم ان کی عدالت کو خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا حالانکہ علم اور حکم ہم نے دونوں کو عطا کیا تھا اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے، اس فعل کے کرنے والے ہم ہی تھے اور ہم نے اس کو تمہارے فائدے کے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی تھی تا کہ تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائے پھر کیا تم شکر گذار ہو اور سلیمان کے لیے ہم نے تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھیں ہیں اور شیاطین میں سے ایسے بہت سوں کو ہم نے اس کا تابع بنا دیا تھا جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے اور ان سب کے نگراں ہم ہی تھے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اللہ پاک کے کلام میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان ارشادات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ کی حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے تو ان کی بلند اور سریلی آواز سے پہاڑ تک گونج اٹھتے تھے۔ پرندے ٹھہر جاتے تھے، بادل رک جاتے تھے اور شجر لہک اٹھتے تھے۔ اور اِک سماں تھا جو ان کی حمد و ثنا سے بندھ جاتا تھا۔ اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ذکر آیا ہے کہ!

"ایک مرتبہ جب ابو موسیٰ اشعریؓ جو غیر معمولی طور پہ خوش آواز صحابی تھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے تو اسی اثنا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو ان کی خوبصورت تلاوت

سن کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک ان کی تلاوت سنتے رہے چنانچہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے قرآن پڑھنا ختم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' **لقد اوتی مزماراً من مزامیر اٰلِ داؤد** ' یعنی اس شخص کو داؤد کی خوش آوازی کا ایک حصہ ملا ہے"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت داؤد علیہ السلام پہ اپنے مزید احسانوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا اور اس کو ہدایت کی کہ پوری پوری زرہیں بنا اور ٹھیک انداز سے ان کی کڑیاں جوڑ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کے استعمال پہ قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پہ جنگی اغراض کے لیے زرہ سازی کا فن سکھایا تھا۔ موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ دنیا میں لوہے کے اولین استعمال کے دور جس کو (Iron age) کہا جاتا ہے۔ اس کا زمانہ ہزار بارہ سو سال قبل مسیح میں شروع ہوا۔ اور یہی دور حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حکومت ہے۔ اول اول شام اور ایشیائے کوچک کی "حتی" قوم جس کو (Hittites) بھی کہا جاتا ہے کا بھی دور عروج تھا جو بارہ سو قبل مسیح سے لے کر دو ہزار سال قبل مسیح تک محیط ہے۔ انھی کو سب سے پہلے لوہا پگھلانے کا فن معلوم ہوا جو قدرے پیچیدہ اور مشکل امر تھا۔ وہ ایک مدت تک بڑی محنت سے اپنے اس فن کی حفاظت کرتے رہے اور دنیا کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ حتیوں کا لوہا پگھلانے کا فن اتنا مہنگا تھا کہ سونا چاندی محسوس ہونے لگتا۔ اس لیے وہ عمومی استعمال سے باہر تھا اور عام لوگوں کی پہنچ سے دور تھا۔ بعد میں فلسطیوں نے بھی لوہے کو پگھلانے کا راز معلوم کر لیا۔ مگر وہ بھی اسے راز ہی رکھتے رہے اس لیے طالوت کی پیدائش سے پہلے حتیوں نے فلسطیوں اور قوم بنی اسرائیل کو پے در پے شکستیں دیں۔ انھوں نے ان اقوام کو فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا اور بائبل کے بیان کے مطابق اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ وہ لوہے کے رتھ استعمال کرتے تھے اور ان کے دوسرے ہتھیار بھی وزنی اور تیز تھے جس کی بڑی وجہ ان کا لوہے کے استعمال پہ عبور تھا۔ لوہے کے بھاری ہتھیاروں کی وجہ سے طاقت کا توازن ان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ پھر جب ۱۰۲۰ ق م میں اللہ کے حکم سے طالوت بنو اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے حتیوں اور فلسطیوں کو پیہم شکستیں دیں اور ان سے فلسطین کا بڑا حصہ واپس لے لیا۔ حضرت

داؤد علیہ السلام (۹۶۵ سے ۱۰۰۴ ق م) نے نہ صرف فلسطین وشرق اردن بلکہ شام کے بھی بہت بڑے حصے پر قبضہ کرلیا اور بنی اسرائیل کی سلطنت کو استحکام بخشا۔ اس زمانے میں آہن سازی کا وہ راز جو پہلے حتیوں اور فلسطیوں کے قبضے میں تھا بے نقاب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے پہ وہ دسترس بخشی جو نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل تھی نہ ان کے بعد کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ کسی ہاتھ کو یہ ملکہ عطا کیا گیا ہو کہ وہ لوہے کی اتنی باریک اور ہلکی زرہیں تیار کرسکے۔

اب اس علاقے میں لوہے کو پگھلانے کا فن عام ہو گیا تھا اور لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں تھیں۔ لوہا اب عام آدمی کی دسترس میں تھا اور وہ کافی سستا بھی ہو گیا تھا کیونکہ فلسطین کے جنوبی علاقہ ''اودم'' میں خام لوہے (Iron ore) کے بے شمار ذخائر موجود تھے جس سے وہ لوگ اب فائدہ اٹھانے لگے تھے اور حال ہی میں آثارِ قدیمہ نے اس علاقے میں جو کھدائیاں کی ہیں ان سے بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگیں ہوئیں تھیں۔ عقبہ اور ایلہ سے متصل حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی بندرگاہ ''عیصیون جابر'' کے جو کھنڈرات ملے ہیں اس میں لوہا پگھلانے کی ایک بھٹی کے جائزہ کے دوران یہ بات کھلی ہے کہ وہ لوگ بھی خام لوہے کو پگھلانے میں بعض وہ اصول اختیار کرتے تھے جو آج کے جدید زمانے کی (Blast Frnace) میں استعمال ہوتے ہیں[45*]۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس صنعت پہ حضرت داؤد علیہ السلام ہی کی اجارہ داری رہی ہوگی اور انہوں نے اپنی افواج کو لوہے کے بھاری اور مضبوط ہتھیاروں سے مزین کر کے اپنے آس پاس کی ان قوموں کو شکست دی ہوگی جنہوں تھوڑا عرصہ قبل ہی اپنے لوہے کے ہتھیاروں کی وجہ سے قوم بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہ اللہ نے یہ احسان کیا کہ ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا جس کی تفصیلات بنی اسرائیل کے صحائف کے علاوہ قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ سورۃ الاسباء میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ'' O

القرآن الحکیم (سورۃ الاسبا ۳۴)

ترجمہ:

''اور سلیمان کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا ایک مہینے کی راہ تک اس کا چلنا صبح کو اور ایک

مہینے کی راہ تک اس کا چلنا شام کو“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن میں بہت تفصیل سے اللہ تعالیٰ نے ان احسانات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے قوم بنی اسرائیل پہ کیے تھے ایک اور جگہ سلیمان علیہ السلام پہ کیے گئے اس احسان کا ذکر اللہ پاک یوں کرتے ہیں،

فَسَخَّرۡنَا لَهُ ٱلرِّيحَ تَجۡرِي بِأَمۡرِهِۦ رُخَآءً حَيۡثُ أَصَابَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ ص ۳۸)

ترجمہ؛

”پس ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے بہ سہولت چلتی تھی جدھر وہ جانا چاہتا تھا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اس طرح سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع امر کر دیا تھا کہ ان کی مملکت سے ایک مہینے کی راہ تک کے مقامات کا سفر بہ سہولت اختیار کیا جا سکتا تھا۔ جانے میں بھی ہمیشہ ہوائیں ان کی مرضی کے موافق چلتی تھیں اور واپسی پہ بھی ان کو بادِ موافق ہی ملتی تھی۔ بائبل اور جدید تاریخی تحقیقات سے اس امر پہ جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دورِ سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ ایک طرف سے عیصیون جابر کی بندرگاہ سے ان کا تجارتی بیڑہ جس کو بائبل میں ترسیسی بیڑہ کہا گیا ہے مغربی ممالک کی طرف جایا کرتا تھا۔ عیصون جابر میں اس زمانے کی جو لوہا پگھلانے کی بھٹی ملی ہے اس کے مقابلے کی کوئی بھٹی مغربی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں ادوم کے علاقہ عربہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں اس کو پگھلا کر دوسرے کاموں کے علاوہ اسے جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا ہوگا۔ سورہ سبا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ پاک اپنا یہ احسان بیان کرتے ہیں کہ

''ہم نے تمہارے لیے پگھلی ہوئی دھات کا چشمہ بہا دیا'' اور ہواؤں کو بھی اللہ نے ان کے لیے مسخر کر دیا تھا جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مہینے کی راہ تک ہوا کو ان کی مرضی کے تابع بنانے کا مطلب یہ تھا کہ اس زمانے میں بحری سفر کا سارا انحصار بادِ موافق پہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیڑے کو جاتے ہوئے بھی اور واپسی پہ بھی ہمیشہ بادِ موافق ملتی جس سے انہوں نے تجارت میں بے پناہ ترقی کی اور سلطنت بنی اسرائیل کو استحکام بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پہ ایسے ایسے احسانات فرمائے تھے جن کو پڑھ کے انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے قرب اور رحمت کے باوجود بنی اسرائیل کے انحراف کا رویہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ ان کی صریحاً بدقسمتی ہے کہ بالاخر اللہ کو ان سے کہنا پڑا کہ وہ نہایت ناشکرے اور سخت جھگڑالو قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پہ اپنے مزید احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ ہم نے تو طاقتور جنوں کو بھی تیرا (حضرت سلیمان علیہ السلام) کا مطیع و فرمابردار بنا رکھا تھا۔ سورہ سباء میں اس کی تفصیلات یوں بیان ہوئی ہیں؛

وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ○ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ○ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاسبا ۳۴ ؛ ۱۱-۱۴)

ترجمہ؛

اور جنوں میں سے ایسے جن ہم نے اس کے لیے (سلیمان علیہ السلام) مسخر کر دیئے تھے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے، اور جو ہمارے حکم سے کوئی ان میں سے انحراف کرتا تو ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا مزا چکھا دیتے، وہ اس کے لیے جیسے وہ چاہتا تھا قصر

اور مجسّمے اور حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری جمی ہوئی دیگیں بناتے تھے۔۔۔۔ پھر جب ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو وفات دے دی تو ان جنوں کو اس کی موت پہ مطلع کرنے والی کوئی چیز نہ تھی مگر زمین کا کیڑا (یعنی گھن) جو اس کے (حضرت سلیمان علیہ السلام) عصا کو کھا رہا تھا، پس جب وہ گر پڑا تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ واقعۃً ہی غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں اتنی دیر مبتلا نہ رہتے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت الیاس علیہ السلام بھی تو انبیائے بنی اسرائیل ہی میں سے تھے۔ جنہیں کتابِ مقدس میں ایلیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ دور کے محققین نے ان کے زمانے کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ جلعاد کے رہنے والے تھے۔ اگر آج کے جغرافیے پہ نظر ڈالی جائے تو ان کا علاقہ موجود اردن کے شمالی علاقوں پہ مشتمل ہے اور دریائے یرموک کے جنوب میں واقع تھا۔ کتاب مقدس میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر (Elijh the Tishbite) ایلیاہ تشبی کے نام سے کیا گیا ہے۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد قوم بنی اسرائیل کو دعوتِ توحید دی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر سے شرک کی راہوں پہ چل نکلے تھے دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اس بلند منصب اور وسیع ریاست کو سنبھالنے کے اہل ہی نہ تھے اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ریاست ٹکروں میں بٹ گئی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بڑا بیٹا رجعام سخت نا اہل فرزند ثابت ہوا تھا جس کی وجہ سے سلطنت بنی اسرائیل تباہ ہوگئی، سلطنت کے دو ٹکرے ہو گئے تھے اس کا ایک حصہ جو بیت المقدس اور جنوبی فلسطین پر مشتمل تھا آلِ داؤد کے قبضے میں رہا۔ دوسرا حصہ جو شمالی فلسطین پر مشتمل تھا اس میں ایک مستقل ریاست اسرائیل کے نام سے قائم ہوگئی تھی۔ ایک مدت کے استحکام کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کا آبائی وطن پھر سے ابتلاء کا شکار تھا۔ اس اسرائیلی ریاست کا صدر مقام سامریہ تھا۔ ریاست کی تقسیم کے بعد اس کے دونوں حصے دگردوں حالت میں تھے۔ تاہم اسرائیل نامی ریاست روزِ اول سے ہی سخت بگاڑ کی راہ پہ چل نکلی تھی۔ اس کے لوگ شرک بت پرستی ظلم وستم اور فسق وفجور کا شکار ہو

گئے تھے۔پھر یہ فتنہ و فساد اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب اسرائیل کے بادشاہ "اخی اب (Akhab) نے صیدا کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔صیدا کو اب لبنان کہا جاتا ہے۔بادشاہ کی لڑکی ایزبل (Jezebel) مشرک تھی جس کے حسن و جمال کے اثر میں آ کر خود اخی بھی مشرک ہو گیا اور سامریہ میں بعل دیوتا کا مندر اور مذبح تعمیر کر لیا گیا۔اخی نے لوگوں کو ایزابل کے شرک آلود نظریات کی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور خدائے واحد کی پرستش کے بجائے بعل کی پرستش کو رواج دینا شروع کیا۔اسرائیل کے ہر شہر میں علانیہ بعل دیوتا کے نام پہ قربانیاں کی جانے لگیں اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارات موجود ہیں مثلاً

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷: ۱۲۲۔۱۲۶)

ترجمہ:

"اور الیاس (علیہ السلام) بھی یقیناً مرسلین میں سے تھا یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ لوگو تم ڈرتے کیوں نہیں، کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو اس اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے پچھلے اور آباؤ اجداد کا رب ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت الیاس علیہ السلام منظر عام پہ نمودار ہوئے اور انہوں نے جلعاد سے آ کر اسرائیل کے بادشاہ اخی کو اس کے مشرکانہ عقائد پہ متنبہ کیا۔مگر بادشاہ اپنی بیوی کے حسن و جمال کے زیر اثر تھا اس لیے اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی عمدہ نصیحت پہ چنداں نگاہ نہ کی۔تب حضرت الیاس علیہ السلام نے بادشاہ اسرائیل اور اس کے لوگوں پہ بددعا کی اور لوگوں کی موجودگی میں اخی کو متنبہ کیا کہ میرے جانے کے بعد اب تیرے اس ملک پہ بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے گا حتیٰ کہ اوس بھی نہ

پڑے گی جب تک تو اپنی اس روش سے باز نہیں آجاتا۔ چنانچہ اللہ کے نبی کا یہ قول حرف بہ حرف درست ثابت ہوا اور لوگ آسمان کی طرف دیکھتے مگر سالوں پہ سال گذرنے لگے اور کوئی آوارہ بادل بھی ان کے آسمانوں کا رخ نہ کرتا۔ حتی کہ اس خشک سالی میں چار سال گذر گئے۔ تب کہیں جا کے بادشاہ اخی کے کچھ ہوش ٹھکانے آئے اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کیا اور ان کے آنے کے بعد ان کی منت سماجت شروع کر دی کہ وہ اللہ سے دعا کریں تاکہ بارش ہو کہ لوگ خشک سالی اور قحط سے مرنے لگے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ وہ ضرور اپنے اللہ سے دعا کریں گے مگر اس سے قبل اسرائیل کے باشندوں اور بادشاہ پر اللہ رب العالمین اور بعل دیوتا کا فرق ضرور واضح کریں گے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے حکم دیا کہ ایک مجمع عام میں بعل کے پجاری بھی آکر اپنے دیوتا کے نام کی قربانی کریں گے اور میں بھی اللہ کے نام پہ قربانی کروں گا۔ دونوں میں سے جس کی قربانی بھی انسان کے ہاتھ لگائے بغیر آسمانی آگ اچک لے گی اس کو حق پہ تصور کیا جائے گا اور اس کے معبود کی سچائی کو ساری قوم اپنائے گی۔ اخی نے بھی یہ بات قبول کر لی اور کوہ کرمل پر بعل کے ایک ہزار پجاری حضرت الیاس علیہ السلام کے مقابلے پر اترے اور قوم اسرائیل کی موجودگی میں بعل کے پجاریوں اور حضرت الیاس علیہ السلام کا مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں نے اپنی قربانی پہاڑ کی چوٹی پہ رکھ دی۔ خلق خدا کی نظریں اسی طرف تھیں، لوگوں کی سانسیں رک رہی تھیں پھر اللہ کے نبی کو اللہ کی نصرت آ پہنچی اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو قبول کر لیا۔ بعل پرستوں نے شکست کھائی اور حضرت الیاس علیہ السلام نے سب کے سامنے ثابت کر دیا کہ بعل ایک جھوٹا خدا ہے اور اس کے پجاری محض ایک ڈھونگ ہیں۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسی وقت بعل کے تمام پجاریوں کو ہلاک کرنے کا حکم دے دیا اور لوگوں کا ہجوم ان پہ ٹوٹ پڑا۔

اس کے بعد اسی مجمع عام میں حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ رب العالمین سے بارش کی دعا کی جو فوراً قبول ہوئی اور ہر طرف سے بادل اُمڈ اُمڈ کر آئے یہاں تک کہ پورا ملک اسرائیل سیراب ہو گیا۔ تاہم قابل افسوس امر یہ ہے کہ ان تمام حالات کے مشاہدے کے باوجود بھی زن مرید اخی اپنی بت پرست بیوی کے شکنجے سے نہ نکل سکا۔ اس کی بیوی ایزابل حضرت الیاس علیہ السلام کی دشمن ہو گئی اور اس نے قسم کھا لی کہ جس طرح اس کے ساتھی بعل کے پجاریوں کو قتل کیا گیا ہے وہ اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرائے گی۔ ان حالات

میں حضرت الیاس علیہ السلام کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا اور انہیں اپنی جان بچا کے ملک چھوڑنا پڑا۔ وہ کئی سال تک کوہ سینا کے دامن میں پناہ گزیں رہے۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنے اللہ سے جو فریاد کی اس کو توراۃ کی زبان میں پیش کیا جاتا ہے:

"اے خداوند خدا، بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبح کو ڈھایا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا، اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری بھی جان لینے کے درپے ہیں، اے خداوند خدا اکیلا تو ہی میرا مددگار اور ہمدرد ہے"

(ا۔ باب سلاطین ۱۹: ۱۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسی زمانے میں بیت المقدس کی یہودی ریاست کے فرمانروا "ایہورام Jenoram نے بنی اسرائیل کے بادشاہ اخی اب کی بیٹی سے شادی ہوگئی اور اس مشرقی شہزادی کے اثر سے وہی تمام خرابیاں جو اسرائیل کی ریاست میں پھیلی ہوئیں تھیں یہودیا کی ریاست میں بھی پھیلنے لگیں تو حضرت الیاس علیہ السلام نے یہاں بھی اپنا فریضہ نبوت ادا کیا اور ایہورام کو ایک تفصیلی خط لکھا جو توراۃ میں محفوظ رہا اس کا متن پیش خدمت ہے۔

"خداوند تیرے باپ داؤد کا خدا یوں فرماتا ہے؛ اس لیے کہ تو نہ اپنے باپ یہوسفط کی راہوں پر ہے اور نہ یہوواکے بادشاہ آسا کی راہوں پر چلا بلکہ اسرائیل کے بادشاہوں کی راہوں پر چلا ہے اور یہوداہ اور یروشلم کے باشندوں کو زنا کار بنایا جیسا کہ اخی اب کے خاندان نے کیا تھا اور اپنے باپ کے گھرانے میں سے اپنے بھائیوں کو جو تجھ سے اچھے تھے کو قتل بھی کیا سو دیکھ خداوند تیرے لوگوں کو اور تیری بیویوں کو اور تیرے سارے مال کو بڑی آفتوں سے مارے گا اور تو انتڑیوں کے مرض سے سخت بیمار ہو جائے گا یہاں تک کہ تیری انتڑیاں اس مرض کے

سبب روز بروز نکلتی چلی جائیں گی‘‘

بائیبل(تواریخ ۲۱ : ۱۵۔۱۲)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس خط میں اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام نے جو فرمایا تھا وہ اسی طرح پورا ہوا اور یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوگئی اور دشمن ان کی بیویوں تک کو اٹھا کر لے گئے۔اس کے بعد ایہورام خود حضرت الیاس علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق انتڑیوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور اذیت ناک موت مرا۔چند سال بعد حضرت الیاس علیہ السلام پھر واپس تشریف لائے اور اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کے بیٹوں اخریاہ وغیرہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندانوں کے خون میں سرایت کر چکی تھی وہ ان کے سینوں سے نہ نکل سکی۔آخر کار حضرت الیاسؑ کی بددعا سے اخی اب کا گھرانہ زمین کے سینے سے نابود ہوگیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی زمین سے اٹھالیا۔حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد لوگوں میں بعل پرستی کو بہت عروج حاصل ہوا بعل کے لغوی معنی ہیں آقا۔سردار یا مالک ،مگر خاص اس دور کے لوگ یعنی زمانہ قدیم کی سامی اقوام اس لفظ کو الٰہ یا خدا کے مترادف کے طور پہ استعمال کرتے تھے اور انہوں نے اپنے خاص دیوتا کو اس نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ لبنان کی فنیقی اقوام کا سب سے بڑا نر دیوتا بعل ہی تھا اور اس کی بیوی عستارات ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔محققین اور مورخین اس بات کو طے نہیں کر سکے کہ آیا بعل سے مراد سورج ہے یا مشتری اور عشتارات سے مراد چاند ہے یا زہرہ۔

بہر حال یہ بات تاریخی طور پہ ثابت ہے کہ بابل سے لے کر مصر تک اور پورے مشرق اوسط میں بعل پرستی پھیلی ہوئی تھی خصوصاً لبنان ،شام اور فلسطین کی مشرک اقوام بری طرح سے بعل پرستی میں مبتلا تھیں۔بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے کے بعد جب فلسطین اور شرق اردن میں آ کر آباد ہوئے اور تورا ۃ کے سخت امتناعی حکم کے باوجود وہ اردگرد کی مشرک اقوام سے رابطے بڑھانے لگے اور ان سے شادی بیاہ کرنے لگے تو ان کے اندر بھی یہ مرض تیزی سے پھیلنے لگا۔بائبل کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان

کے خلیفہ اول یوشع بن نون کی وفات کے بعد ہی بنی اسرائیل میں اخلاقی اور دینی زوال رونما ہونا شروع ہو گیا تھا۔جس کی طرف قرآن میں بھی اشارات موجود ہیں اور کتاب توراۃ بھی اس امر پہ شہادت پیش کرتی ہے

☜ اور بنی اسرائیل نے خدا کے آگے بدی کی اور بعلیم (بعل) کی پرستش کرنے لگے ۔۔۔۔۔اور وہ خداوند خدا کو چھوڑ کر بعل اور عستارات کی پرستش کرنے لگے"

(قضاۃ ۔۲ : ۱۱۔۱۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ سو بنی اسرائیل کی کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے درمیان بس گئے اور ان کی بیٹیوں سے وہ لوگ نکاح کرنے لگے اور اپنی بیٹیاں ان لوگوں کو دینے لگے اور ان کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے"

(قضاۃ ۔ ۲ : ۵۔۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس زمانہ میں بعل پرستی قوم بنی اسرائیل میں اس طرح گھس چکی تھی کہ بائبل میں جا بجا اس کا تذکرہ ملتا ہے۔بائبل کے بیان کے مطابق شمالی فلسطین کی مشرقی ریاست کے ہر شہر میں بعل دیوتا پہ قربانی کے لیے مذبح خانے قائم ہو چکے تھے اور لوگ بعل دیوتا پہ قربانی کرنے لگے تھے۔انہوں اپنے اللہ کے احسانات اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کو یکسر پس پشت ڈال دیا تھا۔حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی میں قوم بنی اسرائیل نے انکے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا ذکر ابھی گذرا ہے۔مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے پردہ فرمانے کے بعد وہ ان کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کم ہی لوگوں کو انہوں نے وہ رتبہ اور مقام عطا فرمایا جو اب ان کی نظر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا تھا۔ان کے ہاں

مشہور ہو گیا تھا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ہوا کا ایک بگولا اپنے ساتھ آڑا کر آسمانوں میں لے گیا ہے اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے چنانچہ کتاب مقدس بائیبل میں ان کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ

☜ دیکھو، خداوند خدا کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس پھر سے بھیجوں گا''

بائیبل (کتاب ملاکی ۴ : ۵)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانہ میں اہل کتاب کا یہ گروہ جس نے خود کو یہود کہلانا شروع کر دیا تھا ان دنوں تین آنے والوں کے منتظر تھے ایک حضرت الیاسؑ دوسرے حضرت مسیح علیہ السلام اور تیسرے وہ نبی جن کا ذکر ان کی کتابوں میں بکثرت موجود تھا یعنی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

''پھر جب حضرت یحیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اپنی نبوت سے آگاہ کیا اور لوگوں کو پیغام حق کی طرف پکارا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ کیا تم وہی نبی ہو جن کا ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے، حضرت یحیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں میں وہ نہیں ہوں۔ اس پہ انہوں نے پوچھا کیا تم ایلیاہ ہو حضرت یحیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں میں وہ بھی نہیں ہوں۔ اس پہ اہل کتاب کے مشائخ نے پوچھا پھر کیا تم مسیح ہو انہوں نے پھر کہا نہیں میں وہ بھی نہیں ہوں، اس پہ اہل یہود کے علماء نے ان پہ اعتراض کیا اگر تم مسیح بھی نہیں ہو ایلیاہ بھی نہیں ہو اور نہ تم وہ نبی ہو جن کے ہم منتظر تھے تو پھر تم لوگوں کو بپتسمہ کیوں دیتے ہو، پھر کچھ مدت بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیلتا چلا گیا کہ

شاید اب ایلیا نبی آ گئے ہیں خود حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیاہ نبی آنے والے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود ان سے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی دور کر دی کہ ایلیاہ تو آ چکا اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو کچھ اس کے ساتھ چاہا کیا اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحیٰ علیہ السلام ہی تھے نہ کہ حضرت ایلیاہ جن کو گذرے آٹھ صدیاں ہونے کو آ ئیں تھیں"۔

تفصیلات کے لیے دیکھیں،،،،

بائیبل (یوحنا ۔ ۱ : ۱۹ ۔ ۲۶)۔ (مرقس۔ ٦ : ۱۴ ۔ ۵۱)

(متی۔ ۱۱ : ۱۴) (متی ۔ ۱۷ : ۱۰ ۔ ۱۳)

انسان کی عقائدی پستی کے قصے، اُس کی بہمیت کے افسانے، خالق حقیقی سے اُس کی بے اعتنائی اور شرک کے وہ قبیح مناظر جو قوم بنی اسرائیل میں رواج پا چکے تھے کہ مدتوں سے وہ حقیقی ہدایت سے انکاری تھے!

اہل کنعان کے قدیم مذاہب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہل وطن کو دین حق کی دعوت پہنچائی مگر انہوں نے اس شدت سے آپ کی دعوت کا انکار کیا کہ آپ کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد آپ کچھ عرصہ تو مصر میں مقیم رہے تاہم بعد میں آپ نے فلسطین کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا اور یہیں آپ کی اولاد سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا فریضہ نبوت ادا کیا۔ ان کی مخاطب اقوام اور ان کے مجموعی ردعمل سے حتمی آگاہی کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی تاریخ سماجی روایات مذاہب اور ان کے قدیمی عقائد پہ بھی ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے تا کہ قوم بنی اسرائیل کی داستانِ عروج و زوال کو درست طور پہ سمجھا جا سکے۔ قدیم زمانوں میں دوسری سامی اقوام کی طرح اہل کنعان اور اس کے اردگرد آباد دیگر انسانی بستیاں بھی مظاہر فطرت کی پوجا کرتیں تھیں اور مظاہر فطرت ان کے دیوتاؤں کی صورت ان کی زندگیوں میں دخیل تھے۔ تاہم ان کے سب سے بڑے اور معزز معبود دو ہی تھے ایک آسمان کا دیوتا جسے وہ اپنا باپ کہتے تھے ان کے دوسرے دیوتا کا تعلق دھرتی سے تھا ان کا آسمانی دیوتا آسمان سے

ان کے لیے بارشیں برساتا اور ان کی زمینوں کو سیراب کرتا اور اس کی زرخیزی میں اضافہ کرتا تو دھرتی ماں ان کے لیے اپنی کوکھ سے فصلیں اُگاتی۔ شہر اغاریت میں آسمانی دیوتا کو ایل کہا جاتا جسے ملک شام کے پروہت خداوند خدا مانتے تھے۔ ان کے ہاں دھرتی مائی کا نام اشیرت تھا اور ایل کے بعد دیوتا علیان کو مقدس خیال کیا جاتا اور یہی علیان دیوتا تھا جس کو بعد میں بعل دیوتا قرار دے دیا گیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم اور دیگر آسمانی کتابوں میں موجود ہے کہ کنعان اور بہت سے دوسرے علاقوں میں لوگوں کی بے شمار اکثریت بعل پرستی میں مبتلا تھی۔ بعل دیوتا کو ان کے ہاں شہروں کا محافظ اور دریاؤں کی روانی کا نگران تصور کیا جاتا تھا۔ تاہم یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ملک کنعان کے ہر شہر کا بعل دیوتا مختلف تھا۔ بعل دیوتا کو ان کے بادشاہوں کا جد امجد بھی خیال کیا جاتا تھا اور زمین کی زرخیزی اور شادابی کا باعث بھی ۔بعلبک کے مشہور شہر کو بعل دیوتا کی پوجا کے حوالے سے مرکزی مقام خیال کیا جاتا [45*]۔

شروع میں آرامیوں کا دیوتا حدد گرج وچمک کا دیوتا تھا تاہم جب ارد گرد کی قوموں میں بعل دیوتا کو فیصلہ کن معبود کی حیثیت حاصل ہوگئی تو مرورِ زمانہ سے ان کا خداوند خدا بھی بعل ہی قرار پایا۔ اہل کنعان ستونوں چٹانوں اور مخروطی پتھروں کو بھی دیوتاؤں کے نشانات سمجھ کر تقدس کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔ ان کی مشہور دیوی عشتارات کو بارآوری اور تولد وتناسل کی دیوی تصور کیا جاتا۔ کئی دیگر علاقوں میں اسی دیوی کو حسن وعشق اور چاند کی ملکہ دیوی بھی قرار دیا جاتا تھا اور اس کے القاب بعلہ یا ملکہ بعل کے تھے۔ ان کے دیگر دیوتاؤں میں دیوتا ملکرت کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی اور وہ شہر صور کے لوگوں کا معبود تھا جس کا ذکر عہد نامہ قدیم میں بھی موجود ہے۔ تاہم اسے وہاں ملکرت کی بجائے مولک کہہ کر پکارا گیا ہے۔ مولک نہایت خوفناک دیوتا تھا اور اس کا بت دھات سے بنایا جاتا اس بلند وبالا بت کے دامن میں ہمہ وقت آگ کے شعلے بھڑکتے رہتے [46*]۔ اس پہ ننھے اور معصوم بچوں کو قربان کیا جاتا جو ان اقوام کی جاہلیت اور سنگ دلی پہ دلیل پیش کرتی ہے۔ مولک دیوتا کے پجاری ہر اس عورت پہ نگاہ رکھتے جو پہلی دفعہ حاملہ ہوئی ہو۔ کیونکہ ان کے عقائد کے مطابق مولک دیوتا پلونٹھے کے بچے کی قربانی پسند کرتا ہے جونہی وہ عورت بچہ جنتی تو اگر لڑکا ہوتا تو مولک کے پجاری اسے چھین کر لے جاتے اور اسے بعل کے شکم میں بھڑکنے والی آگ میں ڈال دیتے۔ تاریخ کے دریچوں میں اگرچہ انسانی کردار کے بہت سے پست پہلو مل جاتے ہیں مگر اس طرح کی بہیمیت کی مثال کم کم ہی نظر آتی ہے کہ ماں خود اپنے بچے کو بعل کے شکم کی آگ میں جھلستا

دیکھتی ہے مگر اسے اتنی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ اس کی آنکھ سے آنسوؤں کے چند قطرے ہی گر سکیں۔بچوں کی چیخوں کی آواز کو مٹانے کے لیے زور زور سے نقارے پیٹے جاتے اور نفیریاں بجائی جاتیں۔تا کہ معصوم بچوں کی چیخوں سے کوئی کم حوصلہ شخص متاثر نہ ہوجائے یا کسی ماں کے ضبط کا بندھن نہ ٹوٹ جائے یا کوئی فرد بہیمیت کے اس رواج سے بغاوت کی راہ پہ نہ چل نکلے۔

کسی بڑی قومی ابتلاء کے موقع پر بعل دیوتا پہ اجتماعی قربانی کا رواج بھی موجود تھا جس کے بعد علاقے بھر کی ماؤں کی گود سے بچے چھین لیے جاتے اور بعل کے بھڑکتے شکم کی نظر کردیئے جاتے۔تب دور دور تک ماؤں کی سسکیاں جاتیں اور جبر وخوف کے وہ مناظر تاریخ کی اندھی راہوں کا سفر طے کرتے ہوئے ہم تک پہنچے،کہا جاتا ہے ایک دفعہ جب کارتھیج کی ریاست پہ رومی افواج حملہ آور ہوئیں تو اس ابتلاء سے بچنے کے لیے بعل کے ظالم پجاریوں نے صرف ایک دن میں تین سو ماؤں کی گود اجاڑ دی اور امراء کے بچے تک نہ چھوڑے صبح وسے شام تک بعل کے بھڑکتے شکم کو بچوں کی قربانی پیش کی جاتی رہی[47*]۔

دور دور تک جلتے گوشت کی بوتھی اور چربی کی سرانڈ تھی اس کے باوجود ان کا بعل دیوتا بے بسی سے کھڑا رومی افواج کو شہر میں داخل ہوتا دیکھتا رہا اور کچھ نہ کرسکا کہ وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔یہ انسانی عقائد کی وہ پستی ہے جس نے تاریخ کے کسی بھی دور میں انسان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور انسان خالق کی تلاش میں تذبذب کا شکار ہی رہا۔اس بات کے شواہد بھی ملے ہیں کہ اہل کنعان کے بعض لوگ اپنے پلوٹھے کے بیٹے کو زندہ ہی دفن کردیتے تھے۔بعد کے زمانوں میں ان شہروں کی کھدائی کے دوران ماہرین آثار قدیمہ کو کچھ ایسے مرتبان ملے ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے بچے دفن تھے۔ببلوس شہر میں تو ایک جگہ ان مرتبانوں کا بڑا ذخیرہ دریافت ہوا تھا جس کا تعلق یقیناً ان کے بوسیدہ عقائد سے تھا

جن کے تحت وہ اپنے بڑے بیٹے کو زندہ دفن کرتے تھے بعل اور مولک کے علاوہ ان کے کئی دیگر علاقوں میں افشو دیوتا،رفشہ دیوتا اور وجودن دیوتا کی پوجا کے شواہد بھی ملے ہیں۔دیوتا اشمون شفا کا دیوتا تھا اور اس کا نشان یہ تھا کہ ایک عصا کے آخری سرے پہ دو سانپ کنڈلی مارے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔دنیا میں کہیں کہیں اور خود ہمارے ہاں بھی طب کا یہ نشان کبھی کبھی حکیموں کے ہاں دکھائی دے جاتا ہے۔دیوتا وجودن کا مندر راغاریت کی کھدائی کے دوران برآمد ہوا ہے جو کبھی قدیم فلسطیوں کے غلوں کا دیوتا تھا اور بلاشرکت

غیرے ان کا معبود تھا۔اہل کنعان کے ہاں قربانی کو بڑا اہم سمجھا جاتا تھا۔ان کے ہاں گائے بیل اور بکریوں کی قربانی کی جاتی تھی۔زمین کی فصل سے بھی ایک حصہ دیوتاؤں کے لیے مختص تھا۔قربانیاں عام طور پہ بلند چٹانوں پہ جاکے کی جاتی تھیں۔قربانی کی یہ رسمیں بعد میں کسی نہ کسی صورت میں بنی اسرائیلی مذاہب میں بھی جاری رہیں۔قدیم کنعانی مذاہب کی بنیاد نشو ونما اور تولد و تناسل کی قوتوں کی پوجا پر تھی۔ وہ مقدس کھمبوں اور ستونوں کو لنگ کی علامت سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔

زرخیزی کا یہ مت قدیم سمیر یا بابل اور مصر سے لیا گیا تھا۔ان کی دیومالا میں اس مت کا مشہور قصہ درج کیا گیا ہے جس میں ان کے دیوتاؤں تموز اور عشتار کے معاشقے کا ذکر ہے۔کنعانی سمیریوں کے اسی دیوتا تموز کو آذون کہتے تھے اور یونانی اسی تموز کو اودونس کہہ کر پکارتے تھے۔بیان کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی قبل مسیح میں تموز کا یہ مت تمام یونان میں پھیل چکا تھا۔یہ الگ بات ہے کہ ان کے ہاں دیوی عشتارات کو افرودائتی کہا جاتا تھا۔اہل کنعان بیان کرتے ہیں کہ ان کی دیوی عشتارات اس دنیا کے ایک حسین آدمی تموز پہ فریفتہ ہوگئی اس نے اپنا آسمانی مسکن چھوڑ دیا اور اسی تموز کے ساتھ وادیوں اور جنگلوں میں گھومتی پھری جہاں وہ شکار کھیلا کرتا تھا۔پھر ایک دن شکار کے دوران تموز کو جنگلی شیروں نے بہت زخمی کردیا اور وہ عشتارات کی گود میں ہی دم توڑ گیا۔عشتارات غم سے بے حال ہوگئی اور اس کی نوحہ خوانی نے زمین و آسمان کو ہلا کر رکھ دیا۔موت کے بعد تموز زمین دوز مملکت کو چلا گیا۔عشتار یا عشتارات (دونوں الفاظ مذہبی دیومالا اور مورخین کے زیر استعمال رہے ہیں) اس کی تلاش میں زمین دوز مملکت میں اس کے پیچھے چلی گئی اور بہت سی مشکلات اٹھانے کے بعد اسے زمین کے اوپر لانے میں کامیاب رہی۔زخمی ہونے کے بعد جس جگہ تموز کا خون گرا تھا وہاں لالہ کے پھول اُگ آئے تھے۔عربی زبان میں تموز کو نعمان کہا جاتا تھا۔اس لیے گل لالہ کو عربی زبان میں شقائق النعمان یعنی نعمان کے زخم کہا جاتا ہے اور انگریزی زبان میں گل لالہ کے لیے (Anemone) کا جو لفظ زیر استعمال ہے وہ النعمان ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔تموز اور اس کی موت اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ فطرت ہر برس دوہراتی ہے کہ جب تموز جو نشو نما کا دیوتا ہے زیر زمین چلا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی زمین کی زرخیزی اور شادابی بھی رخصت ہوجاتی ہے اور خزاں کا دور دورہ ہوجاتا ہے اور جب عشتار اسے اپنے ہمراہ واپس اس دنیا میں لے آتی ہے تو بہار کا موسم آجاتا ہے چاروں طرف پھول کھلتے ہیں اور کلیاں چٹکتی ہیں۔تموز کی موت اور بازیافت کے

یہ واقعات تہوار کی صورت منائے جاتے تھے۔ موسم خزاں میں تموز کی موت پر عورتیں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتیں اور ماتمی جلوس نکالتیں تھیں وہ تموز کے بت کو ریشمی لباس پہنا کر کوچہ و بازار میں گشت کرتیں اور دردناک مرثیے پڑھتیں۔ عورتیں اس زور سے ماتم کرتیں کہ درودیوار لرز اٹھتے تب بہار نمودار ہوتی اور تموز کی بازیافت کا تہوار منایا جاتا یہ خوشی اور طرب کا سماں ہوتا۔ جس کو سات روز تک منایا جاتا اور اس جوش و مسرت میں عورتیں از خود رفتہ ہو کر بلا تکلف اجنبیوں سے ہم کنار ہو جاتیں۔ مشہور مغربی مورخ ملٹن (Melton) ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''ان کے بعد تموز آ رہا تھا جس کے لبنان میں زخمی ہونے کی یاد میں شامی دوشیزائیں گریہ و ماتم کرتیں اس کے بعد محبت کے پرجوش گیت گائے جاتے، اور یہ سب کچھ موسم گرما میں ایک خاص دن ہوتا، ادونس اپنے پہاڑی مسکن سے ارغوانی رنگ میں سمندر کی طرف دوڑتا ہوا خیال کیا جاتا تھا''۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نہر ابراہیم جسے قدیم زمانوں میں ادونس کہا جاتا تھا۔ اس کا رنگ موسم خزاں میں سرخ ہو جاتا تھا موسم بہار میں بلعبک کے شہر میں دیوی عشتار کا تہوار پوری عقیدت اور جوش کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ اس میں شہر بھر کی عورتیں مقتول عاشق تموز کی یاد میں ماتمی جلوس نکالا کرتی تھیں۔ دیوی کے ہیجڑے اور پجاری نفیریوں کے بے پناہ شور اور ڈھولوں کی تھاپ میں ایک بڑا ہنگامہ برپا کرتے اور دیوی کے کئی پجاری وارفتہ ہو کر خود کو گھائل کر لیتے جس کے لیے وہ چھریاں اور زنجیریں استعمال کرتے۔ بعض تماشائی اس منظر سے جوش میں آ جاتے اور بے اختیار اپنے اعضائے تناسل کاٹ کر دیوی کے چرنوں میں ڈال دیتے۔ شام کے وقت دیوی کے پھر سے زندہ ہو جانے کی بشارت دی جاتی اور پروہت سرگوشی میں کہتے کہ ''تم بھی قبر میں دوبارہ جی اٹھو گے'' اس کے بعد پھر سے جوش و طرب کا ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ دیگر علاقوں میں روایات قدرے مختلف تھیں۔ مثلاً فریگیا میں اتیس کی پوجا تموز کے رنگ

میں کی جاتی جواتیس کی دیوی سیبلی کا عاشق تھا اور جو عین عالم شباب میں شکار کھیلتا ہوا ایک خنزیر کے ہاتھوں مارا گیا تھا تب اتیس کے پجاری جنہیں گلائی کہا جاتا تھا اتیس کا ماتم کرتے ہوئے چھریوں سے اپنے آپ کو گھائل کر لیتے تھے۔حزقیل نبی نے جب ایک دفعہ اسرائیلی عورتوں کو تموز کا ماتم کرتے ہوئے دیکھا تو سخت تعجب کا اظہار کیا تھا مشہور مغربی مورخ (Freazer) نے اپنی مذہبی دیو مالاؤں کی کتاب (The Golden Bough) میں لکھا ہے کہ

''بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پہ جو ممالک آباد تھے،ان میں تموز،اتیس ادونس کی پوجا کی جاتی تھی ان کے یہ دیوتا زرعی نشونما کی قوت کے علامتی مظاہر تھے،ہر سال خزاں اور بہار میں ان کا تہوار پورے جوش وعقیدت کے ساتھ منایا جاتا تھا جس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ خزاں میں زمین کی قوتِ نمو زوال پذیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ دیوتا کی موت ہے مگر اس کے پھر سے جی اٹھنے کی صورت میں زمین کی روئیدگی دوبارہ لوٹ آتی ہے اور بہار کے موسم میں زمین کا از سر نو احیاء ہوتا ہے،وہ خزاں میں ادونس کی موت کا تہوار مناتے اور بہار میں اس کے دوبارہ زندہ ہو نے کی خوشی منائی جاتی۔ان کا خیال تھا کہ زمین بھی ان کے دیوتا کی دوبارہ حیات کی خوشی میں برگ وبار نکالتی ہے اور رنگ رنگ کے پھول سر چمن اپنے حسن کی بہار دکھا کر ان کی خوشی میں شامل ہوتے ہیں،اس دیوتا کا اصل نام تموز تھا جو بابل اور شام کی سامی اقوام کا دیوتا تھا ۔اودنائی کا معنیٰ سامی زبان میں میرے آقا کے ہیں مگر یونانی اس کے اصل نام کی بجائے اسے اس کے لقب یعنی ادونس کہنے لگے،اہل بابل کی مذہبی تحریروں میں تموز جنسی افزائش زرخیزی اور بار آوری کی دیوی عشتار کا عاشق تھا،اور ہر سال خزاں میں تموز کی موت واقع ہو جاتی اور اس کی محبوبہ عشتار اس کی تلاش میں زمین دوز مملکت کا رخ کرتی اور بالآخر اسے تلاش کرلاتی جس سے زمین پہ ہر طرف بہار پھیل جاتی تموز کی موت پر عورتیں دردناک نوحے پڑھتی تھیں جو بابل کی ادبیات کی اہم صنف تھے۔یونانیوں کے ہاں ادونس کا یہ تہوار مدتوں باقی رہا حتیٰ کہ انبیائے بنی اسرائیل اللہ کا پیام لے کر ان اقوام تک پہنچے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

کنعانیوں کے ہاں بار آوری کے مت کا ایک پہلو مقدس عصمت فروشی بھی تھا کیونکہ وہ عمل کشاورزی اور جنسی فعل کو ایک ہی نوع کا عمل خیال کیا کرتے تھے۔اس لیے ملک کنعان کے شہروں میں جہاں کہیں بھی عشتار کے معبد تھے وہاں دیوداسیاں اجنبیوں سے بلا تکلف جنسی ملاپ کرتی تھیں۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ ببلوس کے معبد میں ہر کنواری لڑکی کو اپنے سر کے بال کٹوا کر دیوی کی نظر کرنا پڑتے تھے۔جو لڑکی دیوتا پہ اپنے بال بھینٹ کرنے کو تیار نہ ہو اس کے لیے ضروری تھا کو معبد میں جا کر کسی اجنبی کو پنا جسم سونپے اور اس سے ہمکنار ہو۔عشتار کے معبدوں میں سینکڑوں دیوداسیاں ہار سنگھار کر کر کے مسافروں اور زائرین کے لیے چشم براہ رہتیں [48*]۔عشتار کی پوجا کرنے والے بعض علاقوں میں یہ رواج بھی پایا جاتا تھا کہ ہر دلہن سسرال جانے سے پہلے سات روز تک عشتار کے معبد میں پروہتوں اور پجاریوں اور زائرین کے تصرف میں رہے۔علاقے کے روساء اور امراء تک اس اخلاقی غلاظت میں مبتلا تھے اور اوپر سے لے کر نیچے تک معاشرے کی ہر سطح زنا کاریوں میں ملوث رہا کرتی۔

امراء اور روساء بھی اپنی بیٹیوں کو مندروں اور معبدوں کی بھینٹ کرتے رہتے۔تا کہ اس سے عام آدمی کو مہمیز حاصل ہو۔لوگ پورے ذوق شوق سے ان معبدوں کا رخ کرتے جہاں مقدس زنا کے متعدد مواقع ان کو حاصل تھے۔اگر چہ انسان پہ اخلاقی پستی کے بہت سے ادوار گذرے ہیں مگر بعل دیوتا اور عشتار دیوی کو پوجنے والے معاشروں کی اخلاقی حالت دیگر معاشروں کی نسبت قدرے پست تھی۔اس لیے کہ زنا اگر چہ ہر جگہ موجود تھا مگر مقدس زنا صرف انھی کے ہاں پایا جاتا تھا۔ان کی اخلاقی پستی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ بادشاہ وقت ''سنی راس'' کی بیٹیاں بھی عشتار کے معبد میں کھلم کھلا عصمت فروشی کرتی تھیں اور خود بادشاہ دیوداسیوں کی خلوت میں جانے کو عین عبادت تصور کرتے تھے دیوی عشتار کا سالانہ تہوار موسم بہار کا خصوصی تہوار تھا۔اس میں خصوصی ناچوں کا اہتمام کیا جاتا تھا اور پھر ہزاروں کی تعداد میں عورتیں اور مرد شراب کے نشے میں بے خود ہو کر تمام معروف انسانی حدود سے باہر نکل جاتے اور رات بھر گندگی اور غلاظت کا یہ کھیل جاری رہتا۔وہ شہر صدوم کی اس عادت بد کا شکار بھی تھے جس سے قوم لوط کو منع کیا گیا تھا۔مگر انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اللہ کے حکم سے ان کو نابود کر دیا گیا۔چنانچہ ان کے بعض معبدوں میں سادہ عذار اور خوش گل اُمرد بھی موجود رہتے تھے جو کنعانیوں کے صدومی ذوق کی پرورش کرتے تھے۔گمورہ کے علاقے صدوم اور کارتھیج میں ہم جنس پرستی معمول کی بات تھی

بلکہ بہت سے لوگ تو اسے مردانگی کا لازمہ تصور کیا کرتے۔ لفظ صدومیت شہر صدوم ہی سے یادگار ہے۔مورخین کے خیال میں یہ جنسی میلان جزیرہ قریط سے لے کر یونان اور کنعان کے دیگر علاقوں تک پھیلا ہوا تھا[*49]۔

زبان وادب

تاریخ عالم میں جابجا بکھرے مختلف قوموں کے حالات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ قدیم زمانوں سے ہی انسان نے سماجی اور معاشی امور پہ اپنی بھرپور توجہ مرکوز رکھی ہے جس سے ایک مضبوط طرز تمدن ابھر کے سامنے آیا۔ البتہ اکثر ادوار میں روحانی اور اخلاقی گمراہی ان معاشروں کا طرہ امتیاز رہی ہے اور لوگ اعتقادی پستی کا شکار رہے ہے۔ اگرچہ اللہ کے انبیاء ان تک پیام خیر پہنچاتے رہے مگر کم ہی لوگ ان پہ ایمان لانے کو تیار ہوتے۔ جس کی وجہ ان معاشروں کے مضبوط سماجی بندھن بھی تھے اور عوام الناس کی جہالت بھی۔ ان کی عقائدی ناپختگی کا ذکر اوپر گذر چکا ہے مگر ہر معاشرے میں ایک سطح پر تعمیری عوامل بھی ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل یہاں بنی اسرائیل کے آبائی وطن کنعان کے حوالے سے بیان کرنی مقصود ہے۔ کنعانیوں نے البغا یعنی حروفِ تہجی (ALPHABET) ایجاد کرکے نوع انسانی پہ احسان عظیم کیا ہے۔ اہل کنعان سمیریوں کے رسم تحریر سے واقف تھے مگر سمیری رسم الخط لکھنے میں قدرے مشکل تھا اور مختصر بیان لکھنے کے لیے بھی خاصا وقت درکار ہوتا تھا جو تاجر پیشہ کنعانیوں کے لیے وبال سر تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک نیا رسم الخط ترتیب دیا جو سمیریوں کے رسم الخط سے بہت آسان تھا۔ اس کے لیے انہوں نے کچھ تصویری علامتیں مصریوں سے لیں کچھ میخی شکلیں سمیریوں سے اڑائیں۔ انہیں مختصر کیا اور حروفِ تہجی کی خوبصورتی کو قدرے نظرانداز کرتے ہوئے ان میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ آدمی انہیں جلد ضبط تحریر میں لا سکے۔ اس طرح کئی ہزار تصویری علامتوں اور شکلوں کو کانٹ چھانٹ کر کل بائیس حروف کی ایک ابجد تیار کی گئی اور ایک ایسا رسم الخط تیار کرلیا گیا جو ان کی ضروریات کو بخوبی پورا کرتا تھا۔ کچھ عرصے

بعد ہی شدہ شدہ یہ حروف ابجد بحیرہ ایجین عبور کر کے یونان پہنچے جس میں یونانیوں نے اپنی طرف سے چند حروف کا اضافہ کیا اور نئی ابجد لے کر اطالیہ پہنچے۔ وہاں پہ رومیوں نے اس ابجد میں پھر اضافے اور تبدیلیاں کیں اور یہی ابجد مغربی یورپ کے وحشی قبائل میں رواج پا گئی اور یہی وحشی قبائل انگریزوں فرانسیسوں اور جرمنوں کے آباؤ اجداد تھے اور یہی ابجد بعد میں انگریزی فرانسیسی اور جرمن زبانوں کی بنیاد بنی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کی کتابیں مصریوں کے ہیروغلیف یا سمیریوں کے میخی حروف کی بجائے کنعانیوں کی ایجاد کردہ حرف ابجد میں لکھیں جاتی تھیں [50*]۔ پھر عربوں نے کنعانی ابجد میں چھ حروف (ث، ذ، ظ، ض، خ، غ) کا اضافہ کیا کنعانی دائیں سے بائیں کو لکھتے تھے۔

ابتداء میں عربوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا مگر آریائی اقوام اور ہندو یونانی اور رومی بائیں سے دائیں لکھنے لگے۔ بائیں طرف سے دائیں طرف لکھنے کا رواج اس وقت ہوا جب قلم اور روشنائی سے لکھنے کا زمانہ آیا۔ کنعانی ابجد مشرق و مغرب میں دور دور تک رواج پا گئی۔ چنانچہ عبرانی، آرامی، عربی، یونانی، لاطینی، یونانی، سنسکرت، انگریزی، جرمن فرانسیسی اور اطالوی وغیرہ تمام زبانوں میں کنعانی حروف ابجد ہی مستعمل رہے ہیں۔ اس لیے یونانی زبان میں، الفا، بیٹا، گاما دراصل وہی حروف ہیں جو عربوں کے، ا، ب، ج ہیں۔ ابتدا میں بیل کی ب (گھر) کی اور ج جمل (اونٹ) کی علامتیں تھیں۔ ہاتھ کو ید کہتے تھے اور اس کے لیے ی مقرر کی گئی تھی، پانی کو میم یا مم کہتے تھے اور اس کے لیے م کی علامت استعمال کی جاتی تھی۔ سر کے لیے کنعانی ریش کا لفظ بولتے تھے اور اس کے لیے ر کی علامت رکھی گئی تھی، کنعانیوں کے مذہبی رسوم، ادبیات، موسیقی اور شاعری نے بنی اسرائیل کے مذہب اور ادبیات و فنون پر گہرے اثرات ثبت کئے جن کا ذکر کرتے ہوئے مشہور برطانوی مورخ (Philp Huatie) لکھتا ہے کہ:

"واضح رہے کہ عبرانی یعنی یہودی بدویوں کی حیثیت سے ملک کنعان میں وارد ہوئے آباد کاری کے ابتدائی دور میں ان کے سامنے مقامی بودوباش کے علاوہ اور کوئی نمونہ نہ تھا جس کی وہ پیروی کرتے۔ اس لیے انہوں نے زبان اور ابجد کنعانیوں سے ہی لے لی تھی۔ پھر انہوں نے اپنے ہمسایوں سے فن تحریر سیکھا اور اس میں اپنی ادبیات تخلیق کرنے کے اہل ہوئے۔ اس لیے یہودیوں نے جو ابتدائی دنیوی قوانین بنائے وہ کنعانی الاصل ہی تھے۔ کنعانیوں ہی سے

یہودیوں نے زراعت سیکھی اور تمدنی زندگی کی دوسری ضروریات سے آگاہی حاصل کی۔کھیتی باڑی اور باہم شادی بیاہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ کنعانیوں کے مذہبی طریق یہودیوں میں رواج پانے لگے اور وہ بھی شدہ شدہ ان امور کی پیروی کرنے لگے جو بارآوری اور فصلوں کی افزائش کے لیے ان کے ہاں رائج تھے۔اس طرح پرانی ریتیں رسمیں اور ادارے قوم بنی اسرائیل کے ہاں قبولیت اختیار کرنے لگے اور وہ اپنے آباء کی تعلیمات سے دور ہوتے چلے گئے۔تاہم راسخ العقیدہ یہود اور بعل کے پجاریوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہوگئی جو ایک مدت تک جاری رہی اور اس سرد جنگ کے آخر میں یہودیوں کے یہواہ کو فتح نصیب ہوئی اور اسے خدائے عزوجل مان لیا گیا تھا۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہر جگہ ان مقامی دیوتاؤں کو ترک کردیا گیا تھا جو ان کی بارآوری اور زمین کی زرخیزی کے منصب پہ فائز تھے چنانچہ بعض اوقات یہودیوں کے معبود سے بھی وہی صفات منسوب کردی جاتی تھیں جو بعل دیوتا سے خاص تھیں۔ مثلاً آسمانوں کا خدا بارش بھیجنے والا اور طوفانوں کو قبضے میں کرنے والا اور یہودی بھی بعض اوقات اپنے پلوٹھے بیٹے کا نام یہودہ کے نام پہ رکھتے تھے تو دوسرے بیٹے کے نام کے ساتھ بعل کا نام شامل کرلیا جاتا تھا۔جو سامی گروہ ہلالِ زرخیز میں آباد تھے ان کا عام عقیدہ یہ تھا کہ عبادت کا صحیح طریقہ جانوروں کی قربانی ہے یا زمین کی پیداوار اور جانوروں کے گلوں سے مقدس تحائف اپنے معبودوں تک پہنچانا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہیکل ہی کنعانیوں کا تجویز کردہ نہ تھا بلکہ اس میں عبادات کے مراسم کا ایک حصہ بھی انہوں نے ہی مقرر کیا تھا اس لیے ان کی عبادت گاہوں میں جو گیت گائے جاتے تھے یا ان کے لیے جو لے اختیار کی جاتی تھی وہ کنعانیوں ہی سے ماخوذ تھی"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہودیوں کے مذہب کے علاوہ کنعانیوں نے ان کی لسانیات اور ادبیات کو بھی متاثر کیا تھا۔یہودیوں نے مذہبی ریتوں اور رسموں کے ساتھ گیت اور نظمیں بھی کنعانیوں ہی سے مستعار لیں تھیں۔ان کے ہاں دیگر اسالیب بیان اور تشبیہ و تمثیل کا ماخذ بھی یہی تھا۔غزل الغزلات زبور اور امثال میں ان کے آثار بطور

خاص موجود ہیں ۔اغاریت کنعان کا مشہور شہر تھا۔جس کے کھنڈرات 1929ء میں ایک فرانسیسی عالم شیفر نے دریافت کیے۔اس شہر کی کھدائی سے جو ادبی تحریریں ملیں ہیں ان میں اور صحیفہ ایوبؑ کے اسلوبِ بیان میں مشابہت بہت نمایاں ہے ۔ادبیاتِ اغاریت میں بادلوں کا سوار بعل کی ایک صفت ہے۔ یہودیوں نے یہی صفت یہواہ کے لیے اختیار کی(زبور ۲۸ آیت ۴۰) ۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اغاریت کی ایک تحریر میں بجلی کی کڑک کو بعل کی صدا قرار دیا گیا ہے تو صحیفہ ایوبؑ میں بجلی کی کڑک کو خدا کی آواز قرار دیا گیا۔زبور کے بہت سے گیت کنعانی الاصل ہیں۔علاوہ بریں ان کے ہاں کنعانی ادبیات کے ذریعے سے مصر کے ادبی نمونے اور نصیحت آمیز تحریریں بھی منتقل ہوئیں ۔اس لیے بعد میں بہت سی چیزیں ان امثال میں غلط ملط ہو گئیں ۔خود مصری ادب میں تیرویں صدی قبل مسیح تک اجنبی لفظوں کی بھر مار تھی ۔فلپ حتی (Philep Hatei) جن کا تعلق مورخین کے قبیلے سے ہے۔خود کو کنعانی الاصل بتاتے ہیں اور اس پہ فخر بھی کرتے ہیں۔ملک کنعان کا تمدنی احوال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ!

”فن تعمیر،شاعری اور موسیقی کے علاوہ اہل کنعان سنگ تراشی میں بھی ماہر تھے۔ایک روایت ہے کہ قبرص کے ایک کنعانی بادشاہ (پگ ملیان) نے حسن کی دیوی کا ایک مجسمہ تراشا تو وہ اس قدر حسین تھا کہ خود بادشاہ اس پہ فریفتہ ہو گیا اور اپنے دیوتاؤں سے التجا میں مصروف ہو گیا کہ اے خداوند بعل اس کو زندگی عطا کر دے۔چنانچہ اس کی برسوں کی ریاضت رنگ لائی اور اس کی دعا قبول کر لی گئی۔اس کے مجسّمے میں روح پھونک دی گئی تب بادشاہ پگ ملیان نے اس سے نکاح کیا اور اسے اولا دعطا کی گئی۔اس کے علاوہ اس دور کے اہل کنعان کو علم فلسفہ سے بھی شغف حاصل تھا۔بیان کیا جاتا ہے کہ فلسفہ رواقیت کا بانی زینوفنس کا دور 261 ق م سے لے کر 333 ق م تک ہے کا تعلق بھی ملک کنعان ہی سے تھا۔تاہم فلسفہ رواقیت نے کنعان کی بجائے سلطنت رومہ کے ادوار میں ہمہ گیر مقبولیت حاصل کی اس کے علاوہ ”مارکس آریلیس، ایپک ٹیٹس اور پروفیسر سیٹیکا بھی مشہور رواقی فلسفی ہو گذرے ہیں،ان سب کا تعلق ملک

کنعان ہی کے مختلف علاقوں سے تھا۔ پھر فلاطینوس کے شاگردوں میں فرفوریوس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، یہ بھی کنعانی تھا اور اس کا شاگرد یمبل یوقس بھی کنعانی الاصل ہی تھا۔ان فلاسفہ نے نو اشراقیت کی تحریک واشاعت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان فلاسفہ کے نو اشراقی افکار سے مسلمان فلسفی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔حروف ابجد، فن تحریر اور فکر و فلسفہ کے علاوہ بھی قدیم اہل کنعان نے تمدن نوع انسانی میں قابل قدر اضافے کیے تھے جن میں ان کی جہاز سازی کے فن اور جہاز رانی کے اصولوں کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔انہوں نے جہاز رانی کو بے پناہ ترقی عطا کی اور طویل بحری سفروں کے لیے نئے نئے اسلوب وضع کئے[51*]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

کئی دیگر مورخین بھی اس امر پہ شہادت فراہم کرتے ہیں کہ اہل کنعان بڑے پائے کے جہازراں تھے۔ قدیم زمانوں میں بڑے مہم جو اور خطر پسند بحری مسافر تھے اور ان کی یہی افتادِ طبع تھی جس نے اول اول بحری راستوں سے بین الاقوامی تجارت کی بنیاد رکھی۔انہوں نے چین ہند بابل اور مصر وغیرہ کی بندرگاہیں دریافت کیں اور طویل بحری راستے طے کئے جس کی وجہ سے بابل کنعان اور مصر کی مصنوعات سے مغربی ممالک کو آشنائی حاصل ہوئی۔انہی کی وساطت سے اہل مغرب کی تمدن سے عاری وحشی اقوام مشرق کے درخشاں تمدن سے آشنا ہوئیں۔اس کے علاوہ قدیم کنعانی مذہبی عقائد اور رسم و رواج نے بھی قوم بنی اسرائیل کے مذہبی شعائر اور رسوم و عبادات پہ اپنے گہرے نقش ثبت کئے جو یہودیت کی وساطت سے کسی حد تک پہلے عیسائیت اور پھر اسلام پر بھی اثر انداز ہوئے۔بحری سفروں میں نقشوں کا استعمال طول بلد اور عرض بلد کی دریافت اور جہاز رانی میں ان اصولوں کا استعمال بھی فنیقیوں اور کنعانیوں کی اولیات میں سے ہے۔یہ کنعانی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے دس کے ہندسے کی بجائے بارہ کے ہندسے کو رواج دیا اور اسے حساب کتاب میں مرکزی حیثیت دلوائی۔چنانچہ ہم آج تک فٹ میں بارہ انچ اور ایک درجن وغیرہ کی اصطلاحیں استعمال کرتے آئے ہیں۔جو دراصل کنعانیوں ہی کا حسابی نقطہ نظر تھا شلنگ کے بارہ

پنس بھی انہی کی وساطت سے اہل مغرب میں رواج پذیر ہوئے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ براعظم یورپ کا نام بھی ان کی ایک شہزادی یوروپا کے نام پر رکھا گیا تھا۔ رسم الخط میں مستعمل لفظ (Phonetics) بھی قدیم کنعانی لفظ (Phoenician) ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے اوران کی لسانی برتری کی دلیل یہ ہے کہ تمام سامی رسوم الخط کنعانی یا فونیقی رسم الخط ہی سے نکلے ہیں۔ چنانچہ مشہور عرب مورخ استاذ احمد حسن "تاریخ ادبیات عربی" میں لکھتے ہیں۔

> کہ آرامی رسم الخط فونیقی رسم الخط سے ماخوذ ہے پھر آرامی رسم الخط سے حوران میں خط نبطی اور عراق میں سطرنجیلی یا سریانی رسم الخط نکلا اور یہی دو رسوم الخط عربی رسم الخط کی اصل ہیں اول الذکر سے خط نسخ پیدا ہوا اور ثانی الذکر سے خط کوفی پیدا ہوا جس کو قبل اسلام تک حمیری رسم الخط کہا جاتا رہا اور بعد از اسلام عربوں کی ٹکسالی زبان قرار پایا۔

قوم بنی اسرائیل، ایک تعارف

اول یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل کبھی مالک کائنات کی نہایت لاڈلی قوم تھی مگر ان کے رویہ انحراف نے آخر کار ان کو ایک مردود قوم قرار دلا دیا۔ ان کا انکار اور اپنی خواہشوں کو اللہ کے حکم پہ بالا رکھنے کی عادت نے ان سے عزت کا وہ مقام چھین لیا جو کبھی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ کے احکامات میں سے انہوں نے جو بات بھی اپنے خیالات اور خواہشات کے خلاف پائی اس کا بے دریغ انکار کیا۔ انہوں نے پوری ڈھٹائی اور سرکشی کے ساتھ اللہ کے انبیاء کو ایذا پہنچائی اور انہیں قتل تک کیا۔ قرآن نے ایک جگہ بیان کیا ہے کہ:

فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِىْ الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُواْ الألْبَابِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ ؛ ۷)

ترجمہ؛

''سو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس (قرآن) کے اس حصے کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، دین میں شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے، حالانکہ ان کا (اصل) مطلب بجز حق تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم دین میں پختہ کار اور فہیم ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پہ اجمالاً یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں،،۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عہد حاظر کے عظیم مفسر امام امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن میں ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''پہلے مذکورہ آیات میں استعمال ہونے والے لفظ زیغ کی حقیقت کو سمجھ لیں کہ زیغ کے اصلی معٰنی میل یعنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں اور یہ لفظ بیک وقت دو مفہوموں کا حامل ہے۔ ایک کجی اور دوسرے سقوط، کوئی چیز جو کھڑی ہوتی ہے جب جھک جاتی ہے تو گرنے کے قریب ہو جاتی ہے یہ حالت اس رسوخ کے برعکس ہے جو اس آیت میں **راسخون فی العلم** کی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ زیغ یوں تو اہل ضلالت کی عام بیماری ہے لیکن اہل کتاب اس مرض میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ مبتلا رہے ہیں۔ یہود کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ شروع ہی سے اس بیماری میں مبتلا رہے۔ اور ان کے زیغ کا یہ پہلو خاص طور پہ نہایت سنگین ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کی موجودگی میں اس بیماری میں مبتلا رہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کے سبب سے خدا کے غضب میں مبتلا ہوئے۔قرآن میں دوسری جگہ سورہ صف میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ٣٧ ؛ ٦)

ترجمہ؛

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں دکھ پہنچا رہے ہو جب کہ تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔پس جب وہ کج ہو گئے تو خدا نے بھی ان کے دل کج کر دیئے اور اللہ بدعہدوں کو ہدایت نہیں بخشتا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ یہی یہود تھے جنہوں نے کلمۃ اللہ اور اس قسم کے بعض دوسرے الفاظ کی تحقیق کی تشریح میں فلسفیانہ موشگافیاں پیدا کر کے ان کو ایک گورکھ دھندا بنا دیا۔جس سے بعد میں نصاریٰ کے لیے گمراہی کی راہیں کھلیں جو بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ تھے اور وہ حضرت مسیح کی الوہیئت کے عقیدے میں مبتلا ہوئے ۔نصاریٰ کی اس گمراہی پہ مزید اضافہ بت پرست قوموں کی تقلید سے ہوا۔پھر آہستہ آہستہ وہ حق سے اتنے دور ہوتے چلے گئے کہ اس سے ان کا رشتہ ہی منقطع ہو کر رہ گیا اور وہ صریح کفر میں مبتلا ہو گئے۔

چنانچہ قرآن نے ان کے بارے میں یہ تصریح فرمائی ہے:

لَقَدْکَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ ٥ ؛ ٧٢)

ترجمہ:

''ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہود ونصاریٰ کی گمراہی کی نوعیت میں بس یہی فرق ہے کہ یہود کی گمراہی اصلاً عملی تھی، جب کہ نصاریٰ کی اعتقادی۔ اس فرق کی وجہ سے حق کی مخالفت میں ان کا رویہ بھی ایک دوسرے سے مختلف رہا۔ یہود تو قرآن کو حق جاننے کے باوجود اس کی مخالفت کرتے تھے۔ جب کہ نصاریٰ جس طرح توراۃ اور انجیل کے متشابہات میں پڑنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح قرآن میں بھی ان کی ساری دلچسپی صرف متشابہات کی حد تک تھی اور انھی میں وہ موشگافیاں کر کے طرح طرح کے فتنے پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اس طرح اپنی گمراہی کا بھی سامان کرتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے۔ قرآن کے محکمات میں نہ انہوں نے خود دلچسپی لی اور نہ ان لوگوں کو دلچسپی لینے دی جن پہ ان کا بس چلتا تھا۔ الغرض قلب ونظر کے زیغ اور متشابہات کی پیروی کے باب میں یہود ونصاریٰ دونوں ایک ہی سطح پہ تھے اور یہ بیماری ان میں مشترک تھی۔ تاہم ان کے ذوقی رجحانات ذرا الگ الگ تھے۔

یہود ابتغاء فتنہ سے لگاؤ رکھتے تھے تو نصاریٰ ابتغائے تاویل سے۔ یہ گمراہیاں چونکہ دنیا کے تمام گمراہ طبقات میں مشترک ہیں اس وجہ سے قرآن نے اسلوبِ بیان عام ہی رکھا ہے تا کہ کلام میں وسعت پیدا ہو سکے۔ اگرچہ یہاں یہود ونصاریٰ کی تخصیص نہیں کی گئی لیکن قرآن کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اشارہ انہی کی طرف ہے۔ یہی انداز سورہ فاتحہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور وہاں بھی **مغضوب علیہم** اور **ضالین** کے الفاظ ہر چند عام ہیں اور ان کے عام ہونے کی وجہ سے ان میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے لیکن ان کا خاص اشارہ یہود ونصاریٰ ہی کی طرف ہے۔ متشابہات کی پیروی کی وجہ سے یہود ونصاریٰ جس قسم کی گمراہیوں میں مبتلا ہوئے اس کو ایک مثال سے واضح کرنا مفید ہوگا۔ یاد رہے کہ قرآن اور انجیل اس امر میں باہم متفق ہیں کہ حضرت مسیح کلمۃ اللہ ہیں اور کلمۃ اللہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس امر سے امر وحکم کی تعبیر کی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش چونکہ فطرت کے عام ضابطے کے خلاف ہوئی تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کلمہ سے تعبیر کیا یعنی ان کی ولادت اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے

ہوئی ہے یہ اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اصل شئے کسی چیز کے واقع ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ اسباب محض ظاہر کا پردہ ہیں اور یہ بات قرآن میں نہایت وضاحت سے بیان ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے جس سے کسی صاف ذہن کے آدمی کے اندر کوئی الجھن پیدا ہو سکے۔ چنانچہ قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ؛

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ O

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ ؛ ۵۹)

ترجمہ؛

”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم کی، آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا بس وہ ہو گیا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یعنی آدم کو کلمہ کن کے ذریعے وحی ناطق بنایا۔ اسی چیز کو دوسری جگہ نفخ روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ بعینہٖ یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ نصاریٰ نے اس واضح بات میں جو تحریف کی اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب ان کو بت پرست قوموں سے سابقہ پیش آیا اور ان کے ساتھ ان کی مذہبی بحثیں شروع ہوئیں تو انہوں نے ان پر یہ اعتراض شروع کیا کہ تم تو ایک مصلوب خدا کی پرستش کرتے ہو اور ہم تم سے ہزار درجے افضل ہیں، اس لیے کہ ہم آسمانی دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ نے اپنے حریفوں کے اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کوشش کی کہ اپنے عقیدے کو بھی انہی کے سانچے میں ڈھال دے۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ مسیح تو ابن اللہ ہیں وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اپنے اس نئے عقیدے کی آرائش میں انہوں نے ایک طرف تو یونانیوں مجوسیوں اور ہندوؤں کے فکر وفلسفہ سے مواد حاصل کیا تو دوسری طرف یہودی متکلمین کے علم کلام سے بھی راہنمائی حاصل کی جو یہود کے آخری دور کی

پیداوار تھے جو نہ صرف خالق اور مخلوق کے درمیان وسائل و وسائط کے قائل تھے بلکہ ان کو مستقل ذوات کا درجہ دیتے اور ان کو کلمۃ اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔نصاریٰ نے بعینہٖ یہی عقیدہ حضرت عیسیٰ کے لیے اختیار کر لیا کچھ عرصہ تک تو بات اسی حد تک رہی مگر آہستہ آہستہ گمراہی سے مزید گمراہی پیدا ہونی شروع ہوئی اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا کفو،اسی کے جوہر سے اور ازل سے اس کے (خدا) کے ساتھ قرار دے دیا اور پھر اس عقیدے کی تائید کے لیے انجیل یوحنا کے آغاز میں تحریف کے چور دروازے سے بعض عبارتیں بھی داخل کر دیں تا کہ باہر سے برآمد کئے ہوئے اس عقیدے کے لیے گھر سے بھی دلیل فراہم ہو جائے[52*]''۔

چنانچہ قوم بنی اسرائیل نے اپنے الہامی علوم کو تباہ کرنا شروع کر دیا اور ان نشانات تک کو مٹا دیا جو ان کی عظمت کے نشاں تھے۔قوم بنی اسرائیل کی داستانِ جرم نہ صرف طویل ہے بلکہ شرمناک بھی ہے۔خود ان کی کتابیں ان کی اس سیاہ تاریخ کی شاہد ہیں۔مثال کے طور پہ ہم بائبل سے چند منتخب اقتباسات کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔

☜ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ایک شاندار عروج کے بعد بدترین انتشار اور انارکی کا شکار ہوئی تو ان کی وسیع اور مستحکم ریاست یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ میں منقسم ہو گئی تو اس کے بعد ان کے وارثوں کی آپس میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگ لی اس پہ خدا کے ایک نبی حنانی علیہ السلام نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہ کی مگر آسا نے ان کی باتوں پہ توجہ دینے کی بجائے اللہ کے اس پیغمبر کو جیل بھیج دیا''۔

بائبل (۲۔تواریخ،باب ۱۷۔آیت ۷۔۱۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ حضرت الیاس علیہ السلام جنہیں اہل کتاب کے صحیفوں میں ایلیا کے نام سے پکارا جاتا ہے نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی اور ان کے کانوں میں از سر نو دعوتِ توحید کا صور پھونکنا شروع کیا تو سامریہ کے اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نما سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔اس موقع پر حضرت الیاس علیہ السلام نے جس درد بھرے لہجے میں اپنے رب کو پکارا کہ ان کے الفاظ یہودیوں کی بدبختی اور حق ناشناسی پہ دلیل پیش کرتے ہیں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آج تک تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگرچہ دنیا کی بہت سی قوموں نے اللہ کے انبیاء کو جھٹلایا مگر کسی نے ان پہ ظلم وستم کے وہ در نہیں کھولے جس کے مرتکب اہل یہود ہوئے۔حضرت الیاس علیہ السلام کے الفاظ یہود کی کتاب سے۔

☜ اے خداوند خدا، بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبح کو ڈھایا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا، اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری بھی جان لینے کے در پے ہیں، اے خداوند خدا اکیلا تو ہی میرا مددگار اور ہمدرد ہے"

(۱۔سلاطین ۱۹ : ۱۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اللہ کے ایک اور نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو اخی اب نے حق گوئی کی پاداش میں جیل میں ڈال دیا اور ان کے صیاد کو حکم جاری کیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا"۔

(۱۔سلاطین باب ۲۲ آیت ۲۶،۲۷)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ پھر جب یہودیہ کی ریاست میں علانیہ بت پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور حضرت زکریا علیہ السلام نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں ''مقدس'' اور ''قربان گاہ'' کے درمیان سنگسار کردیا گیا''۔

(۲۔تواریخ باب ۲۴۔آیت ۲۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ اس کے بعد جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم ہوچکی اور یروشلم کی یہودی ریاست پر تباہی کا طوفان تُلا کھڑا تھا تو ''یرمیاہ'' علیہ السلام اپنی قوم کی حالت زار اور زوال پہ ماتم کرنے اٹھے اور کوچہ کوچہ گھوم کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا تو قوم کے درد میں مبتلا اللہ کے اس نبی کو قوم بنی اسرائیل نے یوں جواب دیا کہ ہر طرف سے ان پہ لعنت اور پھٹکار کی بارش ہونے لگی وہ پیٹے گئے، قید کئے گئے، رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکائے گئے تا کہ بھوک اور پیاس سے سوکھ سوکھ کر مر جائیں قوم بنی اسرائیل نے ان پہ الزام لگایا تھا کہ وہ قوم کے غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔

(یرمیاہ ، باب۱۵آیت ۱۰ ۔ باب ۱۸ آیت ۲۰۔۲۳ ، باب ۲۰ آیت ۱۔۱۸ باب ۳۶ تا باب ۴۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ قوم بنی اسرائیل پہ آئے ایک اور نبی حضرت عاموس علیہ السلام کے بارے میں

بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو ان کی بدکاریوں اور گمرائیوں پر ٹوکا اور ان کے برے انجام سے خبردار کیا تو قوم نے انہیں نوٹس دیا کہ وہ ان کے ملک سے نکل جائیں اور کہیں اور جا کر اپنی نبوت کریں ہمیں ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو تم بیان کرتے ہو ۔

(عاموس، باب ۷ ۔آیت ۱۰۔۱۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جب قوم کی توجہ ان کی بدکاریوں کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی اور ان بداخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی جو یہودیہ کے فرمانروا ہیرودیس کے دربار میں کھلم کھلا ہو رہی تھیں تو پہلے تو ان کو قید کر دیا گیا اور پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر کاٹ کر ایک تھال میں رکھ کے اپنی اس رقاصہ کی خدمت میں پیش کر دیا جو اس کی معشوقہ بھی تھی۔

(مرقس باب ٦ آیت ۱۷۔۲۹)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ قوم بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں ان کے گناہوں اور بدکاریوں سے ٹوکتے تھے، ایمان اور راستی کی طرف تلقین کرتے تھے۔اس قصور پہ ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا اور رومی عدالت سے ان کے خلاف قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا اور جب رومی حاکم پیلاطس نے یہود سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری خاطر ایک قیدی رہا کرنا چاہتا ہوں تم یسوع اور برابا ڈاکو میں سے کسی ایک کو چن لو تو ساری قوم نے متفقہ فیصلہ دیا کہ اے بادشاہ تو برابا ڈاکو کو چھوڑ دے اور یسوع کو پھانسی پہ لٹکا دے اسی میں ہماری خوشی ہے۔

(متی باب ۲۷۔ آیت ۲۰ تا ۲۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم بنی اسرائیل صدیوں انحطاط کا شکار رہے۔اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پیغمبر پیام حق پہنچانے لیے ان میں مامور فرمائے۔مگر انہوں نے اللہ کے پیغمبروں سے جو رویہ اختیار کیا وہ بہت ہی پست تھا۔انسان کم ہی اس کی توقع کرتا ہے کہ کوئی قوم اتنی محسن کش بھی ہو سکتی ہے،تاریخ عالم سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگ تو عام درجے کے مصلحین،سماجی راہنماؤں،فلاسفہ،سیاسی راہنماؤں اور حکیموں تک کو عزت کا وہ مقام عطا کرتے رہے ہیں جو قوم بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کو بھی عطا نہ کیا۔وہ نہ صرف اللہ کے پیغمبروں سے تعرض کرتے بلکہ ان کے مقابلے پہ اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کو ایذا پہنچاتے،توہین کرتے،انکار کرتے، قید کرتے اور آخر میں ان کو قتل کرنے سے بھی نہ کتراتے۔صدیوں کے اس مسلسل اخلاقی انحطاط نے ہی انہیں آخر کار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانے سے بھی محروم رکھا۔

ورنہ اصولاً تو ان کا دین اسلام ہی تھا اور وہ کبھی اللہ کے مسلم بھی رہے تھے۔دراصل ان کے عقائد میں بہت سے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی جن کے لیے توراۃ میں کوئی سند موجود نہ تھی۔پھر ان کی عملی زندگی میں بکثرت رسوم اور طریقے رواج پا گئے تھے جو ان کے اصل دین کا حصہ نہ تھے۔پھر یہ بھی تھا کہ نزول قرآن کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گذرے تقریباً انیس صدیاں گذرنے کو آئی تھیں۔خود اسرائیلی روایات کے حساب سے حضرت موسیٰ نے ۱۲۷۲ء قبل مسیح میں وفات پائی تھی،اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۶۱۰ء بعد مسیح منصب نبوت پہ سرفراز ہوئے۔اس طویل دور میں قوم بنی اسرائیل نے توراۃ کو انسانی کلام کے اندر غلط ملط کر دیا تھا اور خدا کا کلام جس حد تک لفظاً یا معنوی طور پہ ان کے ہاں محفوظ تھا اس کو بھی انہوں نے اپنی من مانی تاویلوں اور تفسیروں سے مسخ کر رکھا تھا۔دین کی حقیقی روح ان میں سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہبیت کا محض ایک بے جان ڈھانچہ تھا جس کو وہ سینے سے لگائے پھرتے تھے۔ان کے علماء مشائخ ان کے سرداران قوم اور ان کے عوام سب کی اعتقادی،اخلاقی اور عملی حالت بری طرح بگڑ چکی تھی اور اپنے اس بگاڑ سے ان کو ایسی محبت تھی کہ وہ اصلاح کی کسی صورت کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔صدیوں اللہ کے مقرر کردہ محترم انبیاء ان کے اس بگاڑ کا رد کرتے چلے آئے مگر ان کا اصرار اپنی جگہ برقرار رہا۔صدیوں

ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی اللہ کا کوئی بندہ انہیں دین کا سیدھا رستہ دکھانے کو آتا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے اور ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتے کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے۔ یہ لوگ حقیقت میں بگڑے ہوئے مسلمان تھے جن کے ہاں بدعتوں، تحریفوں، موشگافیوں فرقہ بندیوں، استخواں گیری، مغز افگنی، خدافراموشی اور دنیا پرستی کی بدولت انحطاط اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنا اصل نام مسلم تک بھول گئے تھے۔ وہ محض یہودی بن کے رہ گئے تھے اور اللہ کے دین کو انہوں نے محض بنی اسرائیل کی آبائی وراثت سمجھ لیا تھا۔ علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کے بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقے میں مقید کر رکھا تھا۔ عامہ ءخلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دی۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے قوم بنی اسرائیل میں عمومی جہالت اور گمراہیاں پھیلیں تو اہل یہود کے علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ہر اس ضلالت اور بدعت کو جو ان کے ہاں رواج پا جاتی اپنے قول وعمل یا سکوت سے سندِ جواز عطا کرنے لگ جاتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی عوام میں اس عقیدے کو بھی رواج دے رکھا تھا کہ صرف اہل یہود ہی اللہ کی محبوب قوم ہیں اور اللہ کی نعمتیں اور جنتیں صرف انھی کے لیے ہیں اور گروہ یہود سے باہر تمام لوگ عنقریب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

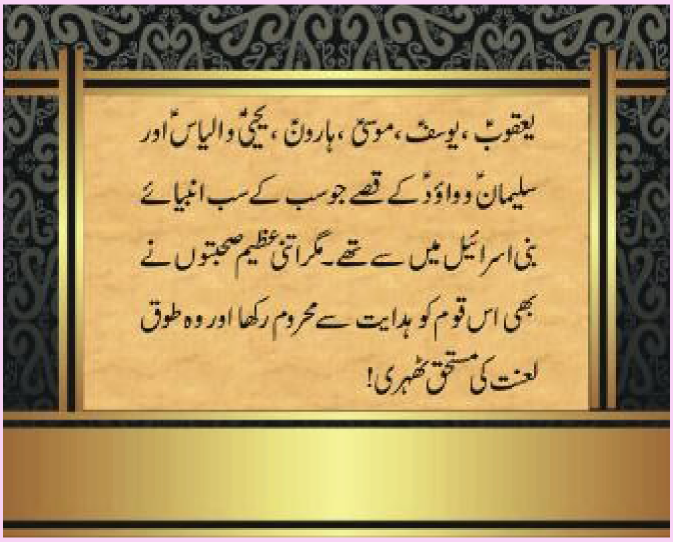

قوم بنی اسرائیل تاریخ کے آئینوں میں

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کو بنواسماعیل کہا جاتا ہے جس میں نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ جن پر رسالت اور نبوت کا اختتام کر دیا گیا اور قرآن کو اس دنیا کے لوگوں کی راہنمائی کے لیے محفوظ کر دیا گیا تا کہ قیامت تک انسانوں کی راہنمائی کے لیے کام دے اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ اسلام کی اولاد کو بنواسحاق یا بنی اسرائیل کہا گیا جن پہ اللہ نے بے پناہ انعام اکرام جاری رکھے اور انہیں دنیا کی راہنمائی کے لیے چن لیا اور ان میں بارہ ہزار سے زائد انبیاء کو مبعوث کیا۔ تاہم جب قوم بنی اسرائیل اللہ کی ان عنایات کا بوجھ نہ سہار سکی تو ان کو دنیا کی راہنمائی اور منصب خلافت سے اتار کر یہ منصب بنواسماعیل کو سونپ دیا گیا جس کی جلن اور حسد کی بنا پر بنی اسرائیل نے نہ صرف حق سے منہ موڑا بلکہ اپنے تمام وسائل اس کی مخالفت میں جھونک دیئے۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ بھی نہ نکلا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی رہی اور قوم بنی

اسرائیل سمٹتی چلی گئی۔ آج یہ حال ہے کہ ایک ارب ساٹھ کروڑ مسلمانوں کے مقابلے میں قوم بنی اسرائیل چند لاکھ نفوس پر مشتمل اہل عرب کے نرغے میں ایک مختصر سی جگہ پہ سمٹی ہوئی ہے اور اسرائیل کی اس نام نہاد ریاست کو قائم رکھنے کے لیے یہود و ہنود اور نصاریٰ اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لا رہے ہیں۔ تاہم ان کے مقدر میں دربدری اور ذلت لکھ دی گئی ہے اس لیے ظاہر کے پردے میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ نہایت عارضی ہے اور یہودی انشاء اللہ پھر سے دربدر ہونے کو ہیں کہ عزت و ثبات خالق کائنات کے قول کو ہے نہ کہ امریکہ یا برطانیہ کی اس پشت پناہی کو جو آج اس یہودی ریاست کو حاصل ہے۔

آج کی یہ یہودی ریاست اور اس کے وسائل یا اہل عرب کی کمزوری اور نااہلی ہمارے موضوع سے قدرے ہٹ کے ہے اس لیے ہم اپنا رخ تاریخ بنی اسرائیل کی طرف موڑتے ہیں تا کہ ہم جان سکیں کہ اللہ کی اس لاڈلی قوم کے وہ کون سے اعمال تھے جنہوں نے اس کو اللہ کے ہاں مردود قرار دلایا اور ذلت ان کے مقدر میں لکھ دی گئی۔ منصب خلافت ارضی چھین لی گئی اور مسلمانوں کا قبلہ تک بدل دیا گیا۔ دنیا کی زمام کار بنو اسماعیل کے ہاتھ میں دے دی گئی اور قیامت تک اس پہ اپنی تصدیق کی مہر ثبت کر دی کہ اب جو کوئی بھی محمد رسول اللہ پہ ایمان نہیں لائے گا اللہ کے ہاں اس کے کسی عمل کا کوئی درجہ نہیں۔ تب بنو اسرائیل کے حصے میں صرف انکار، ضد، خالق کے در سے لعنت کا طوق اور حسد کا وہ جذبہ آیا جس میں وہ آج تک جل رہے ہیں۔

ابتدا میں بنی اسرائیل کو عبرانی کہا جاتا تھا۔ لفظ عبرانی کا مادہ عبر ہے جس کا معنی ہے عبور کرنا۔ چونکہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام دریائے یروں کو عبور کر کے فلسطین میں داخل ہوئے تھے اس رعایت سے ان کی قوم کو عبرانی کہا گیا۔ بنی اسرائیل کی ایک روایت کے مطابق سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیریا کے شہر اُر سے اپنے قافلے کے ہمراہ فلسطین کی زمین پر اترے تھے جس کو اس وقت ملک کنعان کہا جاتا تھا۔ مورخین بیان کرتے ہیں سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۲۲۰۰ ق م کے لگ بھگ ملک فلسطین میں بود و باش اختیار کی تھی اور ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب سامی خانہ بدوشوں کا یہ قافلہ جس کا اصل وطن عرب تھا زرخیز علاقوں کی تلاش میں فلسطین پہنچا تو اہرام مصر کی تعمیر پر ایک ہزار سال گذر چکے تھے۔ مصر بابل و نینوا کے تمدن نقطہ عروج کو پہنچ کر زوال پذیر ہو رہے تھے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ابتدائی دور کے حالات قدرے تاریخ کے اندھیرے میں گم ہیں جس کی وجہ

سے مورخین کو عموماً ان روایات پہ اعتبار کرنا پڑتا ہے جو بنی اسرائیل کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ عہد نامہ قدیم کی روایات کے مطابق سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چھتر سال تھی جب خداوند خدا نے انہیں ملک کنعان کی طرف کوچ کا حکم دیا تھا کتاب مقدس میں مذکور ہے کہ!

> ''اور خدا نے اس سے ہم کلام ہو کر فرمایا کہ دیکھو میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ابرام نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ابرہام ہوگا کیونکہ میں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ ٹھہرادیا ہے اور میں تجھے بہت آبرومند کروں گا۔۔۔میں تجھ کو اور تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ تیری دائمی ملکیت ہو جائے اور میں اس کا خدا ہوں گا''۔
>
> (کتاب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین لکھتے ہیں کہ سیّدنا حضرت ابرہیم علیہ السلام کے ملک کنعان میں بود و باش اختیار کرنے سے بہت پہلے تقریباً نو سو برس قبل جزیرہ کریٹ کے دارالسلطنت کنوسس کو دشمنوں نے تباہ کر دیا تو وہاں کے باشندے بھاگ کر بحیرہ روم کے ساحلوں پہ آباد ہونے لگے۔ مصری انہیں فلسطائن کہتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے نئے وطن کا نام فلسطیہ رکھا جو بعد میں فلسطین کہلانے لگا۔ جب سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے بئیر شیبا کے مقام پر اپنے ڈیرے ڈالے۔ وہیں انہوں نے خداوند خدا کی قربان گاہ بنائی۔ مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ وہی علاقہ تھا جہاں کبھی فلسطین کا ایک بڑا شہر سالم آباد تھا۔ مگر وہ وقت کی راکھ میں تباہ ہو چکا تھا اور جہاں سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈیرے ڈالے تھے وہیں بعد میں مشہور شہر یروشلم آباد ہوا جو آج تک موجود ہے۔ یہ علاقہ صیمسون نامی پہاڑی سلسلہ کہلاتا تھا جن میں سے ایک کی چوٹی پر یروشلم کا شہر آباد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین بیویوں سے اولاد نرینہ عطا فرمائی حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت سارہ علیہما السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی آخری

اور عرب بیوی قطورا کے بطن سے اللہ نے آپ کو چھ فرزند عطا فرمائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حضرت سارہ علیہ السلام کے اصرار پر حضرت ہاجرہ علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ فاران کی جانب ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر ان کی اولاد حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاق علیہما السلام نے انہیں مکفیلہ کے غار میں دفن کیا۔ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ملک عرب کے حکمران بنے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس فلسطین وشام کا سارا علاقہ تھا ۔حضرت اسحاق علیہ السلام کو اللہ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے۔

جن میں سے حضرت عیسو اور حضرت یعقوب علیہ السلام بہت نامور ہوئے۔ حضرت یعقوب کا شمار اللہ کے محبوب پیغمبروں میں کیا جاتا ہے۔ ان کا لقب بعد میں اسرائیل پڑ گیا تھا۔ چنانچہ آپ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جانے لگا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ جو اللہ کے نبی تھے اور جن کو اللہ نے بہت رفعتیں عطا کی تھیں۔ وہ بعد میں مصر کے حاکم ہوئے۔ بنی اسرائیل مصر میں پھلتے پھولتے رہے۔ حضرت اسحاق علیہما السلام کی طرح حضرت یعقوب علیہما السلام کو اللہ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے۔ حضرت یوسف علیہما السلام اور حضرت بن یامین ایک ماں سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہما السلام سے بہت محبت کرتے تھے جس کو ان کے بڑے بھائی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔

بعد میں ان کا یہ حسد جب حد سے بڑھا تو حضرت یوسف علیہما السلام کے سوتیلے بھائیوں نے انہیں ایک اندھے کنویں میں گرا دیا۔ وہاں سے گذرنے والا ایک قافلہ انہیں کنویں سے نکال کر مصر لے گیا اور انہیں غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ حضرت یوسف علیہما السلام کو شاہ مصر ہکساس نے خریدا اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں جب وہ ان کی خفیہ اور اعلیٰ صلاحیتوں سے آگاہ ہوا تو اس نے یوسف علیہما السلام کو مصر کی حکومت عطا کر دی۔ جس کے بعد حضرت یوسف علیہما السلام کے والد اور دوسرے بھائی بھی مصر چلے آئے جہاں ان کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پہ برا وقت آ پڑا تھا۔ مصریوں میں اب قوم پرست فرعون حکمران تھے جنہوں نے ہکاکس سے حکومت چھینی تھی۔ چنانچہ فراعین مصر نے بنی اسرائیل کے لیے مصر میں جینا مشکل کر دیا اور حکمرانوں نے جبر و تشدد سے بنی اسرائیل کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ فرعون نے حکم جاری کیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بیٹے کو قتل کر دیا جائے اور بیٹیوں

کو زندہ رہنے دیا جائے تا کہ بنی اسرائیل کی نسل بتدریج ختم ہو جائے۔بائبل میں اس کی طرف اشارات موجود ہیں چنانچہ بیان کیا گیا کہ:

’’تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اسرائیلی ہم سے تعداد میں زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں اس لیے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کر دیئے، جو ان سے سخت کام لے کر ان کو ستائیں۔سو انہوں نے فرعون کے لیے ذخیرے کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے۔۔۔اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کر کے ان سے کام کروایا اور انہوں نے ان سے سخت محنت اور بیگار لی، گارے سے اینٹیں بنوا بنوا کر کھیت کے سخت کام لے کر ان کو تنگ کیا ان کی زندگیوں کو تلخ بنا دیا۔۔۔ان سب کی خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے سب تشدد کی تھیں۔۔۔تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں۔۔۔۔سے باتیں کیں اور کہا کہ جب عبرانی یعنی اسرائیلی عورتوں کے تم بچہ جناؤ۔۔۔اور ان کو پتھر کی بیٹھکوں پہ بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو جیتی رہنے دینا‘‘۔

(خروج، باب ۱ آیت ۱۶۔۸)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دور گذر جانے کے بعد مصر میں ایک قوم پرستانہ انقلاب آیا تھا جس کی بنا پر اقتدار دوبارہ قبطیوں کے ہاتھ آگیا تھا اور اس قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی کوشش کی تھی اور اس سلسلے میں صرف اتنے پہ ہی اکتفاء نہ کیا کہ اسرائیلوں کو ذلیل وخوار کیا جائے اور انہیں ادنٰی درجے کی خدمات کے لیے مختص کر دیا جائے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ بنی اسرائیل کی تعداد کو کم کیا جائے۔ان کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کیا جائے اور ہر لڑکی کو زندہ رہنے دیا جائے تا کہ رفتہ رفتہ ان کے ہاں مردوں کی تعداد نہایت کم ہو جائے اور

ان کی عورتیں بدستور قبطیوں کی دسترس میں آتی رہیں جس سے ان کے ہاں قبطی نسل پیدا ہوتی رہتی اور بنی اسرائیل کی نسل معدوم ہو کے رہ جاتی۔ تلمود میں اس کے متعلق مزید تفصیلات مذکور ہیں جن کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ایک صدی گذر جانے کے بعد یہ انقلاب رونما ہوا تھا۔ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی زرخیز زمینوں سے بے دخل کیا ان کی جائیدادیں اور مکانات چھینے۔ انہیں حکومت کے ہر کلیدی عہدے سے برطرف کیا جس پہ بنی اسرائیل بے بس سے ہو کے رہ گئے۔ اس کے باوجود بھی قبطیوں کو احساس تھا کہ بنی اسرائیلی بہت بڑی تعداد میں ان کے درمیان موجود ہیں اس لیے انہوں نے ان سے سخت بیگار لینی شروع کر دی اور ان کو معاشرے کا ذلیل طبقہ قرار دے دیا گیا۔ قرآن بھی اس بات کا شاہد ہے کہ آلِ فرعون نے بنی سرائیل کو سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تاہم قرآن اور بائبل دونوں نے ان اسرائیلی روایات کی نفی کی ہے جن کے مطابق فرعون کو کوئی خواب آیا تھا یا اس کو کسی نجومی نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں کوئی بچہ جنم لینے والا ہے جو اس کا اقتدار چھین لے گا اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔

تاریخ کے تناظر میں اصل بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قبطی بنو اسرائیل کی تعداد سے پریشان تھے اس لیے انہوں نے ان کی نسل کشی کی کوشش کی تھی اسی دوران بنی لاوی گھرانے کے ایک شخص کے گھر ایک بیٹا ہوا جسے اس کی ماں نے فرعون کے جبر سے بچانے کے لیے سرکنڈوں کی ایک ٹوکری میں ڈال کر دریائے نیل میں بہا دیا۔ حسن اتفاق سے فرعون کی بیوی (اسرائیلی روایات کے مطابق وہ فرعون کی بیٹی تھی) کی نظر سیر کرتے ہوئے اس ٹوکری پر پڑی اس نے ٹوکری کو پانی سے نکلوا کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت بچہ اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ اس کا دل پسیج گیا اور وہ اسے اپنے محل میں لے گئی۔ اُس نے اس بچے کا نام موسیٰ رکھا جو ایک قبطی نام تھا جس کا معنیٰ ہے پانی سے نکالا گیا۔ اس نے فرعون کو اس بچے کے قتل سے باز رکھا۔ بائبل اور تلمود کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے لاوی کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے باپ کا نام تلمود اور بائبل میں عمرام لکھا گیا ہے مگر قرآن نے ان کو عمران کہہ کر پکارا ہے اس لیے ہم عمران ہی کو درست سمجھتے ہیں۔ عمران کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ایک لڑکی مریم اور ایک لڑکا ہارون علیہ السلام جنم لے چکے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل میں پرورش پائی مگر جب وہ جوان ہوئے تو انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ان کے بھائیوں بنی اسرائیل کی حالت نہایت دِگر دوں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی حالت زار سے پریشان رہنے لگے۔ اسی پریشانی میں ایک دن ایک جھاڑی کی اوٹ سے آگ کا ایک شعلہ لپکا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا آواز آئی کہ ہم تمہیں اور تمہاری قوم کو مصریوں کی غلامی سے آزاد کرا کے ملک کنعان لے جائیں گے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم تک یہ خوشخبری پہنچائی اور ان کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بہت سے معجزوں سے نوازا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس اپنے رب کا پیام لے کر پہنچے اور اسے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دے میں انہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ فرعون کے انکار پہ اس کی قوم عذاب کی کئی قسموں میں مبتلا ہو کے رہ گئی۔ ان پہ مینڈکوں ٹڈیوں اور پھوڑے پھنسیوں کے عذاب نازل کئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں میں عظیم مقابلہ طے پایا جس میں فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر ایک طویل کشمکش کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ مصر سے خروج کیا جب وہ دریائے نیل کے ساحل پہ پہنچے تو فرعون کی فوجیں ان کے تعاقب میں تھیں۔ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پانی پہ مارا تو دریا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو راستہ دے دیا۔

بنی اسرائیل اسی راستے سے گذر کر دریا سے پار چلے گئے تو ان کے پیچھے آنے والے لشکر فرعون نے جب دیکھا کہ دریا نے ان کو راستہ دے دیا ہے تو وہ ان کے تعاقب میں دریا میں جا اترا مگر دریا نے صرف قوم بنی اسرائیل کو راستہ دیا تھا چنانچہ جونہی فرعون کی فوجیں دریا میں داخل ہوئیں تو دریا کی موجیں آپس میں مل گئیں اور لشکر فرعون دریا میں ڈوب کر تباہ ہو گیا۔ خروج کے بعد کے حالات قدرے تاریخ کی روشنی میں آ جاتے ہیں چنانچہ مصر اور اشوریا کے مآخذ میں بنی اسرائیل کی اس ہجرت کی تفصیلات موجود ہیں۔ اگرچہ توجیہات مختلف ہیں مشہور مغربی مورخ (Well Deuran) اس ضمن میں رقم طراز ہے کہ!

> ''جوزفس نے ایک مصری مورخ ''سینے تو'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاقہ زدہ اسرائیلی غلاموں میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تھی اس لیے مصری حکومت نے انہیں اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔ موسیٰ ایک قبطی پروہت تھے جو یہودی جذامیوں کے پاس گئے اور انہیں مصری

حفظانِ صحت کے طریقوں سے آشنا کرایا۔ یونانی مورخ سٹرابواور رومی مورخ ٹیسائٹس نے بھی ہجرت کی یہی توجیہ کی ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تاہم قوم بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت کی یہ توجیہہ نہایت بودی ہے اس لیے کہ اس کی تفصیلات بیانِ قرآن کے خلاف ہیں اور بیانِ قرآن کے خلاف کوئی بھی بیان چاہے وہ کتنے ہی معتبر نام کے ساتھ ملے ہمارے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ قرآن میں اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ قوم بنی اسرائیل کی فراعین مصر سے نجات اللہ کی طرف سے ان پہ ایک احسان تھا۔ اگر چہ خالق نے قوم بنی اسرائیل پر سینکڑوں دیگر احسانات بھی کئے تھے جو قوم بنی اسرائیل نے بھلا دیئے اور ناشکری کی اس راہ پہ چل نکلی جس پہ فلاح کی کوئی منزل نہ تھی۔

قرآن حکیم میں اللہ پاک قوم بنی سرائیل سے مخاطب ہوکے فرماتا ہے!

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ O وَاتَّقُوا يَوْماً لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئاً وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ O وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ وَفِي ذَلِكُم بَلاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ O وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ ۲ ؛ ۴۷-۵۰)

ترجمہ:

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی، نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی، یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تم کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات بخشی، انہوں نے تمہیں اس سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی، یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنایا پھر اس میں سے تمہیں بخیریت گزار دیا پھر وہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے قوم فرعون کو غرقاب کیا"۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

سیّد مودودیؒ تفہیم القرآن میں قوم بنی اسرائیل کی صحرانوردی کے متعلق رقم طراز ہیں!

"حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ ایلیم اور ریدم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے زائد مدت تک وہیں ٹھہرے رہے۔ یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے۔ پھر آپ کو حکم ہوا کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کو لیے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشتِ فاران میں تشریف لائے اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ قادس کے مقام پر اس وفد نے آ کر اپنی رپورٹ پیش کی۔ حضرت یوشع اور کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب یہ

چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل سے یوشع اور کالب کے سوا کوئی فلسطین کی شکل نہ دیکھ پائے گا۔اس کے بعد بنی اسرائیل دشتِ فاران بیابان شور اور دشت سین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور اعمالقہ،اموریوں مدائنیوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔جب چالیس سال گذرنے کے قریب آئے تب ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہو پر حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی۔تب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیے ہوئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے اور پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے۔یہاں کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا ان کے بعد ان کے خلیفہ اول یوشع بن نون نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کر کے یریحو اور اریحہ کے شہروں کو فتح کیا جو ان کے پہلے فلسطینی شہر تھے پھر ایک قلیل مدت بعد ہی قوم بنی اسرائیل نے پورا فلسطین فتح کر لیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اب ہم دیگر مورخین کے حوالے سے ان تفصیلات کو بیان کرتے ہیں جن کا براہ راست تعلق قوم بنی اسرائیل کی تاریخ اور ان کے رویہ انحراف سے ہے جس کے باعث ان کو منصب خلافت سے معزول کیا گیا تھا۔قوم بنی اسرائیل مصر کی کئی صدیوں تک غلامی کے باعث ذہنی پستی کی حالت میں تھی جس کے باعث وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت تک کو پہچاننے سے عاری تھے اور نہ ہی ان کو خالق کے ان احسانوں کا ادراک حاصل تھا جو ایک تسلسل کے ساتھ ان پہ نازل کیے جا رہے تھے۔صحرائے سینا میں ان کے قیام کے دوران اللہ نے ان کے لیے من وسلویٰ کا اہتمام کیا۔من جو دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور یہ اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کی وہ ضیافت تھی جو ان کے لیے ایک ایسا اعزاز تھا جس کی مثال تاریخ انسانی میں دستیاب نہیں۔مگر انہوں نے اس پہ بھی ناک بھوں چڑھایا اور اپنے نبی سے پیاز اور ککڑی جیسی ادنیٰ سبزیوں کی فرمائش کر دی۔اس دشت نوردی کے دوران جب وہ کوہ سینا کے پاس سے گذرے تب خداوند خدا یہواہ شعلے کی شکل میں اتر کے ان کے پاس آیا اور اس نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کی چوٹی پہ طلب کیا توراۃ میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

''تب موسیٰ پہاڑ کے اوپر گیا اور پہاڑ کی چوٹی پہ گھٹا چھا گئی اور خدا کا جلال کوہ سینا پہ آ کے ٹھہرا اور چھ دن تک گھٹا اس پہ چھائی رہی اور ساتویں دن اس نے گھٹا میں سے موسیٰ کو بلایا اور بنی اسرائیل کی نگاہ میں پہاڑ کی چوٹی پر خداوند خدا کا جلال بھسم کرنے والی آگ کی مانند تھا اور موسیٰ گھٹا کے بیچ میں سے ہو کر پہاڑ پہ چڑھ گیا اور پہاڑ پہ چالیس دن اور راتیں رہا''۔

توراۃ (کتابِ خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس دروان خداوند یہواہ نے اپنے احکام کی دو الواح جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو دیں اور خیمہ اجتماع شہادت کا صندوق، قربان گاہ اور شمعدان وغیرہ بنانے کی دعوت دی۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے نیچے اترے تو انہوں نے دیکھا کہ قوم بنی اسرائیل نے پوجا کے لیے خدا کی بجائے سونے کا بچھڑا ڈھال لیا ہے۔ یہ منظر کسی بھی پیغمبر کے لیے ایک خوفناک منظر ہوتا۔ چنانچہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام غصے سے بیتاب ہوا ٹھے الواح کو پٹخ دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ میری غیر موجودگی میں تم نے قوم کی حفاظت نہ کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میں ان کی اس حرکت سے بری الذمہ ہوں اور میں نے ان کو بہت سمجھایا قریب تھا کہ یہ لوگ مجھ پہ غالب آ جاتے اور قوم فرقہ فرقہ ہو جاتی۔ اس لیے میں نے ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دیا۔ قوم بنی اسرائیل کی طرف سے اس حرکت پہ خود خالق کی ناراضگی بھی بجا تھی۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا اور دعاؤں کی بدولت ان پر سے عذاب کا خطرہ ٹل گیا۔ تب نئی الواح پر احکام عشرہ کندہ کئے گئے اور قوم بنی اسرائیل کی شریعت ان کے حوالے کر دی گئی۔ پھر جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے تابوت سکینہ بنوایا اور اس میں الواح شریعت من کا مرتبان اور اپنا عصا رکھا اور اس کو بند کر دیا تب قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں وہاں سے کوچ کیا۔ اس سفر میں یہواہ بنی سرائیل کو سورج کی روشنی سے بچانے کے لیے بادل کے بلند ستونوں کی صورت ان کے سر پہ سایہ فگن رہتا اور رات کو ایک شعلہ کی صورت منزل کی طرف ان کی راہنمائی کرتا۔ کتاب التوراۃ میں بیان کیا گیا ہے:

”اور بنی اسرائیل کے سارے سفر میں یہ ہوتا رہا کہ جب وہ ابر مسکن کے اوپر اٹھ جاتا تو وہ آگے بڑھتے پر اگر وہ ابر نہ اٹھتا تو وہ اس دن تک سفر نہ کرتے جب تک وہ اٹھ نہ جاتا کیونکہ خداوند خدا کا ابر اسرائیل کے سارے گھرانے کے سامنے اور ان کے سارے سفر میں دن کے وقت تو مسکن کے اوپر رہتا اور رات کو اس میں آگ لگی رہتی“۔

(باب الخروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بنی اسرائیل بہ حیثیت قوم نہایت ہٹ دھرم اور جھگڑالو تھے۔ ہر وقت شورش اور سرکشی پہ تلے رہتے تھے۔ وہ پرلے درجے کے بزدل ہو چکے تھے اسی لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین پہ حملہ کرنے سے نکار کر دیا تھا۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ فلسطین میں بسنے والے لوگ بڑے بہادر قوی اور جسیم ہیں اس لیے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور فلسطین فتح کرنے کے لیے تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے۔ چنانچہ خالق نے ان کے نصیب میں چالیس سال کی دربدری لکھ دی۔ قوم بنی اسرائیل چالیس سال تک صحرائے سینا میں ایک بے منزل مسافرت کے آزار میں مبتلا رہی اور جب تک ان میں لوگوں کی نئی نسل پروان نہ چڑھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکار کرنے والے تمام لوگ ہلاک نہ ہو گئے قوم بنی اسرائیل کو اس ابتلاء سے نجات نہ مل سکی۔

توراۃ میں ارشاد ہے کہ!

”خداوند خدا کا قہر اسرائیل پہ بھڑکا اور اس نے ان کو چالیس برس تک آوارہ پھرایا جب تک کہ ان کی اس پشت کے سب لوگ جنہوں نے خداوندا کے روبرو گناہ کیا تھا نابود نہ ہو گئے“۔

(توراۃ۔۔۔گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب اللہ کے حکم سے قوم بنی اسرائیل نے پھر سے ملک فلسطین کی طرف کوچ کیا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

قیادت میں دریائے یرون کے کنارے پہنچ گئے تب خداوند خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ!

”جب تم دریائے یرون کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور ان کی شبیہ دار پتھروں کو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب سے اونچے مقاموں کو مسمار کر دینا اور تم اس ملک پہ قبضہ کر کے اس میں بسنا کیوں کہ میں نے وہ ملک تم کو دیا ہے تاکہ تم اس کے مالک بنو “۔

(توراۃ۔۔۔گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”قوم بنی اسرائیل کو خداوند خدا نے یہ حکم جاری کیا کہ ملک فتح کرنے بعد تم ان کے تمام مذہبی مقامات کو مسمار کر دینا ان کے بت توڑ ڈالنا ان کے مذبح خانوں کو تباہ کر دینا اور ان سے کوئی عہد نہ کرنا اور نہ ان پہ کوئی رحم کرنا اور ان کی تراشی ہوئی مورتوں کو آگ میں جلا دینا کیونکہ تو“ خداوند اپنے خدا کے لیے ایک مقدس قوم ہے خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں میں سے چن لیا ہے اور وہ اس قسم کو جو اس نے تمہارے باپ دادا سے کھائی تھی پورا کیا“۔

(توراۃ۔۔۔باب استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب موآب کے میدان میں جناب موسیٰ علیہ السلام کو پیغام اجل آ پہنچا اور انہیں بیت فغور کے مقابل دفن کیا گیا ۔زمانہ گذرنے کے ساتھ ان کی قبر کے نشانات معدوم ہوتے چلے گئے۔قوم اپنے نبی کی وفات پہ تیس دن تک ماتم کرتی رہی۔جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد خداوند خدا نے نون کے بیٹے یوشع کو مامور کیا کہ وہ دریائے یرون کو عبور کریں اور کنعانیوں پر حملہ آور ہوں۔چنانچہ بنی اسرائیل کا لشکر یوشع بن نون کی قیادت میں دریائے یرون کے پار اتر گیا اور یریحو کے قلعہ بند شہر کا محاصرہ کر لیا۔

”تب خداوند خدا نے یشوع سے کہا کہ دیکھ میں نے یریحو کو اور اس کے بادشاہ اور زبردست سورماؤں کو تیرے ہاتھ میں کر دیا ہے سو تم سب جنگی مرد شہر کو گھیر لو اور ایک دفعہ اس کے گرد گردش کرو چھ دن تک تم ایسا ہی کرنا اور سات کاہن صندوق کے آگے مینڈھوں کے سینگوں کے نرسنگے لیے ہوئے چلیں اور ساتویں دن تم شہر کے گرد سات بار گھومنا اور کاہن نرسنگھے پھونکیں اور تم نرسنگھے کی آواز سنو تو سب نہایت زور سے للکارنا تب شہر پناہ گر جائے گی اور تم اس میں داخل ہو جانا اور وہ شہر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا بوڑھے کیا جوان کیا بیل بھیڑ کیا گدھے سب کو تلوار کی دھار سے نابود کر دیا “۔

(یشوع)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نرسنگھیوں کی آواز نے اپنا اثر دکھایا اور یریحو کی شہر پناہ زمین بوس ہو گئی۔ اموریوں کے خلاف خداوند نے بنی اسرائیل کی غیبی مدد کی اور اموریوں کو آسمانی پتھروں سے ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ جب اموری شکست کھا کر بھاگ رہے تھے تو یشوع نے خدا سے درخواست کی کہ اے خداوند خدا سورج کو ٹھہرا دے تا کہ وہ اس کی روشنی میں رات سے پہلے دشمن کا قلع قمع کر سکے۔ تب ان کی دعا قبول کی گئی اور سورج ٹھہر گیا اور بنی اسرائیل نے تمام اموریوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس طرح خداوند خدا یہواہ بنی اسرائیل کی طرف سے لڑتا رہا اور فتح یاب ہوا اللہ کی جانب سے ان کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ

”تب خداوند خدا نے کہا کہ تمہارا ایک ایک مرد ایک ایک ہزار کو رگیدے گا کیونکہ خداوند خدا ہی تمہاری طرف سے لڑتا ہے جیسا کہ اس نے تم سے کہا تھا“۔

(یشوع)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یشوع کے بعد جدعون، افتاع، سمسون وغیرہ مدیانوں اعمالیق اور افرائمیوں وغیرہ سے نمرد آزما رہے اور اکثر غالب رہے۔ تاہم جب غیر اقوام سے بنی اسرائیل کا میل جول بڑھا اور وہ ان میں شادیاں بھی کرنے لگے تب ان میں بت پرستوں جیسی رسوم اور عبادات رواج پا گئیں تو خداوند خدا نے بھی ان کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ ذلیل وخوار ہونے لگے۔ تب ان کے ہاں سیموئیل نبی کو مامور کیا سیموئیل نبی کے ظہور کے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل سخت انتشار میں مبتلا تھے۔ اگر چہ تعداد کے لحاظ سے یہ اس وقت تین لاکھ سے زیادہ تھے لیکن بدعات اور شرک کے غلبے کی وجہ سے ان کی مذہبی واخلاقی حالت بڑی خراب تھی اور اجتماعی قومی نظم کے منتشر ہو جانے کی وجہ سے۔

''فلسطی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے ڈیرے کو بھاگا اور وہاں نہایت خون ریزی ہوئی کیونکہ تیس ہزار اسرائیلی پیادے وہاں کھیت رہے، اور خدا کا صندوق ان سے چھن گیا''۔

(سیموئیل باب ۴ ۱۰۔۱۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''اس خبر لانے والے نے جواب دیا کہ اسرائیلی فلسطیوں کے آگے سے بھاگے اور لوگوں میں بڑی خونریزی ہوئی اور تیرے دونوں بیٹے حفنی اور فینحاص بھی مر گئے اور خدا کا صندوق چھن گیا جب اس نے خدا کے صندوق کا ذکر کیا تو وہ کرسی سے پچھاڑ کھا کر پھاٹک کے کنارے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔۔۔۔اور کہنے لگے کہ حشمت اسرائیل سے جاتی رہی اس لیے کہ خدا کا صندوق چھن گیا، اور اس کا خسر اور خاوند جاتے رہے تھے سو اس نے کہا کہ حشمت اسرائیل سے جاتی رہی''۔

(سیموئیل باب ۴، ۱۷۔۔۲۲)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور جس دن سے صندوق قریت یعریم میں رہا تب سے ایک مدت ہوگئی یعنی بیس برس گذر گئے اور اسرائیل کا سارا گھرانہ خداوند خدا کے پیچھے نوحہ کرتا رہا، اور سیموئیل نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا کہ تم اگر اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع لاتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں اور عشتارات کو اپنے بیچ سے دور کردو اور خداوند خدا کے لیے اپنے دلوں کو مستعد کر کے فقط اسی کی عبادت کرو تو وہ فلسطیوں کے ہاتھ سے تمہیں رہائی دلائے گا۔ تب بنی اسرائیل نے بعلیم اور عشتارات کو دور کیا اور فقط خداوند خدا کی عبادت کرنے لگے پھر سیموئیل نے کہا کہ سب اسرائیل کو مصفاہ میں جمع کیا اور ان کے لیے خداوند خدا سے درخواست کرو"۔

(سیموئیل باب ۲۔۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"تب سیموئیل نبی بنی اسرائیل کے لیے دعا کرتا رہا اور خداوند خدا نے اس کی فریاد سنی، اور جس وقت سیموئیل اس سوختنی قربانی سے گزر رہا تھا اس وقت فلسطی اسرائیلیوں سے جنگ کرنے کو نزدیک آئے لیکن خداوند فلسطیوں کے اوپر اس دن بڑی کڑک کے ساتھ گرجا اور ان کو گھبرایا اور انہوں نے اسرائیلیوں کے آگے شکست کھائی اور اسرائیل کے لوگوں نے مصفاہ سے نکل کر فلسطیوں کو رگیدا اور بیت کر کے نیچے تک انہیں مارتے چلے گئے۔۔۔سو فلسطی مغلوب ہوئے اور اسرائیل کی سرحد میں پھر نہ آئے اور سیموئیل کی زندگی بھر خداوند خدا کا ہاتھ فلسطیوں کے خلاف ہی رہا اور عقرون سے جات تک کے شہروں کو فلسطیوں نے اسرائیلیوں سے لے لیا تھا اور وہ پھر اسرائیلیوں کے قبضے میں آئے اور اسرائیلیوں نے ان کی نواحی بھی فلسطیوں سے چھڑالی"۔

(سیموئیل باب ۷۔۱۰۔۱۴)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اللہ کے نبی سیموئیل نے قوم بنی اسرائیل کے اندر تجدید و اصلاح کا جو کام شروع کیا تھا اس سے بنی

اسرائیل کے اندر کچھ زندگی تو ضرور پیدا ہوئی اور وہ فلسطیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں ان سے اپنے کئی شہر بھی واپس لے لیے مگر ابھی قوم ہر طرف سے بہت سے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی اور ان کے بہت سے شہر ہنوز دشمنوں کے قبضے میں تھے۔ فلسطیوں کے علاوہ موآب، اودوم اور ضوباہ کے بادشاہوں سے بھی ان کو ہر وقت خطرہ تھا۔ پھر سیموئیل نبی بوڑھے ہو چکے تھے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی قیادت کی ذمہ داریاں اپنے بیٹوں کے سپرد کر دی تھیں۔

مگر قوم بنی اسرائیل اپنی عادت کے مطابق ان سے تعاون کرنے کو تیار نہ تھی اور اپنے نبی سے مطالبہ کر رہی تھی کہ کسی شخص کو ان کا امیر مقرر کیا جائے جس کی ماتحتی میں وہ جہاد کریں مگر اللہ کے نبی اپنی قوم کی اخلاقی حالت سے واقف تھے اور اپنے سابقہ تجربات کی بنا پر جانتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اصل کمزوری یہ نہیں ہے کہ میدان جنگ میں راہنمائی کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی لیڈر نہیں ہے بلکہ ان کی اصل کمزوری یہ ہے کہ جنگ کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کے اندر عزم و ایمان نہیں ہے۔ اس وجہ سے اللہ کے نبی نے جیسا کہ تورات میں بھی بیان ہوا ہے ان کے اس مطالبے کی مخالفت کی اور ان کی توجہ ان کی اصل کمزوری کی طرف مبذول کرائی۔ مگر قوم اپنی ضد پہ اڑی رہی اور آخر کار اللہ کے نبی کو ان کے لیے سربراہ مقرر کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے طالوت کو ان کا سربراہ مقرر کر دیا (تورات میں ان کا نام ساؤل لکھا گیا ہے مگر ہم قرآن ہی کے بیان کو ترجیح دیں گے) تورات میں ان کے غیر معمولی طور پہ قد آور ہونے کا ذکر خاص طور کیا گیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ساؤل قبیلہ بنیامین کا تیس سالہ نوجوان تھا۔ بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت شخص اور کوئی نہ تھا وہ اتنا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھوں تک آتے تھے۔ وہ اپنے باپ کے گمشدہ گدھے ڈھونڈنے گھر سے نکلا تھا راستے میں جب وہ سیموئیل نبی کی قیام گاہ کے قریب سے گذرا تو اللہ نے اپنے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی قیادت کے لیے منتخب کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سیموئیل طالوت کو بازو سے پکڑ کر اپنے گھر لے آئے اور تیل کی کپی لے کر اس کے سر پہ انڈیل دی اسے چوما اور اسے کہا کہ خداوند نے تجھے مسح کیا تا کہ تو نبی کی اس میراث کا پیشوا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے بنی اسرائیل کے اجتماع میں اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور قوم بنی اسرائیل میں یہ دوسرا شخص تھا جس کو خدا کے حکم سے ''مسح'' کر کے پیشوائی کے منصب پر مقرر کیا گیا اس سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام

کوسردار کی حیثیت سے مسح کیا گیا تھا اس کے بعد تیسرے ممسوح داؤد علیہ السلام ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے چوتھے مسیح تھے۔تاہم یادرکھنے کی بات یہ ہے کہ طالوت کے متعلق قرآن یا حدیث یا توراۃ میں کوئی ایسی تصریح نہیں کہ وہ نبوت کے منصب پہ بھی فائز تھے اور محض بادشاہی کے لیے نامزد کیا جانا اس بات کے لیے کافی نہیں کہ اسے نبی بھی تسلیم کیا جائے۔

''اور جب وہ لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا تو ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے''۔

توراۃ (باب سیموئیل ۱۰۔۲۴)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

کچھ بعید نہیں کہ اپنے اس غیر معمولی قد وقامت کی وجہ سے وہ لوگوں میں طالوت کے لقب سے مقبول ہوں اس لیے کہ عبرانی میں ''لمبے تڑنگے کو طالوت'' کہا جاتا تھا۔عربی اور عبرانی دونوں زبانیں قریب قریب ہیں اس وجہ سے دونوں میں بہت سے مادے مشترک ہیں۔گمان ہوتا ہے کہ توراۃ میں ان کا ذکر نام سے کیا گیا ہے اور قرآن میں ان کے لقب کا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے نام کے بارے میں توراۃ کا بیان غلط ہے اوران کا اصل نام طالوت ہی ہے۔تاہم اللہ کے نبی کا اندازہ ہی درست ثابت ہوا اوران کے اپنے ہی مطالبے پر جب ان کے اوپر سردار بھی مقرر کردیا گیا اور جہاد کا حکم بھی دے دیا گیا تب قوم بنی اسرائیل نے حسب عادت عین وقت پر کندھا ڈال دیا اور نبی کے انتخاب پہ نقطہ چینی کرنے لگے اور بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے نبی کے انتخاب کو ترجیح دیتے اور خوشی سے اس کی پیروی کرتے انہوں نے حسب عادت اللہ کے نبی پہ اعتراض جڑ دیا کہ یہ ہمارا سردار کیسے ہوسکتا ہے جس کا قبیلہ بھی چھوٹا ہے اور گھرانہ بھی اس سے زیادہ تو ہم خود اس منصب کے حق دار ہیں۔ان کے اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ طالوت کوئی مالدار آدمی نہ تھا علاوہ ازیں ان کا تعلق قبیلہ بنیامین سے تھا جو بنی اسرائیل کا سب سے چھوٹا قبیلہ تھا۔پھر طالوت اس قبیلے کے تمام گھرانوں سے چھوٹے گھرانے کا فرد تھا۔

توراۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود طالوت کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ ان کا قبیلہ اور خاندان چھوٹا ہے مگر وہ اس امر سے بھی آگاہ تھے کہ ان کی سرداری کا فیصلہ اللہ کے نبی نے کیا ہے اور یقیناً اللہ کے اشارے پہ کیا ہے اس لیے انہوں نے خوشی سے اس منصب کو قبول کیا۔ چنانچہ جب سیموئیل نے ان کا انتخاب کیا تو انہوں نے بڑی انکساری سے یہ الفاظ اللہ کے نبی سے کہے:

''ساؤل نے جواب دیا کیا میں بنیامین یعنی اسرائیل کے سب سے چھوٹے قبیلے سے نہیں کیا میرا گھرانہ بنیامین کے قبیلے کے سب گھروں سے چھوٹا نہیں''

توراۃ (باب سیموئیل ۔۔ ۹۔۲۱)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تاہم بنی اسرائیل نے اپنی روش نہ بدلی اور ان پہ اعتراض کرتے گئے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا انتخاب اللہ کے نبی نے کیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا:

''پر شریروں میں سے بعض کہنے لگے یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا سو انہوں نے اس کی تحقیر کی اور اس کے لیے نذرانے نہ لائے پر وہ ان سنی کر گیا اور لوگ سیموئیل سے کہنے لگے یہ کس نے کہا تھا کہ ساؤل ہم پہ حکومت کرے گا''۔

توراۃ (باب سیموئیل ۱۱۔۱۲)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تاہم اللہ کے نبی سیموئیل نے قوم کا اعتراض رد کر دیا اور کہا کہ طالوت میرا انتخاب نہیں ہے اس کو تمہاری سربراہی پہ خود خداوند خدا نے مقرر کیا ہے۔ تم سرداری کو رسوخ اور مال کے پیمانوں سے ناپتے ہو مگر اللہ اسے علم اور عمل کے پیمانے سے ناپتا ہے۔ طالوت کے پاس اگر چہ خاندان کی شوکت اور مال و زر کی فراوانی نہیں ہے مگر وہ علم کی وسعتوں اور عمل کی قوتوں سے مالا مال ہے اور خدا کے انتخاب میں انھی پیمانوں کو

اہمیت حاصل ہے نہ کہ خاندان اور اور جاہ وحشم کو۔

اس کے بعد فرمایا!

اقتدار واختیار خدا کی دین ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو بخشتا ہے اپنی حکمتوں کے تقاضوں کے تحت بخشتا ہے اس کا اقتدار تمام اقتداروں کو محیط ہے اور اس کا علم ہر چیز پہ حاوی ہے اس کے پاس نہ بخشنے کے لیے کوئی کمی ہے نہ بخش کر واپس لینے میں کوئی چیز مانع ہے۔ چنانچہ اللہ کے نبی سیموئیل نے طالوت کو سردار مقرر کرنے کے موقع پر جو وعظ قوم اسرائیل کو دیا تھا اس کا کچھ حصہ توراۃ سے نقل کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ!

"پھر سیموئیل لوگوں سے کہنے لگا وہ خداوند ہی ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو مقرر کیا تھا اور تمہارے باپ دادا کو ملک مصر سے نکال لایا تھا سو اب ٹھہرے رہو تا کہ میں خداوند کے حضور ان سب نیکیوں کے بارے میں جو خداوند نے تم سے اور تمہارے باپ دادا سے کیں گفتگو کروں۔ جب یعقوب مصر میں گیا اور تمہارے باپ دادا نے خداوند سے فریاد کی تو خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو بھیجا جنہوں نے تمہارے باپ دادا کو نکال کر اس جگہ بسایا پر وہ خداوند کو بھول گئے۔ سو اس نے حصور کی فوج کے سپہ سالار سیسرا کے ہاتھوں اور فلسطیوں کے ہاتھ اور شاہ موآب کے ہاتھ بیچ ڈالا اور وہ ان سے لڑے پھر انہوں نے خداوند سے فریاد کی اور کہا کہ ہم نے گناہ کیا اس لیے کہ ہم نے خداوند کو چھوڑ کر اور بعلیم اور عستارت کی پرستش کی پر اب تو ہم کو ہمارے دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا تو ہم تیری پرستش کریں گے سو خداوند نے یربعل اور بدان اور افتاع اور سیموئیل کو بھیجا اور تمہارے دشمنوں کے ہاتھ سے جو تمہارے چاروں طرف تھے رہائی دی اور تم چین سے رہنے لگے اور جب تم نے دیکھا کہ بنی عمون کا بادشاہ ناحس تم پہ چڑھ آیا ہے تو تم نے مجھ سے کہا کہ ہم پر کوئی بادشاہ سلطنت کرے حالانکہ خداوند تمہارا بادشاہ ہے سو اب اس بادشاہ کو دیکھو جسے تم نے چن لیا ہے اور جس کے لیے تم نے درخواست کی تھی دیکھو خداوند سے ڈرتے اور اس کی پرستش کرتے اور اس کی بات مانتے رہو اور خداوند کے حکم سے سرکشی نہ کرو اور تم اور وہ بادشاہ بھی جو تم پہ سلطنت کرتا ہے خداوند اپنے خدا کے پیرو بنے رہو تو

خیر پر تم اگر خداوند کی بات نہ مانو بلکہ خداوند کے حکم سے سرکشی کرو تو خداوند کا ہاتھ تمہارے خلا
ف ہوگا جیسے وہ تمہارے باپ دادا کے خلاف ہوتا تھا سو اب ٹھہرے رہو اس بڑے کام کو دیکھو
جسے خداوند تمہاری آنکھوں کے سامنے کرے گا"۔
توراۃ (سیموئیل باب ۱۲ ۔۔۔ ۶۔۱۶)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اوپر ذکر ہو چکا ہے بنی اسرائیل کے دورِ انحطاط میں دشمن ان سے قوم کی متبرک ترین چیز تابوت سکینہ کو ان سے چھین کر لے گئے تھے اور اس دور میں جب طالوت کا تقرر ہوا تو قوم بنی اسرائیل کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس تابوت کو واپس کیسے حاصل کیا جائے۔ اس بنا پہ جب حضرت سیموئیل نے طالوت کا انتخاب کیا تو طالوت کے انتخاب کو خدائی انتخاب کی نشانی یہ ٹھہرائی کہ ان کی بیعت کے بعد قوم کو تابوت سکینہ خود بخو د واپس مل جائے گا۔ چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور فلسطیوں نے اس صندوق کو ایک گاڑی پر رکھ کر اس کو بنی اسرائیل کے علاقے کی طرف ہانک دیا۔ توراۃ کے باب سیموئیل میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

"اب تم ایک نئی گاڑی بناؤ اور دو دودھ والی گائیں جن کے جوا نہ لگا ہو لو اور ان گایوں کو ایک گاڑی میں جوتو اور ان کے بچوں کو گھر لوٹا لاؤ اور خدا کا صندوق لے کر اس گاڑی پہ رکھو اور سونے کی چیزوں کو جن کو تم حرم کی قربانی کے طور پہ ساتھ کرو گے، ایک صندوقچہ میں کر کے اس کے پہلو میں رکھ دو اور اسے روانہ کر دو کہ چلا جائے اور دیکھتے رہنا۔۔۔ سو ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور دودھ والی گائیں لے کر ان کو گاڑی میں جوتا اور ان کے بچوں کو گھر میں بند کر دیا اور خداوند کے صندوق ۔۔۔ اور صندوقچہ کو گاڑی پہ رکھ دیا، ان گایوں نے بیت شمس کا سیدھا راستہ لیا وہ سڑک ہی سڑک ڈکارتی گئیں اور دائیں یا بائیں ہاتھ نہ مڑیں اور فلسطی سردار بیت شمس کی سرحد تک اس کے ساتھ گئے اور وادی شمس کے لوگ گیہوں کی فصل کاٹ رہے تھے اور انہوں نے جو آنکھیں اٹھائیں تو اپنے صندوق کو دیکھا اور دیکھتے ہی خوش ہو گئے"۔

توراۃ(کتاب سیموئیل باب ۶ ۔۔۔ ۷۔۱۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس کے بعد طالوت بنی اسرائیل کو لے کر دشمن سے جنگ کرنے نکلے۔تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ جنگ فلسطیوں کے خلاف تھی جس کی قیادت جاتی کرر ہاتھا۔قرآن نے اسے جالوت لکھا ہے اس لیے ہم بھی اس کو جالوت ہی لکھیں گے طالوت اور قوم بنی سرائیل کے راستے میں ایک دریا آیا قوم پیاس سے ہانپ رہی تھی مگر طالوت نے قوم کو کہا کہ اس وقت تک کوئی ندی کا پانی نہ پیے جب تک کہ وہ ندی پار نہ کرلے اور یہ تمہاری آزمائش ہے اللہ کی طرف سے۔دراصل طالوت اپنی قوم کی اخلاقی حالت کو جانتا تھا اس لیے اس نے چاہا کہ بزدلوں کو الگ کردے تا کہ وہ اطمینان سے میدان میں اتر سکے۔قوم کی اکثریت نے اسی کنارے پہ پانی پی لیا اور گر کر ہانپنے لگی اور اپنے سردار سے کہا کہ جالوت بہت بہادر اور اس کا لشکر بہت ظالم ہے اس لیے آج تو ہم میں اس سے لڑنے کی سکت نہیں ہے۔ظاہر ہے جو لوگ اپنے سردار اور قائد کے حکم سے چند گھنٹے کی پیاس برداشت کرنے کے قابل نہ ہوں میدان جنگ میں ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔تاہم کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو روکا اور صبر کیا طالوت نے ساری قوم کو پیچھے چھوڑا اور ان چند سو لوگوں پر بھروسہ کیا جنھوں نے صبر کیا تھا اور اپنے حکمران یا سالار کی بات کو غور سے سنا تھا اور عمل کیا تھا قرآن نے بھی واقعے کو اپنے مخصوص انداز سے پیش کیا ہے اور ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی ہیں جنھوں نے اپنے سردار سے وفاداری کی۔اس کے بعد قرآن نے وہ دعا پیش کی جو طالوت نے دشمن کے سامنے اترنے سے قبل اپنے اللہ کے حضور کی۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ
قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِيْنَ O فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ ۲ ؛ ۲۴۹ ,۵۰)

ترجمہ؛

"لیکن جولوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا! بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پہ غالب آ گیا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے پہ نکلے تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی ہم پہ صبر کا فیضان کر ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پہ ہمیں فتح نصیب فرما آخرکار اللہ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو مار بھگایا اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اسے علم عطا فرمایا"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ جب طالوت ندی کے پار اترا تو اس کے ساتھ بہت ہی کم ساتھی تھے۔ تاہم اس کو اطمینان تھا کہ وہ اس سے مخلص ہیں اور پیٹھ دکھانے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ حق اور باطل کی وہ جنگ کچھ اسی طرح کی تھی جس طرح کی جنگ بدر کے میدان میں مسلمانوں نے آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں قریش کے خلاف لڑی تھی۔ بعض تاریخی روایات کی بنیاد پہ یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اسی طرح طالوت کے ساتھ بھی تین سو تیرہ لوگ ہی تھے مگر چونکہ وہ مخلص تھے اس لیے اس میدان میں بھی غالب رہے جو جالوت نے سجایا تھا اور اس میدان میں بھی غالب رہے جو ابوجہل نے سجایا تھا۔

توراۃ کے بابِ سیموئیل میں اس لڑائی کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"پھر فلسطیوں نے جنگ کے لیے اپنی فوجیں جمع کیں اور یہواہ کے شہر شوکہ میں فراہم ہوئے اور شوکہ اور عزیقہ کے درمیان افسیدمیم میں خیمہ زن ہوئے اور ساؤل اور اسرائیل کے لوگوں

نے جمع ہوکر ایلہ کی وادی میں ڈیرے ڈالے اور لڑائی کے لیے فلسطیوں کے مقابل صف آرائی کی اور ایک طرف کے پہاڑ پر فلسطی اور دوسری طرف کے پہاڑ پر بنی سرائیل کھڑے ہوئے اور ان دونوں کے درمیان وادی تھی‘‘۔

توراۃ (باب سیموئیل ۱۷ ۱۔۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

میدان جنگ سج چکا تھا دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں بنی اسرائیل کی قیادت طالوت کر رہا تھا اور فلسطیوں کا سردار جالوت تھا۔ جالوت بڑا دیو ہیکل گرانڈیل اور ماہر جنگجو اور اعلیٰ سپہ سالار کے طور پہ جانا جاتا تھا۔ چہارسو دشمنوں پہ اس کا رعب طاری تھا خاص طور پہ بنی اسرائیل اس سے بری طرح مرعوب تھے۔تب بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کے مقابلے میں اپنے ہتھیار سجا کر نکلے۔ یہ داؤد علیہ السلام ہی حضرت داؤد علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور جن کی صلب سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ان کی ابتداء انتہائی غریبانہ مگر انتہا نہایت شاندار ہوئی تھی ۔انہوں نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ خداوند نے مجھے بھیڑ سالے سے نکالا اور اسرائیل کے تخت پر لا بٹھایا۔ یہ طالوت کی اس فوج میں شامل تھے جس کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ان کی شمولیت کے متعلق تورات میں دو مختلف روائتیں درج ہیں ایک سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کے پیش آنے سے پہلے ہی حضرت داؤد علیہ السلام طالوت کی مجلس مشاورت کے رکن تھے اور در پردہ یہ سیموئیل کے مسوح اور مستقبل کے بادشاہ بھی تھے۔ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب جنگ شروع ہونے والی تھی اسی وقت اتفاق سے حضرت داؤد علیہ السلام لشکر گاہ میں پہنچے اور ان کی بکریاں چراگاہ میں چر رہی تھیں۔ وہ اپنے باپ کے حکم پر اپنے بھائیوں کو جو اس جنگ میں شریک تھے کھانے کی کچھ چیزیں دینے آئے تھے انہوں نے دیکھا کہ جنگ شروع ہونے لگی ہے اور فلسطیوں کا سردار جالوت اپنی لشکر گاہ سے نکل آیا ہے۔

تب جالوت نے بنی اسرائیل سے اپنے مقابل کے لیے پکارا مگر اس کی دہشت اتنی زیادہ تھی کہ بنی اسرائیل کے جنگ جو اس کے مقابلے پر جانے سے ہچکچاتے تھے اور اسرائیل کی لشکر گاہ سے کوئی اس سے مقابلے کو نہ نکلتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام کی غیرت نے جوش مارا اور انہوں نے اپنے سردار سے

جالوت کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی۔طالوت نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک نوخیز سرخ رو اور خوش قامت نوجوان ہیں تاہم طالوت کو ان کی ناتجربہ کاری اور کم عمری کی وجہ سے ان کو اجازت دینے میں تردد ہوا اس لیے کہ جنگ میں پہلا وار ہی کبھی کبھی جنگ کا فیصلہ کر دیا کرتا ہے۔تب حضرت داؤد علیہ السلام نے طالوت کے قریب جا کر ان کو پکارا اور کہا کہ میں وہ نوجوان ہوں جو اپنی بکریوں پہ حملہ کرنے والے شیروں اور ریچھوں کے جبڑے چیر دیا کرتا ہوں بھلا اس نامختون فلسطینی کی میرے سامنے کیا حیثیت ہے کہ یہ میرے مقابلے میں زندہ رہے اور خداوند خدا کی فوجوں کو رسوا کرے۔تب طالوت کو اس نوجوان کے عزم و ہمت اور دعوے نے متاثر کیا اور اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو جنگی لباس پہنا دیا جائے اور اس کو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کیا جائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری شان سے بنی اسرائیل کی لشکر گاہ سے نکلے تب جالوت نے ان کا مذاق اڑایا اور مسکراتا ہوا اپنی لشکر گاہ کی طرف چل دیا۔حضرت داؤد علیہ السلام کی ساری زندگی چونکہ بکریاں چرانے میں گذری تھی اس لیے وہ بھی اپنی لشکر گاہ میں واپس آئے اور اپنے سردار سے ایک اجازت طلب کی کہ اس کو یہ جنگ اپنے انداز سے لڑنے کی اجازت دی جائے۔طالوت نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر رہ گئے مگر ان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے انداز سے لڑ سکتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا سارا جنگی لباس اتار دیا اور اسلحہ ایک طرف رکھ دیا کیونکہ انہیں اس جنگی لباس اور جنگی اسلحہ کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا اور وہ اسے پہن کر کچھ بندھا بندھا سا محسوس کر رہے تھے۔تب وہ بغیر کسی جنگی ہتھیار کے لشکر گاہ سے نکلے اور پوری آواز میں جالوت کو مقابلے کے لیے پکارا۔وہ لشکر گاہ کو چھوڑ کر میدان کے بیچ پہنچ گئے اور جالوت کا انتظار کرنے لگے۔تب جالوت بھی آ پہنچا۔حضرت داؤد علیہ السلام نے چرواہوں کی طرح اپنی فلاخن اٹھائی چادر کے ایک کونے میں کچھ پتھر رکھے اور وقت کے سب سے بڑے سپہ سالار کے مقابلے میں جم گئے۔اب کی بار پھر جالوت نے آپ کا مذاق اڑایا مگر حضرت داؤد علیہ السلام کے ترکی بہ ترکی جواب سے وہ رک گیا اور کہا کہ اچھا تیری یہی مرضی ہے تو آ تیرا گوشت چیلوں اور کوؤں کو کھلاتا ہوں۔اس نے حضرت داؤد علیہ السلام پہ حملہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام طرح دے گئے اور اپنی فلاخن میں پتھر رکھ کے پوری طاقت سے جالوت پہ حملہ آور ہوئے۔حضرت داؤد علیہ السلام کی فلاخن نے جالوت کا سر ادھیڑ کر رکھ دیا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔اتنے بڑے سپہ سالار کا ایک چرواہے کے ہاتھوں مارا جانا ظاہر ہے کہ ایک عظیم واقعہ تھا

۔چنانچہ فلسطینی فوج میں بھگڈر مچ گئی اور بنی اسرائیل کی عورتوں کی زبان پر یہ گیت جاری ہوگیا۔

"ساؤل نے تو ہزاروں کو مارا پر داؤد نے لاکھوں کو مارا"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس واقعہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی اس زندگی کا آغاز ہوا جس میں وہ تاریخ بنی اسرائیل کے بلند ترین مقام پر فائز ہوئے اور ان پر اللہ کے بہت سے انعامات ہوئے۔طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا داماد بنالیا اور وہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے۔علاوہ ازیں ان کو حکمت کا وہ خزانہ بھی عطا ہوا جس کا مظہر زبور ہے۔درحقیقت یہی حکمت ہے جس کا جوڑ جب بادشاہی کے ساتھ ملتا ہے تو وہ بادشاہی زمین میں خدا کی خلافت کا درجہ حاصل کرتی ہے یہ نہ ہو تو بادشاہی چنگیزی ہے۔بادشاہی اور درویشی کا یہی امتزاج ہے جو اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے،۔اور حضرت داؤدؑ،حضرت سلیمانؑ،حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سب درویش بادشاہ تھے اس لیے کہ ان کی بادشاہی کا تخت سونے چاندی سے نہیں بلکہ حکمت و لعل و گہر سے آراستہ ہوا تھا۔حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ نے بے شمار انعامات فرمائے اور آپ کو بے مثال بادشاہی عطا فرمائی لوہے کو آپ کے ہاتھ میں موم کردیا گیا جس سے آپ نہایت باریک زرہ بنتے جس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی۔پھر آپ کو خاص سوز و لحن عطا فرمایا گیا جس کی بنا پر جب آپ اللہ کی حمد و ثنا کرتے تو پہاڑ شجر و حجر بھی آپ کے ساتھ اللہ کی حمد کرتے۔اللہ نے آپ کو بہت سی اولادوں سے نوازا جن میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نامور نبی ہوئے اور جن کے دور میں قوم بنی اسرائیل اپنی ترقی کی انتہا تک پہنچی۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سلیمانؑ سے بھی بہت خوش تھے اور انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا جن کی مثال نہیں ملتی۔ ہوائیں حضرت سلیمانؑ کے مطیع تھیں تو پرندے ان کے خادم تھے۔اللہ نے ان کو اپنے خاص علوم سے نوازا تھا جس کی بنا پر ملکہ سبا کا تخت پل بھر میں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے ان کے حضور حاضر کردیا جاتا ہے اور جن ان کے حکم سے باندھے رہتے ہیں ان کے لیے بڑے بڑے لگن تیار کرتے ہیں اور ان کے حکم سے ہیکل تیار کرتے،حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین کو شاہراہوں کی سرزمین کہا جاتا اس

لیے کہ جب اشوری اور مصری آپس میں برسر پیکار ہوتے تو ان کی فوجیں فلسطین ہی سے گزر کر اسے پامال کرتی ہوئی ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتیں۔ چنانچہ اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لیے جناب سلیمانؑ نے مصر اور کنعان کے حکمرانوں کی بیٹیوں سے شادی کی اور انہیں اپنا حلیف بنایا۔ جب اس طرف سے انہیں اطمینان حاصل ہو گیا تو انہوں نے ہیکل کی تعمیر پر کمر ہمت باندھی۔ صور کے بادشاہ جبرام سے کہہ کر دیودار کی لکڑی فراہم کی۔ صور اور صیدا کے شہروں سے ماہر فن معمار طلب کیے گئے۔ ہیکل کی اندرونی دیواروں پر دیودار کی لکڑی استعمال کی گئی۔ تاہم فرش پہ صنوبر کے تختے استعمال کیے گئے۔ الہام گاہ بیس ہاتھ چوڑی اور بیس ہاتھ لمبی تھی جس پہ خالص سونا منڈھا گیا تھا۔ قربان گاہ کے شمع دان بھی خالص سونے سے بنوائے گئے تھے۔

الہام گاہ میں زیتون کی لکڑی سے تراشے ہوئے دو فرشتے دس دس ہاتھ اونچے بنوائے گئے۔ فرشتے کے ایک بازو سے دوسرے بازو کے درمیان دس ہاتھ فاصلہ تھا ان کے پھیلے ہوئے بازوؤں کے نیچے تابوت سکینہ رکھا گیا۔ جس میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات الواح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا رکھا تھا۔ سال میں صرف ایک مرتبہ قربان گاہ کا دروازہ کھلتا اور سفید لباس پہنے کاہن اعظم اس میں داخل ہوتا اس کے ایک ہاتھ میں طلائی بخوردان ہوتا اور دوسرے ہاتھ میں سنہری پیالہ جس میں سفید بیل کا خون ہوتا وہ اس خون کو فرش پر چھڑکتا اور قربانی کی رسم ادا کرتا جس کے بعد بادشاہ اور دوسرے لوگ قربان گاہ میں قربانی کرتے اور سارے میں مقدس بخور جلائے جاتے جن سے فضا مہک جاتی تھی۔ ہیکل کی یہ عمارت سات برسوں میں تعمیر ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس خوشی میں بائیس ہزار بیل اور ایک لاکھ بیس ہزار بھیڑیں قربان کیں۔ حضرت سلیمانؑ کی دانش و حکمت ضرب المثل بن گئی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی اصل مخاطب ملک سبا کی قوم تھی جس کی ملکہ کا نام بلقیس تھا۔

مورخین بتاتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی دعوت سے قبل بھی قوم سبا میں ایک ایسا عنصر موجود تھا جو دوسرے معبودوں کی بجائے خداوند واحد کو مانتا تھا۔ موجودہ زمانے کی عصری تحقیقات سے بھی یہی بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے اور یمن کے قدیم کھنڈروں سے جو کتبات ملے ہیں ان میں سے بعض اس قلیل عنصر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پہ ۶۵۰ ق م کے لگ بھگ زمانے کے بعض کھنڈروں سے جو کتبات ملے

ہیں ان میں سے بعض کتبات بتاتے ہیں کہ مملکت سبا کے متعدد مقامات پر ایسی عبادت گاہیں بنی ہوئیں تھیں جو ذسموی یا ذوسماوی یعنی (رب السماء) کی عبادت کے لیے مخصوص تھیں۔بعض مقامات پر اس معبود کا نام ملکن ذسموی (وہ بادشاہ جو آسمانوں کا مالک ہے) بھی لکھا گیا ہے۔یہ عنصر مسلسل صدیوں تک یمن میں موجود رہا۔چنانچہ ۳۷۸ءق م کے ایک کتبے میں بھی الہٰذوسموی کے نام سے ایک عبادت گاہ کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔پھر ۴۶۵ءق م کے ایک کتبے میں یہ الفاظ تحریر کئے پائے جاتے ہیں" **بنصر و رداالٰہن بعل سمین وارضین**" یعنی اس کی مدد اور تائید سے جو زمین و آسمانوں کا مالک ہے۔اسی زمانے کے ایک اور کتبے میں جس کی تاریخ ۴۵۸ءق م ہے اسی خدا کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

مورخین نے قوم سبا کی تاریخ کے اکثر حصے بیان کئے ہیں تاریخ کے مطابق"سبا" جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے بڑے قبائل پر مشتمل تھی۔امام احمد ابن جریر طبریؒ،ابن ابی حاتمؒ،ابن عبدالبرؒ اور امام ترمذیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سبا عرب کے ایک شخص کا نام تھا جس کی نسل سے عرب میں حسب ذیل قبیلے پیدا ہوئے؛کندہ،حمیر،ازد،اشعرمین،مذحج،انمار،خثم، بجیلہ،عاملہ،جذام،لخم اور غسان ۔بہت قدیم زمانے سے عرب کی اس قوم کا شہرہ تھا ۲۵۰۰ءق م میں مقام اُر سے ملنے والے کتبات میں اس قوم کا ذکر سابوم کے نام سے آیا ہے۔اس کے بعد بابل اور آشور (اسیریا) کے کتبات میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔اسی طرح بائیبل میں بھی کثرت سے اس قوم کا ذکر آیا ہے۔پھر روم اور یونان میں بھی صدیوں ان کا ذکر موجود رہا ہے۔ان کا وطن عرب کا جنوب مغربی کونہ تھا جو آج یمن کے نام سے مشہور ہے۔اس قوم کے عروج کا دور گیارہ سو برس قبل مسیح تھا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک دولت مند قوم کی حیثیت سے اس کا شہرہ دور دور تک میں پھیل چکا تھا۔آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی ،شرک اور بت پرستی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ان کے دیوتاؤں میں المقہ (چاند)عشترہ (زہرہ)ذات حمیم اور ذات القمہ شامل ہیں۔

بعد میں یہ لوگ (سورج دیوتا) ہوبس حرتم اور ایسے ہی دوسرے بہت سے دیوتا اور دیوئیوں کی پوجا کرتے تھے۔المقہ اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور قوم سبا کے بادشاہ اپنے آپ کو اسی بادشاہ کے دیوتا یا وکیل کی حیثیت سے اطاعت کا حق دار قرار دیتے تھے۔یمن سے بکثرت ایسے کتبات ماہرین آثار قدیمہ کے ہاتھ لگے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سارا ملک ان دیوتاؤں خصوصاً القمہ کے مندروں سے بھرا ہوا تھا۔

ہر اہم واقعہ پر انہیں مندروں میں قربانی یا شکریے کی دوسری رسوم ادا کی جاتیں۔آ ثار قدیمہ کی جدید تحقیقاتی مہموں نے ان قدیم اقوام سے متعلق ہزاروں کتبات فراہم کیے ہیں جو اس دور کی تہذیبی معاشی سماجی اور عقائدی اقدار پہ بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔اگر ان تاریخی کتبوں سے حاصل کردہ معلومات کو عربی روایات اور رومی و یونانی مورخین کی فراہم کردہ معلومات سے ملا لیا جائے تو اس قوم کے اہم ادوار کی تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔قوم سبا کا اولین دور ۶۵۰ ق م سے شروع ہوتا ہے۔اس زمانے میں ملوک سبا کا لقب مکرب سبا تھا۔اغلب یہ ہے کہ یہ لفظ مقرب کا ہم معنی تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بادشاہ انسانوں اور خداؤں کے درمیان خود کو واسطہ قرار دیتے تھے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کاہن بادشاہ ((Priest Kings)) تھے۔اس زمانے میں ان کا پایہ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مآرب سے مغرب کی جانب ایک دن کی مسافت پر پائے جاتے ہیں اور خربیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ان کا دوسرا دور (۶۵۰ سے ۱۱۵ ق م) تک کا دور گنا جاتا ہے اس دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لقب چھوڑ کر ملوک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت میں مذہبیت کی جگہ سیاست اور سیکولرازم کا رنگ غالب آ گیا تھا۔اس زمانے میں ملوک سبا نے صرواح کو چھوڑ کر مآرب کو اپنا دارالسلطنت قرار دے دیا تھا اور اس شہر نے بے مثال ترقی کی تھی۔یہ مقام سطح سمندر سے 3900 فٹ بلند تھا اور صنعاء سے ساٹھ میل مشرق کی جانب واقع ہوا تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں اور اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ یہ شہر کبھی ایک بہت متمدن قوم کا مرکز تھا۔ان کا آخری دور (۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ ق م) تک قرار دیا جاتا ہے۔اس زمانے میں سبا کی مملکت پر حمیر کا قبیلہ غالب تھا جو قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ تھا اور تعداد میں دوسرے قبائل سے بڑھا ہوا تھا۔اس دور میں مآرب کو اجاڑ کر ریدان کو پایہ تخت بنایا گیا جو قبیلہ حمیر کا مرکز تھا۔بعد میں یہ شہر ظفار کے نام سے موسوم ہوا آج کل موجودہ شہر یریم کے قریب موجود ایک پہاڑی پر اس شہر کے کچھ کھنڈرات ملتے ہیں اور اسی کے قریبی علاقہ میں ایک قبیلہ حمیر کے نام سے آج بھی آباد ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ اسی قوم کی یادگار ہے جس کے ڈنکے کبھی دنیا بھر میں بجتے تھے۔اسی زمانے میں سلطنت کے ایک حصے کی حیثیت سے پہلی مرتبہ لفظ یمنت اور یمنات کا استعمال ہوا اور رفتہ رفتہ اس پورے علاقے کا نام یمن ہو گیا۔جو عرب کے جنوب مغربی کونے عسیر سے عدن تک اور باب مندب

سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے۔قرآن حکیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر قوم سبا کی ایک ذہین ملکہ بلقیس(۹۶۵ ق م سے ۹۲۶ ق م) نے اس حقیقت کو جان لیا کہ سلیمانؑ ہی دین حق پہ ہیں اور وہ طاقتور بھی ہیں اس لیے اس نے اپنے اعمائدین قوم کی مشاورت سے حضرت سلیمانؑ کا دین قبول کرلیا اور اغلب یہی ہے کہ اس قوم کی غالب اکثریت مسلمان ہوگئی تھی بعد میں کیا ہوا کب یہ قوم پھر سے شرکیہ عقائد میں مبتلا ہوئی اس کی تفصیلات گذشتہ باب میں گذر چکی ہیں جس میں بیان کیا گیا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی اولاد ان کی عظیم سلطنت کی حفاظت کی اہل ثابت نہ ہوئی اور یہ سلطنت ٹکڑوں میں بٹ گئی۔اسلام کی آمد سے تین سو سال قبل کے ایام اس قوم کی تنزلی کی داستان بیان کرتے ہیں اس دور میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں بیرونی قوموں کی مداخلت شروع ہوئی جس سے ان کی تجارت برباد ہوگئی پھر ان کی زراعت نے دم توڑا اور آخر ان کی آزادی بھی چھن گئی ۔تاہم ایک محکوم قوم کی حیثیت سے قوم سبا ابھی زندہ تھی کہ ان کا بنایا ہوا مشہور بند سد مآرب ٹوٹ گیا جس کے بعد یہ قوم ایسی بکھری کہ اس کی پراگندگی ضرب المثل بن کہ رہ گئی اور تب اہل عرب کسی گروہ کے انتشار کا ذکر کرتے تو کہتے کہ " **تفرقوا ایدی سبا**" یعنی وہ تو ایسے بکھر گئے جیسے قوم سبا بکھری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زوال نعمت کا دور شروع ہوا تو سبا کے مختلف قبیلے اپنا وطن چھوڑ کر عربوں کے مستقل علاقوں میں چلے گئے غسانیوں نے اردن اور شام کا رخ کیا اوس اور خزرج کے قبیلے یثرب میں جا بسے۔بنو خزاعہ نے جدہ کے قریب تہامہ کے علاقہ میں سکونت اختیار کرلی۔ازد کا قبیلہ عمان میں جا کر آباد ہوا۔لخم جذام اور کندہ بھی نکلنے پر مجبور ہوئے حتیٰ کہ سبا نام کی کوئی قوم دنیا میں باقی نہ رہی اور اس کا ذکر صرف افسانوں میں رہ گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر پھر سے دنیا پرستی حاوی ہوگئی اور ان کی سلطنت ٹکرے ٹکرے ہوگئی۔سیاسی نظم ابتری کا شکار ہوا اور ساتھ ہی اسرائیلی ریاست کے فرمانروا اور باشندے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے متاثر ہونے لگے اور جلد ہی اپنی نظریاتی اساس سے دور ہٹ گئے۔انہوں نے مشرک خاندانوں میں شادیاں کرلیں اور حکومتیں اپنی طاقت کے ذریعے اپنے معاشروں میں فسق و فجور اور شرک و بت پرستی کو رواج دینے لگیں۔اگرچہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام نے اس سیلاب کو روکنے کی ازحد کوشش کی مگر قوم جس تنزل کی طرف اپنا سفر شروع کر چکی تھی

اس سے باز نہ آئی اور اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھتی رہی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ آخر اللہ کا غضب اشوریوں کی شکل میں دولت اسرائیل کی طرف متوجہ ہوا اور نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین پر اشوری فاتحین کے حملے شروع ہو گئے اس دور میں بھی اللہ کا احسان ان پر جاری رہا مگر اس بدقسمت قوم نے اسے نظر انداز کر دیا یا طاقت کے زور پر اللہ کے انبیاء کو رسوا کیا۔

اسی دور میں اللہ کے نبی عاموس علیہ السلام اور ہوسیع علیہ السلام نے اپنی قوم کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی مگر ان انبیاء کی تنبیہ نے ان پہ کوئی اثر نہ کیا اور قوم بنی اسرائیل نے اپنی تنزلی کا سفر جاری رکھا۔ انہوں نے اللہ کے نبی عاموس علیہ السلام کو اپنے ملک سے نکال دیا جس کے بعد پھر سے وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور ۷۲۱ ق م میں اشور کے سخت گیر فرمانروا سارگون نے سامریہ کو فتح کر کے اسرائیلی ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ ہزاروں اسرائیلی تہہ تیغ کر دیئے گئے اور ستائیس ہزار سے زیادہ با اثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں تتر بتر کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں سے غیر اسرائیلی قوموں کو اس علاقے میں بسا دیا گیا جن کے درمیان بچا کھچا اسرائیلی عنصر بھی اپنی قومی تہذیب اور عقائدی اساس سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جس پہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا بیٹا حکمران تھا اور جو جنوبی فلسطین میں قائم تھی وہ بھی اگرچہ جلد ہی شرک اور بد اخلاقی میں مبتلا ہو گئی تھی مگر ان کے یہاں اسرائیل کی نسبت اخلاقی اور اعتقادی زوال کی رفتار سست تھی اس لیے ان کو مہلت بھی زیادہ دی گئی اور اشوری حملے اسرائیل کی طرح یہودیہ پر بھی جاری تھے مگر وہ اس کو زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے پھر جب اللہ کے نبیوں یسیعاہ اور یرمیاہ علیہ السلام کی کوششوں کے باوجود بھی یہودیہ کے باشندے شرک اور بت پرستی سے باز نہ آئے تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری یہودیہ ریاست کو مسخر کر لیا اور یہودیہ کے بادشاہ کو قید کر لیا گیا تاہم اس پہ بھی قوم بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا اور حضرت یرمیاہ کی درد بھری دعوت کے باوجود وہ اپنے اعمال کو درست کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ اللہ کے غضب نے انہیں آلیا اور بخت نصر نے ان پر آخری اور بڑا حملہ کر کے یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا کے رکھ دی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پامال کیا گیا کہ ان کی کوئی دیوار تک کھڑی نہ رہنے دی گئی یہودیوں کی اکثریت کو ریاست سے نکال دیا گیا اور

جو یہودی اپنے علاقوں میں رہ گئے وہ ہمسایہ قوموں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہو کے رہ گئے اس بڑی تباہی کے باوجود اس قوم کو ایک مہلت اور دی گئی اور یہ وہ مہلت تھی جو یہودیوں کو اہل بابل کی اسیری کے بعد دی گئی۔ جہاں تک سامریہ اور اسرائیل کی ریاست کا تعلق ہے وہ تو اخلاقی اور اعتقادی پستیوں میں گرنے کے بعد دوبارہ نہ اٹھ سکے مگر یہودیہ کے باشندوں میں ایک گروہ ایسا موجود تھا جس نے اپنی اساس کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور مشکل سے مشکل وقت میں بھی وہ اپنے بنیادی عقائد سے انحراف کی طرف مائل نہ ہوئے اس گروہ نے ان لوگوں میں بھی دعوت اور اصلاح کا کام جاری رکھا تھا جو یہودیہ میں ہی بچے رہ گئے تھے اور ان لوگوں کو بھی توبہ وانابت کی ترغیب دی جو بابل اور دوسرے علاقوں میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔

آخر کار اللہ کی رحمت ان کی مدد کو آئی اور بابل کی سلطنت زوال آشنا ہوئی اور ۵۳۹ ق م میں ایرانی فاتح سائرس نے بابل کو فتح کر لیا۔ اس نے یہودیوں سے اچھا سلوک کیا اور نہ صرف ان کی رہائی کا حکم جاری کیا بلکہ ان کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت بھی دے دی جس پہ یہودیوں کے قافلے یہودیہ کی طرف جانے شروع ہو گئے جن کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ سائرس نے یہودیوں کو ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی دے دی مگر ایک عرصے تک ہمسایہ قومیں جو اس علاقے میں آباد ہو گئیں تھیں مزاحمت کرتی رہیں۔ آخر داریوس جس کو دارا اول بھی کہا جاتا ہے نے یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا اور تب اس نے اللہ کے نبی زکریا علیہ السلام اور سردار کاہن یشوع کی زیر نگرانی ہیکل مقدس کو نئے سرے سے تعمیر کیا اس کے بعد ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام بھی یہودیہ پہنچے اور شہنشاہ ایران ارتخششا جسے اردشیر بھی کہا جاتا ہے نے ایک فرمان کی رو سے ان کو مجاز کیا جس کا ذکر توراۃ میں بھی موجود ہے۔

”تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی ہے حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر تا کہ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو

بلا تکلف قانونی سزا دی جائے خواہ وہ موت ہو یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی یا قید“

(باب استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ اس طاقت سے فائدہ اٹھا کر حضرت عزیر علیہ السلام نے دین موسوی کی تجدید کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا انہوں نے یہودی قوم کے تمام اہل خیر وصلاح کو ہر طرف سے جمع کر کے ایک مضبوط نظام قائم کیا۔ بائبل کی کتاب خمسہ کو مرتب کر کے شائع کیا اور یہودیوں کے لیے علم کی اصلاحات نافذ کیں ۔حضرت عزیر علیہ السلام نے قوانین شریعت نافذ کیے اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جوان کے اندر غیر قوموں سے میل ملاپ کی وجہ سے در آئی تھیں۔ انہوں نے ان تمام عورتوں کے نکاح بنی اسرائیل کے مردوں سے فسخ کر دیئے جو غیر اقوام سے تھیں اور بنی اسرائیل سے ازسرنو خدا کی بندگی اور اس کے آئین کی پیروی کا میثاق لیا۔ پھر ۴۴۵ ق م میں نخمیاہ کے زیر قیادت ایک اور جلاوطن گروہ یہودیہ واپس آیا اور شاہ ایران نے نخمیاہ کو یروشلم کا حاکم مقرر کر کے اسے اس امر کی اجازت دی کہ وہ اس کی شہر پناہ تعمیر کرے اس طرح ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس پھر سے آباد ہوا اور یہودی مذہب وتہذیب کا مرکز بن گیا۔ مگر شالی فلسطین اور سامریہ کے اسرائیلیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی اصلاح وتجدید سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ان کا رویہ الٹ تھا۔ انہوں نے بیت المقدس کے مقابلے میں اپنا ایک مذہبی مرکز کوہ جزریم پر تعمیر کر کے اس کو اہل کتاب کا قبلہ بنانے کی کوشش کی اس طرح یہودیوں اور سامریوں میں بُعد اور زیادہ بڑھ گیا۔ ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانی حکومت کے عروج سے یہودیوں کی سلطنت کو شدید جھٹکا لگا اور وہ غیر ملکی دباؤ میں آ گئی۔

یہ اسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ سکندر کی وفات کے بعد یہ یہودی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی ان میں سے شام کا علاقہ اس سلجوقی سلطنت کے حصے میں آیا جس کا پایہ تخت انطا کیہ تھا اور اس کے فرمانروا انٹیوکس ثالث نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا یہ یونانی فاتح جو مذہباً مشرک اور اخلاقاً اباحیت پسند تھا یہودی مذہب اور تہذیب کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس لیے اس نے یہودیت کے مقابلے میں اپنا سیاسی اور معاشی دباؤ استعمال کرنا شروع کیا جس کا اثر یہودیوں کے ایک طبقے نے بڑی شدت کے

ساتھ قبول کیا اور ایک اچھا خاصا عنصر ان کا آلہ کار بن گیا۔ اس خارجی مداخلت نے یہودیت میں پہلی بار تفرقہ کو جنم دیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس یونانی زبان یونانی طرز معاشرت اور یونانی کھیلوں حتیٰ کہ ان کے بعض عقائد تک کو اپنا لیا اور دوسرا گروہ اپنی قدیم تہذیب چھوڑنے کو تیار نہ تھا اولذکر فریسی اور ثانی الذکر صدوقی کہلائے۔ ۱۷۵ ق م میں نیا بادشاہ انٹیوکس چہارم جس کا لقب مظہر خدا تھا تخت نشین ہوا وہ یہودیت کا اپنے پیش رو سے بھی زیادہ دشمن تھا اس لیے اس نے سلطنت کے تمام وسائل یہودیت کی بیخ کنی میں جھونک دیئے اس نے بیت المقدس کے ہیکل میں زبردستی بت رکھ دیئے اور یہودیوں کو مجبور کیا کہ ان کو سجدہ کریں۔

اس نے قربان گاہ پہ قربانی بند کرا دی اور یہودیوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کی مشرکانہ قربان گاہوں پہ قربانی کریں اس نے ان سب لوگوں کے لیے سزائے موت تجویز کی جن کے گھر سے توراۃ کا نسخہ مل جائے یا وہ سبت کے احکامات پہ عمل کریں یا اپنے بچوں کا ختنہ کرائیں۔ تاہم حیرت کی بات یہ ہے یہودیوں نے اس کے جبر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور حکومت کے جبر سے مغلوب نہ ہوئے بلکہ وہ اس جبر کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور یہودیوں کی تاریخ کی مشہور تحریک مکابی کے نام سے اٹھی۔ اگرچہ اس کشمکش میں یونانیت زدہ یہودیوں کی ساری ہمدردیاں حکومت یعنی یونانیوں کے ساتھ تھیں اور انہوں نے عملاً تحریک مکابی کے خلاف یونانی بادشاہوں کا ساتھ دیا اور ان کا ہر قدم انطاکیہ کے ظالموں کے ساتھ اپنے ہی ہم قوموں کے خلاف اٹھتا لیکن ان کی تعداد نسبتاً کم تھی اور لوگوں کی اکثریت میں ابھی حضرت عزیر علیہ السلام کی پھونکی ہوئی دینداری کی روح زندہ تھی جس کے زیر اثر وہ حکومت کے بے پناہ دباؤ کے آگے ڈٹے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مکابی تحریک اپنے اولین مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور انہوں نے یونانیوں کو اپنے علاقے سے نکال باہر کیا اور ایک آزاد یہودی ریاست قائم کرنے میں کامیاب رہے جو ۶۷ ق م تک قائم رہی دولت مکابیہ رفتہ رفتہ وسعت اختیار کرتی رہی اور جلد ہی اس کے زیر سایہ وہ تمام علاقے آتے چلے گئے جو کبھی بکھری ہوئی یہودی ریاستیں تھیں اور وہ فلسطیہ کے بھی بہت بڑے حصے پہ قابض ہو گئے۔ تاہم ایک بار پھر قوم بنی اسرائیل نے اپنی روائتی بے حسی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بنیادی اساس سے منہ موڑ لیا اور مکابی تحریک کی کامیابی کے بعد آپس میں متحد نہ رہ سکے۔ جلد

ہی ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی کیونکہ مکابی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور ظاہر داری نے لے لی۔ایک گروہ نے دوسرے گروہ کے مقابلے کے لیے رومی حکومت سے مدد مانگ لی۔چنانچہ رومی فاتح پومپی ۶۳ ق م میں فلسطین کی جانب متوجہ ہوا اور جلد ہی اس کی فوجیں بیت المقدس کے دروازوں پہ کھڑی تھیں اس نے یہودی ریاست کا ایک بار پھر سے خاتمہ کر دیا اور یروشلم میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔اس نے یہودیوں کی مذہبی آزادی کا خاتمہ کر دیا ۔تاہم رومی حکمران اپنے مفتوحہ علاقوں میں براہ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے کی بجائے بہتر سمجھتے تھے کہ مقامی حکمرانوں کے ذریعے سے ہی اپنا مقاصد حاصل کیے جائیں اس لیے رومیوں نے جلد ہی اپنے زیر سایہ وہاں ایک دیسی ریاست قائم کر دی۔یہ ریاست جب ایک شاطر یہودی حکمراں ہیرود کے قبضے میں آ ئی تو اس نے پھر سے یہودیت کو سہارا دیا وہ ایک نہایت کامیاب حکمران تھا۔ایک طرف اس نے یہودیوں کی ترویج نو کا کام جاری رکھا تو دوسری طرف اس نے رومی حکمرانوں کو بھی راضی رکھا۔اسی لیے تقریباً پینتیس برس تک فلسطین سے شرق اردن تک اس کی حکمرانی قائم رہی۔تاہم ایک بار پھر یہودیوں کی اخلاقی حالت اپنی تنزلی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی اس لیے ہیرود کے انتقال کے فوراً بعد یہودی ریاست ایک بار پھر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی تاہم ہیرود کے بیٹے خلاؤس نے سامریہ اور یہودیہ پہ رومی حکمرانوں کے تحت حکومت کرنی شروع کر دی۔قیصر آگسٹس اس انتظام سے مطمئن نہیں تھا اس لیے اس نے کسی بھی یہودی سے حکمرانی کا حق چھین لیا اور پوری یہودی ریاست کو اپنا ایک ماتحت صوبہ قرار دے کر اپنا گورنر وہاں مقرر کر دیا جس کے بعد یہودی پچاس برس تک ذلت کی زندگی بسر کرتے رہے۔یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے مگر یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی رومی حکومت کو اس بات پہ آمادہ کرنا چاہا کہ وہ حضرت مسیح کو موت کی سزا دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کیا اور اسی حیثیت سے یہودیوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے وطن ناصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو ان کے اپنے ہی بھائی بندان کے دشمن ہو گئے اور تمام اہل شہران کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

”متی،مرقس،لوقا کی متفقہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا
”نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا“
(متی،مرقس،لوقا)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور پھر جب یروشلم میں آپ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کہیں اور چلیں جائیں تو آپ نے جواب دیا کہ
”ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو“
(لوقا ۱۳ : ۲۳)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آخری مرتبہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا کہ ”مبارک ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے“ اس پہ یہودی علماء ناراض ہو گئے اور انہوں نے حضرت مسیح سے مطالبہ کیا کہ اپنے شاگردوں کو چپ کرائیں مگر اس پہ حضرت مسیح نے جواب دیا کہ

”اگر یہ چپ رہیں گے تو پتھر پکاریں گے“
(لوقا ۱۹ : ۳۸۔۴۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ!
”اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو۔۔۔ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا ہے“

(متی ۱۱ : ۲۸-۳۰)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہودی حضرت مسیح پر چھوٹے چھوٹے اور گھٹیا قسم کے الزام لگاتے۔ ان علماء نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح نے فرمایا کہ تم ریاکاروں کی حالت وہی ہے جس پہ یسیعاہ نبی نے کہا تھا کہ اس امت کی زبان تو میری تعظیم کرتی ہے مگر ان کے دل مجھ سے دور ہیں کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں تم لوگ خدا کے حکم کو تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھنا چاہتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آ سکتی تھیں انہیں میں خدا کی نظر کر چکا ہوں اس لیے اب میرے لیے جائز ہے کہ میں ماں باپ کی خدمت نہ کروں اور پھر ان ظالموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وہ الزام لگایا جو رہتی دنیا تک ان کی ندامت کے لیے کافی ہے اگر وہ انصاف پسند ہوں۔

قرآن نے ان کی اس ذلیل حرکت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے!

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا
قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا
لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ
إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴؛ ۱۵۶,۱۵۷,۱۵۸)

ترجمہ؛

پھر وہ اپنے کفر میں اتنے بڑھے کہ (حضرت) مریم پہ سخت بہتان لگایا اور خود کہا کہ ہم نے مسیح،

عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔۔۔حالانکہ فی الوقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پہ چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا، اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں محض گمان ہی کی پیروی ہے، انھوں نے حضرت مسیحؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا کہ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نبیوں کے معاملے میں قوم بنی اسرائیل ہمیشہ سے ظالم رہی ہے اور ان کی تاریخ پہ اس امر کے سیاہ دھبے جابجا بکھرے پڑے ہیں وہ پیغمبروں کو قتل کرنے تک سے نہ چوکتے تھے۔اس لیے ان کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا جس کی بنا پہ ان ظالموں نے حضرت عیسیٰ کی والدہ پر زنا کا الزام عائد کیا۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودی قوم میں فی الواقع ذرا برابر بھی مشتبہ نہ تھا بلکہ جس روز وہ پیدا ہوئے اسی روز اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو اس بات پہ گواہ بنا دیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت کا بچہ ہے جس کی ولادت معجزے کا نتیجہ ہے نہ کہ کسی اخلاقی جرم کا نتیجہ۔کیونکہ آپ کی پیدائش بنی اسرائیل کے ایک شریف ترین اور مشہور مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی اس لیے جب اس مذہبی گھرانے کی ایک بن بیاہی لڑکی ایک بچہ گود میں اٹھائے بستی میں داخل ہوئی تو قوم کے چھوٹے اور بڑے ہزاروں کی تعداد میں اس کے گھر میں ہجوم کر کے آ گئے اور لڑکی سے اس بچے کی بابت استفسار کیا تو اس لڑکی نے ان کے ابلتے ہوئے سوالات کے جواب میں بچے کی طرف اشارہ کیا کہ تمہارے تمام سوالات کا جواب یہ بچہ ہی دے سکتا ہے۔مجمع نے حیرت سے پوچھا ہم اس نوزائیدہ سے کیا پوچھیں جو خود گھوارے میں لیٹا ہوا ہے مگر گھوارے میں لیٹے ہو ئے اس بچے نے نہ صرف ان کو جواب دیا بلکہ بھرپور جواب دیا۔

قرآن کی زبانی سنئے!

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ○ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ المریم ۱۹ : ۳۰-۳۳)

ترجمہ:

(گہوارے سے) بچہ بول اٹھا! میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے ،اور بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں رہوں نماز اور زکواۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جب کہ مروں اور جب کہ زندہ اٹھایا جاؤں، یہ عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کررہے ہیں۔"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ جڑ ہی کاٹ دی جو ولادت مسیح کے بارے میں پیدا ہوسکتی تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سن شباب کو پہنچنے تک کبھی کسی نے مریمؑ پر زنا کا الزام نہ لگایا تھا نہ حضرت عیسیٰ کو ناجائز ولادت کا طعنہ دیا تھا، لیکن جب تیس برس کی عمر کو پہنچ کر آپ نے نبوت کے کام کی ابتداء فرمائی اور جب آپ نے یہودیوں کی بداعمالیوں پہ ملامت کرنا شروع کی اور ان کے علماء وفقہا کو ان کی ریاکاریوں پرٹوکا ان کے عوام اور خواص سب کو اُس اخلاقی زوال پہ متنبہ کیا جس میں وہ مبتلا ہوگئے تھے اور اس پرخطر راستے کی طرف قوم کو دعوت دی جس میں خدا کے دین کو عملاً قائم کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانیاں برداشت کرنا پڑتی تھیں اور ہر محاذ پر شیطانی قوتوں سے لڑائی کا سامنا تھا تو یہ بے باک مجرم صداقت کی آواز کو دبانے کے لیے ہر ناپاک سے ناپاک ہتھیار استعمال کرنے پر اتر آئے اس وقت انہوں نے وہ

بات کہی جو تیس سال تک نہ کہی تھی۔ حقیقت یہ ہے قوم بنی اسرائیل اُسی ذلت کی مستحق تھی جس میں اُسے مبتلا کر دیا گیا۔

قوم بنی اسرائیل، عقائدی تنزل

تاریخی منظر پر نمودار ہونے سے پہلے بنی اسرائیل بھی معاصر اقوام کی طرح کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ پہاڑوں، چٹانوں، غاروں اور بدروحوں کی پرستش کرتے تھے۔ وہ بعل دیوتا کی پوجا ایک مخروطی پتھر کی صورت کرتے تھے اور سانپ کو دانش وحکمت کی علامت سمجھ کر اسے مقدس مانتے تھے۔ بعد میں انہوں نے آتش فشاں پہاڑوں کے فنیقی دیوتا یہواہ کے نام سے اپنا قومی اور ملی خدا بنالیا۔ تاہم یہواہ کے اشتقاق کے بارے میں مورخین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مغربی مورخ (Spygel) کا خیال ہے کہ یہواہ کا معنی ہونا ہے۔ تاہم بعض اہل تحقیق لفظ یہواہ کو فارسی الاصل مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہواہ اور اہورا کا مادہ ایک ہی ہے۔ بعض کے خیال میں بنی اسرائیل اپنے خدا کا نام نہیں لیتے تھے اس لیے انہوں نے ھو کے شروع میں یائے ندائیہ لگا کر یہواہ بنالیا۔ یہواہ کا معنی اہل لغت کے نزدیک یہاں ریڑھ کی ہڈی ہے۔ تاہم دین کے مورخین کے نزدیک ابتدا میں یہواہ کڑک وچمک کا دیوتا تھا چنانچہ عہد قدیمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ!

”خداوند خدا کی راہ گرد باد اور آندھی ہے بادل اس کے پاؤں کی گرد ہیں وہ ابر کے ستون اور کالے بادل میں برق و رعد کے ساتھ اترتا ہے“۔

(عہد نامہ قدیم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور اسی امر خاص کے متعلق بائیبل میں بیان کیا گیا کہ!

”جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پہ کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھویں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کر اس پہ اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا“۔

(باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آگے بیان کیا گیا کہ وہ خیمہ اجتماع پر ابر میں سے ہو کر نمودار ہوتا ہے!

”تب خیمہ اجتماع پہ ابر چھا گیا اور مسکن خداوند کے جلال سے معمور ہو گیا اور موسیٰ خیمہ اجتماع میں داخل نہ ہو سکا کیونکہ ابر اس پہ ٹھہرا ہوا تھا“۔

(باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”اور خداوند ابر کے ستون میں ہو کر اترا اور خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہارون اور مریم کو بلایا“۔

(باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”اور جب موسیٰ خیمے کے اندر چلا جاتا تو ابر کا ستوں اتر کر خیمہ پر ٹھہرا رہتا اور خدوند موسیٰ سے باتیں کرنے لگتا اور سب لوگ ابر کے ستون کو خیمے کے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور سب لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے ڈیرے کے دروازے پر اسے سجدہ کرتے تھے“۔

(باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہواہ جناب موسیٰ کو آگ کے شعلے سے مخاطب کرتا ہے اور دھوئیں کا ستون بن کر بنی اسرائیل کی راہبری کے لیے آگے آگے چلتا ہے اور قوس وقزح کو اپنے اور انسان کے درمیان بطور عہد کے نشان کے رکھتا ہے۔

”میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی اور ایسا ہوگا کہ جب میں زمین پر بادل لاؤں گا تو میری کمان بادل میں دکھائی دے گی اور میں اپنے عہد کو جو میرے اور تمہارے اور ہر جاندار کے درمیان ہے یاد کروں گا“

(باب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہوواہ خالصتاً شخصی اور تشبیہی خدا ہے جس نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے وہ رب الافوج ہے جو لڑائیوں میں یہودیوں کی مدد کرتا ہے اور ان کی جانب سے لڑتا ہے!

”سنو اے اسرائیلیو! تم آج کے دن اپنے دشمنوں کے لیے معرکہ جنگ میں آئے ہو سو تمہارا دل ہراساں نہ ہو تم خوف نہ کرو نہ کانپو نہ ان سے دہشت کھاؤ کیونکہ خداوند خدا تمہارا خدا تمہارے ساتھ چلتا ہے تا کہ تم کو بچانے کو تمہاری طرف سے دشمنوں سے جنگ کرے“

(باب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ ان کی مذہبی دیو مالا میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب اشوریا کے بادشاہ سنیجر اب نے یہواہ پر حملہ کیا تو خدا نے فرشتہ بھیج کر ان کا لشکر تباہ کر ڈالا۔

”سو اسی رات خداوند خدا کے فرشتہ نے نکل کر اشور کی لشکر گاہ میں ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی مار ڈالے اور صبح کو جب لوگ سویرے اٹھے تو دیکھا کہ وہ سب مرے پڑے ہیں تب شاہ اشور سنیجر اب وہاں سے چلا گیا اور لوٹ کر نینوا میں رہنے لگا“۔

(باب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب خداوند یہواہ نے اپنے بارے میں کہا!

”میں شاہ عظیم ہوں اور قوموں میں میرا نام مہیب ہے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ عہد نامہ قدیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ خداوند خدا جب سدوم کی بربادی کا عزم کر کے آتا ہے تو پہلے جنابِ ابرہام کے پاس ٹھہرتا ہے اور ان کے ہاں کھانا بھی کھاتا ہے۔

"پھر خدا ممرے کے بلوطوں میں اسے نظر آیا اور وہ دن کی گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پہ بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اس کے سامنے کھڑے ہیں وہ ان کو دیکھ کر خیمے کے دروازے سے ان کو ملنے کو دوڑا اور زمین تک جھکا اور کہنے لگا اے میرے خداوند اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادم کے پاس سے چلے نہ جائیں بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اسی درخت کے نیچے آرام کریں میں کچھ روٹی لاتا ہوں کہ آپ تازہ دم ہو جائیں"۔

(عہدنامہ قدیم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر جناب ابرہام نے بچھڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت بھون کر مہمانوں کو کھلایا خداوند خدا نے ایک دن جناب یعقوب سے کشتی بھی لڑی تھی۔

"اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پہ غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی لڑنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا کہ مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی ہے یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے نہیں جانے دوں گا تب اُس نے اِس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے جواب دیا یعقوب، اس نے کہا آئندہ سے تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا نام بتا دے، اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی"

بائبل (باب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بائبل میں مزید بیان کیا جاتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی صورت دکھائی نہ دیتی تھی بلکہ صرف آواز سنائی دیتی تھی۔

''پھر خدا نے کہا دیکھ قریب ہی ایک جگہ ہے سو تو اس چٹان پر کھڑا ہو اور جب تک میرا اجلال گذرتا رہے گا میں تجھے اس چٹان میں رکھوں گا اور جب تک میں نکل نہ جاؤں تجھے اپنے ہاتھ سے ڈھانکے رکھوں گا اس کے بعد میں اپنا ہاتھ اٹھا لوں گا اور تو میرا پیچھا دیکھے گا لیکن میرا چہرہ دکھائی نہ دے گا''۔

بائبل (باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین نے بیان کیا ہے کہ دوسری سامی اقوام کی طرح یہودی بھی بعض اوقات خدا کے لیے اِل یا ایل کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اشوریوں کا اِلہ بہ معنی معبود تھا آرامی زبان میں جس کا معنی ہوتا ہے ''قوی'' اس لیے ان کے تشبیہی معبود کے جذبات بھی قدرتاً انسانوں جیسے ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی برگزیدہ امت بنی اسرائیل کو ملک کنعان کی بشارت دیتا ہے اور ان کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے لیکن جب وہ سرکشی کفر اور شرک پہ اتر آتے ہیں تو انہیں سخت سرزنش بھی کرتا ہے کیونکہ بقول خود وہ ''خدائے غیور'' ہے اور یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی پرستش میں کسی اور معبود کو بھی شریک کیا جائے۔

''سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں کے ساتھ کوئی عہد نہ باندھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لیے پھندہ ٹھہرے بلکہ تم ان کی قربان گاہوں کو ڈھا دینا اور ان کے ستونوں کو ٹکرے ٹکرے کر دینا ہے اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا کیونکہ تجھ کو کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرنی ہوگی اس لیے کہ خداوند جس کا غیور ہے سو ایسا نہ ہو کہ تو اس ملک کے باشندوں سے کوئی عہد باندھ لے''۔

بائبل (باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور یہ کہ خداوند اسی دنیا میں فرمانبرداری کا معاوضہ اور نافرمانی کی سزا دیتا ہے۔

''اگر تم میرے حکموں کو جو آج میں تم کو دیتا ہوں دل لگا کر سنو اور خداوند خدا سے محبت رکھو اور اپنے سارے دل اور ساری جان سے اس کی بندگی کرو تو میں تمہارے ملک میں عین وقت پر پہلا اور پچھلا مہینہ برساؤں گا تا کہ تو اپنا غلہ اور مے اور تیل جمع کر سکے اور میں تیرے چوپائیوں کے لیے میدانوں میں گھاس پیدا کروں گا اور تو کھائے گا اور سیر ہوگا سو تم فرمانبردار رہنا تا کہ ایسا نہ ہو تمہارے دل دھوکا کھا جائیں اور تم جھک کر معبودوں کی عبادت اور پرستش کرنے لگو اور خداوند کا غضب تم پہ بھڑکے اور وہ آسمان بند کر دے تا کہ مینہ نہ برسے اور زمین سے کچھ پیدا نہ ہو دیکھو میں آج کے دن تمہارے آگے برکت اور لعنت دونوں رکھے دیتا ہوں برکت اس حال میں تم خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو آج میں تم کو دیتا ہوں مانو اور لعنت اس وقت جب تم خداوند اپنے خدا کی فرمانبرداری نہ کرو اور اس کو جس کی بابت میں آج تم کو حکم دیتا ہوں چھوڑ کر اور معبودوں کی پیروی کرو جن سے تم اب تک واقف ہو''۔

بائیبل (باب خروج)

تب بنی اسرائیل بار بار سرکشی کرتے ہیں اور غیر اقوام کے دیوتاؤں کی پوجا کر کے شرک کا ارتکاب کرتے تو اس خداوند کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور وہ خشمناک لہجے میں انہیں دھمکاتا ہے۔

''یہ تیری ان بداعمالیوں کے سبب سے ہوگا جن کو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑ دے گا خداوند ایسا کرے گا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہی گی جب تک کہ وہ تجھ کو اس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جا رہا ہے، فنا نہ کر دے خداوند تجھ کو تپ دق اور بخار اور سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور باد سموم اور گیروئی سے مارے گا اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہیں گے جب تک تو فنا نہ ہو جائے اور آسمان جو تیرے سر پہ ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی

خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پہ خاک اور دھول برسائے گا یہ آسمان سے تجھ پہ پڑتی رہے گی جب تک کہ تو ہلاک نہ ہو جائے۔۔۔۔خداوند تجھ کو مصر کے پھوڑوں اور بواسیر اور کھجلی اور خارش میں ایسا مبتلا کرے گا کہ تو کبھی اچھا نہیں ہونے کا خداوند تجھ کو جنون اور نابینائی اور دل کی گھبراہٹ میں مبتلا کر دے گا"۔

بائیبل (باب استثنا)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور یسعیاہ میں مزید آیا ہے کہ!

"اور خداوند فرماتا ہے چونکہ صیون کی بیٹیاں متکبر ہیں اور شوخ چشمی سے خرامہ ہوتی ہیں اور اپنے پاؤں سے ناز رفتاری کرتی اور گھنگھرو بجاتی جاتی ہیں اس لیے خداوند صیون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور یہواہ ان کے بدلے بے پردہ کرے گا تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین سے مٹا ڈالوں گا انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جانور اور ہوا کے پرندے تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوا ہوں"۔

بائیبل (باب استثنا)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسی طرح وہ ساؤل کو بادشاہ بنا کر بھی بعد میں پشیمان ہوا تھا۔ایک دن ایسا بھی ہوا کہ خداوند یہواہ نے غضبناک ہو کر بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے بجھانے سے وہ اپنے اس ارادے سے باز رہا۔

"تب خداوند نے موسیٰ کو کہا نیچے جا کیونکہ تیرے لوگ جن کو تو ملک مصر سے نکال لایا بگڑ گئے ہیں وہ اس راہ سے جس کا میں نے ان کو حکم دیا تھا بہت جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنے لیے

ڈھالا بچھڑا اور اسے پوجا اور اس کے لیے قربانی چڑھا کر یہ بھی کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے اس لیے اب تو مجھے چھوڑ دے کہ میرا غضب ان پہ بھڑکے اور میں ان کو بھسم کردوں اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا تب موسیٰ نے خداوند اپنے خدا کے آگے منت کر کے کہا اے خداوند کیوں تیرا غضب اپنے لوگوں پر بھڑکتا ہے جن کو تو قوت عظیم اور دست قوی سے ملک مصر سے نکال لایا ہے مصری لوگ کیوں یہ کہنے پائیں کہ وہ ان کو برائی کے لیے نکال لے گیا تا کہ پہاڑوں میں مار ڈالے اور ان کو روئے زمین پر سے فنا کر ڈالے سو تو اپنے قہر و غضب سے باز رہ اور اپنے لوگوں سے برائی کرنے کا خیال چھوڑ دے تو اپنے بندوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو یاد کر جن سے تو نے اپنی ہی قسم کھا کے کہا تھا کہ میں تیری نسل کو آسمان کے ستاروں کی مانند بڑھاؤں گا اور یہ سارا ملک جس کا میں نے ذکر کیا ہے تمہاری نسل کو بخشوں گا کہ وہ سدا اس کے مالک رہیں، تب خداوند نے اپنی برائی کرنے کا خیال چھوڑ دیا جو اس نے کہا کہ اپنے لوگوں سے کروں گا''

بائیبل (باب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بنی اسرائیل کی مذہبی کتابیں جب تحریف کا شکار ہوئیں تو اس بات میں پہچان کرنا مشکل ہو گیا کہ کلام الٰہی کون سا ہے اور ان کے علماء کے فرمودات کون سے ہیں۔ اس لیے سابقہ آسمانی کتابیں پڑھتے ہوئے اگرچہ کبھی کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ روشنی کی یہ کرنیں اسی منبع کا ایک حصہ ہیں جہاں سے قرآن جیسی عظیم کتاب نازل ہوئی۔ تاہم اکثر اوقات یہ احساس بھی حاوی رہتا ہے کہ اس طرح کے الفاظ یا اتنی بے سروپا باتیں اللہ سے منسوب کرنا ایک جرم ہے، ظلم ہے، جس کی ہمت صرف بنی اسرائیل ایسی اخلاقی طور پہ بگڑی ہوئی قوم ہی کر سکتی ہے۔ مگر ہم چونکہ ان کے عمومی عقائد سے بحث کر رہے ہیں جن کو جاننے کا بھی واحد ذریعہ وہی کتابیں ہیں جن کو اتنی بار تحریف کی سان پہ چڑھایا گیا کہ اب تو ڈر لگتا ہے کہ کوئی ایسی بات خدا کی طرف منسوب نہ ہو جائے جو اس کے بلند رتبے سے فروتر ہو۔ اس لیے کوشش یہی کی گئی ہے کہ مثالیں انہی کی کتابوں سے دی جائیں تا کہ ان کی اصل حقیقت اور عقائد کھل کر سامنے آجائیں اگرچہ اب خود قوم

بنی اسرائیل کا کوئی فرد بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ کتاب کا یہ حصہ خالص ہے اور یہاں ملاوٹ کی گئی ہے۔ چنانچہ اس بات سے قطع نظر کہ ان کتابوں کا اسلوب الہامی کتابوں کے معیار سے کتنی مطابقت رکھتا ہے ہم نے ان کو ہی پیش نظر رکھا ہے اس لیے کہ ان کا معیار بہرحال مورخین کے معیار سے ہر حال میں ارفع ہے۔ قربانی کا تصور بھی قوم بنی اسرائیل میں موجود تھا جس کا تذکرہ ان کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے مثال کے طور پہ ارشاد ہوتا ہے کہ!

''تب نوح نے خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا اور سب پاک چوپائیوں اور پاک پرندوں میں سے تھوڑے سے لے کر اس مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور خدا نے ان کی راحت انگیز خوشبولی''۔

(یسعیاہ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

خداوند یہوواہ بھی بنی اسرائیل کے اعمال و کردار سے نالاں تھا جس کی جھلک بھی ان کی کتابوں میں جا بجا پائی جاتی ہے اور بعض اوقات یہوواہ کا لب ولہجہ اس قدر تند و تیز ہو جاتا کہ حیرت ہوتی ہے مثلاً!

''لیکن تم اے جادوگرنی کے بیٹو! اے زانی اور فاحشہ کے بچو! ادھر تم کس پہ ٹھٹھا مارتے ہو تم کس پہ منہ پھاڑتے ہو اور زبان نکالتے ہو کیا تم باغی اولاد اور دغا باز نسل نہیں ہو''۔

(یسعیاہ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''خداوند بہادر کی مانند نکلے گا اور وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کھائے گا اور نعرہ مارے گا ہاں وہ للکارے گا وہ اپنے دشمنوں پہ غالب آئے گا میں بہت مدت چپ رہا میں خاموش رہا اور ضبط کرتا رہا پر اب میں دردزہ والی کی طرح چلاؤں گا''۔

(کتاب استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''میں اپنے تیروں کو خون پلا پلا کر مست کروں گا اور میری تلوار ان کا گوشت کھائے گی''

(کتابِ یسعیاہ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''اُس فرعون سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں''

(کتاب یرمیاہ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''اور جس طرح دلہا دلہن میں راحت پاتا ہے اسی طرح تیرا خداوند خدا تجھ میں مسرور ہوگا''

(کتاب خروج)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''میں خود اپنی بھیڑوں کی تلاش کروں گا اور ان کو ڈھونڈ نکالوں گا جس طرح چرواہا اپنے گلہ کی تلاش کرتا ہے''

(حزقی ایل)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب یسعیاہ ثانی میں یہواہ کے قبیلائی تصور میں وسعت پیدا ہوئی اور پال ولی نے اس تصور کو اپنا لیا کہ خدا صرف بنی اسرائیل کا ملی معبود نہیں ہے بلکہ جملہ اقوام عالم کا خداوند اور پروردگار ہے۔ یہوواہ کے تصور میں یہ ہمہ گیر وسعت اسیری بابلی کی دین ہے جہاں سے واپس آ کر یہودیوں کا ملی خدا خداوند عالم بن گیا۔

تاہم یسعیاہ کا خداوند مغلوب الغضب اور منتقم نہیں ہے بلکہ رحیم وکریم ہے اور تمام بنی نوع انسان کا شفیق باپ ہے۔ یہودیوں نے یسیعاہ نبی کی اس تعلیم کو کبھی درخور اعتناء نہ سمجھا۔ انہیں حزقی ایل کا ملی خدا اپنے خدا سے زیادہ قریب محسوس ہوتا تھا کیونکہ وہ انہیں برگذیدہ امت کہتا اور ان کی بہبود میں خاص دلچسپی لیتا تھا ۔ایلیاہ، عموس ہوسیع، میکاہ وغیرہ سب اللہ کے نبی تھے جو بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے گاہے بگاہے مبعوث ہوتے رہے اور ان کو یاد دلاتے رہے کہ یہوواہ ہی بنی اسرائیل کا واحد خدا ہے۔ تاہم تاریخ اس امر کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے توحید کا ایک خاص تصور پیش کیا تھا اسی طرح ان کے ہاں نبوت کا بھی خاص تصور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں ان کے ہاں غیب کی خبر دینے والے ہر شخص کو نبی کہا جاتا۔ چاہے وہ ادنیٰ درجے کا کاہن ہی کیوں نہ ہو۔ شاید اسی لیے عہد نامہ قدیم میں جا بجا نبی کا اطلاق بعل کے کاہنوں فال گیروں اور غیب بینوں پر بھی کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں سلسلہ نبوت میں عورتوں کے نام بھی ملتے ہیں اور بنی اسرائیل کی مشہور نبیہ ''دبورہ'' تھی جس نے ایک لڑائی میں بنی اسرائیل کے ایک لشکر کی قیادت کر کے دشمنوں کی کثیر تعداد کو شکست دی تھی۔ ان کے ہاں اگرچہ سچے نبیوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی مگر جعلی مدعیان نبوت بھی ان میں کثرت سے پیدا ہوتے رہے۔

''اور خداوند خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد! اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں ان کے خلاف نبوت کر اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں ان سے کہہ کہ خداوند کا کلام سنو! خداوند یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے کچھ نہیں دیکھا، اے اسرائیل! تیرے نبی ان لومڑیوں کی مانند ہیں جو ویرانوں میں رہتی ہیں۔۔۔۔ انہوں نے باطل اور جھوٹا شگون دیکھا ہے جو کہتے ہیں کہ خداوند فرماتا ہے اگرچہ خداوند نے انہیں نہیں بھیجا اور لوگوں کو امید دلاتے ہیں کہ ان کی بات پوری ہوگی! کیا تم نے باطل رویا نہیں دیکھی؟ کیا تم نے جھوٹی غیب دانی نہیں کی؟ کیونکہ تم کہتے ہو خداوند نے فرمایا ہے اگرچہ میں نے نہیں فرمایا ہوتا، اس لیے خداوند یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم نے جھوٹ کہا ہے اور بطلان دیکھا ہے اس لیے خداوند فرماتا ہے کہ میں تمہارا مخالف ہوں اور میرا

ہاتھ ان نبیوں پر جو بطلان دیکھتے ہیں اور جھوٹی غیب دانی کرتے ہیں چلے گا"

(حزقی ایل)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ان کتابوں میں بعض اوقات ان کے معاشروں کی حقیقی عکاسی بھی کی گئی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی کتابوں میں کم ہی سہی مگر خیر کی روشنی باقی ہے مثلاً!

"تمہارے لوگ جھوٹی نبوت کرتے ہیں اور کاہن ان کے وسیلے سے تم پہ حکمرانی کرتے ہیں"

(یرمیاہ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر ان کی کتابوں میں اس معرکہ کا بھی ذکر ہے جس میں بعل کے جھوٹے نبی اور ایلیاہ کے درمیان مقابلہ ہوا کہ دیکھیں خداوند خدا کس کی قربانی قبول کرتا ہے۔

"اور بعل کے نبی بلند آواز سے پکارنے لگے اور اپنے دستور کے مطابق اپنے آپ کو چھریوں اور نشتروں سے گھائل کر لیا یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گئے وہ دوپہر ڈھلے پر بھی شام کی قربانی چڑھا کر نبوت کرتے رہے پر کچھ آواز ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا نہ کوئی توجہ کرنے والا"۔

(سلاطین)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس کے برعکس ایلیاہ کی قربانی پر آسمان سے آگ نازل ہوئی جو اس بات کی علامت تھی کہ ایلیاہ کے نبی کی قربانی قبول کر لی گئی۔بعل کے نبی ہار گئے اور ان کو قتل کر دیا گیا۔عہد نامہ قدیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا

ہے کہ خداوند یہوواہ مختلف زمانوں میں مختلف طریقوں سے اپنے برگزیدہ بندوں اور نبیوں سے رابطہ کرتا رہا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے سامنے وہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا ان سے باتیں کیں اور ان کا کھانا کھایا۔ جناب موسیٰ علیہما السلام کے سامنے وہ ابر میں سے مخاطب ہوا۔ آخری دور کے انبیاء کے پاس فرشتہ (جبرائیل) خدا کا کلام لاتا رہا۔ دانی ایل کے پاس بھی جبرائیل علیہ السلام ہی اللہ کا کلام لائے۔

”کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے کوئی انسانی صورت کھڑا ہے اور میں نے اولائی میں سے آدمی کی آواز سنی جس نے بلند آواز سے کہا کہ جبرائیل اس شخص کو اس رویا کے معنی سمجھا دے۔ چنانچہ جہاں وہ کھڑا تھا نزدیک آیا اور اس کے آنے سے میں ڈر گیا اور منہ کے بل گر پڑا اس پر اس نے مجھ سے کہا اے آدم زاد! سمجھ لے کہ یہ رویا آخری زمانے کی بابت ہے اور جب وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا میں گہری نیند میں منہ کے بل زمین پہ پڑا تھا لیکن اس نے مجھے سیدھا کیا۔۔۔ میں رویا ہی میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہی شخص جبرائیل جسے میں نے شروع رویا میں دیکھا تھا حکم کے مطابق تیز پرواز کرتا ہوا آیا اور شام کی قربانی گذارنے کے وقت کے قریب مجھے چھوا اور اس نے مجھے سمجھایا اور مجھ سے باتیں کیں“۔

(سلاطین)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

دانی ایل کے پاس میکائیل کے آنے کا ذکر بھی ہے۔

”پھر میکائیل جو مقرب فرشتوں سے تھا میری مدد کو پہنچا اور میں شاہ فارس کے پاس رکا رہا“۔

(سلاطین)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

خدا اور اس کے نبیوں میں بعض اوقات حالت رویا میں مکاشفہ کی صورت میں بھی رابطہ قائم ہو جاتا تھا۔

”میں نے رات کو رویا دیکھا کہ ایک شخص سرخ گھوڑے پر سوار مندی کے درختوں کے درمیان نشیب میں کھڑا تھا اور اس کے پیچھے سرنگ اور کمیت اور نقرہ گھوڑے تھے تب میں نے کہا اے میرے آقا یہ کیا ہیں اس پر فرشتہ نے جو مجھ سے گفتگو کرتا تھا کہا کہ میں تجھے دکھاؤں گا کہ یہ کیا ہیں“

(حزقی ایل)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب خواب کی تعبیر بھی نبوت کا لازمہ سمجھی جاتی تھی جیسا کہ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کے سلسلہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون مصر کے نابنائی اور ساقی کے خوابوں کی ترجمانی کی تھی۔ اسی طرح دانی ایل نے شاہ بنوکدنضر کے خواب کی تعبیر بیان کر کے اسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔ جناب یعقوبؑ کا خواب مشہور ہے۔

”اور اس نے اس جگہ کے پتھروں میں سے ایک اٹھا کر اپنے سرہانے دھر لیا اور اسی جگہ سونے کو لیٹ گیا اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے اور اس کا سر آسمان تک پہنچا ہوا ہے اور خدا کے فرشتے اس پر سے چڑھتے اترتے ہیں اور خدا اس کے اوپر کھڑا کہہ رہا ہے کہ میں خداوند تیرے باپ ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا ہوں اور یہ زمین جس پہ تو لیٹا ہے تجھے اور تیری نسل کو دوں گا“۔

(کتاب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ان کی کتابوں میں ذکر ہے کہ بعض اوقات خداوند خدا کی روح انسانوں میں حلول کر جاتی اور وہ نبوت کرنے لگتے۔

''تب خداوند خدا ابر میں ہوکر اترا اور اس نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خطاب کیا اور اس روح میں سے جو اس میں تھی کچھ لے کر اسے ان ستر بزرگوں میں ڈالا چنانچہ جب روح ان میں آ گئی تو وہ بھی نبوت کرنے لگے''۔

(گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

انبیاء کو نشانیاں یا معجزات بھی عطا کئے جاتے تا کہ وہ منکرین کو قائل کر سکیں جناب موسیٰ، حضرت الیشع حضرت ایلیاہؑ اور حضرت یشوعؑ وغیرہ کے معجزات کا تفصیلی ذکر عہد نامہ قدیم میں ملتا ہے۔ اگرچہ بعل کے کاہن بھی نبوت یعنی خبر گیری کرتے تھے۔ ان میں سے بعض فال گیر تھے جو مستی و بے خودی میں کاہنوں کی طرح پیش گوئیاں کرتے تھے۔ اللہ کے نبی یرمیاہؑ نے ان کے بارے میں حقارت سے کہا کہ!

''بعض پاگل آدمی اپنے آپ کو اللہ کا نبی ظاہر کرتے ہیں''

(حزقی ایل)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

انبیاء میں سے بعض گوشہ نشین عابد تھے جیسے ایلیجا، بعض مجرد تھے اور کچھ شادی شدہ عیال دار تھے۔ ان میں سے کئی نبی عوامی اخلاق کے محافظ تھے اور محتسب کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کچھ خطیب تھے جو اپنی آتش بیانی سے عوام میں آگ لگا دیتے تھے اور کچھ سیاست دان تھے۔ جیسے ناتن اور یاہو۔ یہ انبیاء پیش گوئی کرنے کی بجائے حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے تھے۔ وہ امراء کے جبر و تشدد کے خلاف احتجاج کرتے اور مساکین کی حمایت میں سرگرمی دکھاتے تھے۔ بعض انبیاء مرد میدان تھے اور سپہ سالاری کے فرائض انجام

دیتے رہے تھے۔

قانون وشریعت

بنی اسرائیل کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جو احکام عشرہ تفویض فرمائے تھے۔ وہی قوم بنی اسرائیل کا شریعت و قانون تھا۔ اگرچہ انہوں نے اس پہ کم ہی عمل کیا۔ یہ احکام ان الواح پہ کندہ تھے جو سینا کے پہاڑ پر یہوواہ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔ مورخین نے بھی ان احکام کی تفصیلات کو محفوظ رکھا اور عہد نامہ قدیم میں بھی یہ احکام عشرہ محفوظ ہیں۔ تاہم اصول کے مطابق ہم نے یہ احکام عشرہ مورخین کی بجائے عہد قدیم سے تحریر کئے ہیں۔

۱۔ میرے حضور تو غیر معبود کو نہ ماننا۔

۲۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے تو اس کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں تیرا خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے

ہیں میں اُن پہ رحم کرتا ہوں۔

۳۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اس کو بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

۴۔ یاد کر کے تو سبت کے دن کو پاک ماننا چھ دن تک کو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا لیکن ساتواں دن تیرے خداوند خدا کا سبت ہے اس میں نہ تو کوئی کام کرے نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیری جورو نہ تیرا چوپایہ نہ کوئی مسافر جو تیرے ہاں پھاٹکوں کے اندر ہو کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اس لیے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔

۵۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دے دراز ہو۔

۶۔ تو خون نہ کرنا

۷۔ تو زنا نہ کرنا

۸۔ تو چوری نہ کرنا

۹۔ تو اپنے پڑوسیوں کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا

۱۰۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے غلام اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کی فقہ، قانون، جرم و سزا اور الٰہیات وغیرہ انہی احکام پر مبنی ہیں جو ان کے انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتارے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قانون شرعی ہے اور اس کی بنیاد قصاص پر رکھی ہے۔

"اگر نقصان ہو جائے تو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے

دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں اور جلانے کے بدلے جلانا ہے اور زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ ہے“

(گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

شرک، ارتداد، ماں باپ کی نافرمانی، چوری، اغوا، زنا، اِغلام، جانوروں سے جفتی، اولاد کو مولک دیوتا کی نظر کرنا اور محرمات کی بے حرمتی سنگین جرائم ہیں جن کی سزا موت ہے۔ جادوگرنی کو زندہ جلانے کا حکم ہے اور جس جانور سے جفتی کی جائے اسے بھی مارنے کا حکم ہے اور سزا دینے میں یہوواہ بڑا سخت گیر ہے۔

”اور وہ مجرموں کو ہرگز ہرگز بری نہ کرے گا بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں اور تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے“

(گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

شریعت موسوی میں کنبے اور ذاتی املاک کے تحفظ کا اہتمام کیا گیا ہے اور قاتل سے دیت لینا بھی ممنوع ہے۔

”اگر کوئی کسی کو مار ڈالے تو قاتل گواہوں کی شہادت پر قتل کیا جائے پر ایک گواہ کی شہادت سے کوئی نہ مارا جائے اور تم اس قاتل سے جو واجب القتل ہو دیت نہ لینا بلکہ وہ ضرور ہی مارا جائے“

(گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پھر شریعت موسوی میں ماں باپ کے احترام پر اصرار بلیغ کیا گیا ہے اور ان کے ہاں ماں باپ سے

سرکشی کی سزا موت ہے۔

"اگر کسی آدمی کا ضدی اور سرکش بیٹا ہو جو اپنے ماں باپ کی بات نہ مانتا ہو اور ان کی تنبیہ کرنے پر بھی ان کی نہ سنتا ہو تو اس کے ماں باپ اسے پکڑ کر اور نکال کر اس شہر کے بزرگوں کے پاس اس جگہ کے پھاٹک پر لے جائیں اور وہ اس شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے تب اس کے شہر کے سب لوگ اس کو سنگسار کریں حتیٰ کہ وہ مر جائے یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا"۔

(استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

زنائے محصنہ کی سزا موت ہے اور زنا بالجبر کی صورت میں صرف زانی کو مارنے کا حکم ہے لیکن کنواری لڑکی سے جس کی کسی سے نسبت نہ ہوئی ہو سے زنا کرنے کا حکم مختلف ہے۔

"اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اپنی زندگی بھر اسے طلاق نہ دینے پائے"

(استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ یہ عمر قید بعض حالات میں سنگساری سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوتی تھی۔قوم بنی اسرائیل میں رواج تھا کہ اگر وہ کسی چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے تو اس کو لوگ موقع پہ ہی تشدد کر کے ہلاک کر دیتے اور اس امر کو

خوش آئند قرار دیا جاتا اور نہ اسے کوئی جرم قرار دیا جاتا ۔ سبت کے حکم کی خلاف ورزی بھی بہت بڑا جرم تھا جس کی سزا موت تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سبت کے دن ایک شخص کو لکڑیاں چنتے پایا تو اسے پکڑ کر سنگسار کرادیا۔یہودی سبت کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ایک جنگ کے دوران رومی جرنیل پومپی کو کسی نے بتادیا کہ یہودی سبت کے دن ہتھیار نہیں اٹھاتے تو اس نے ثبت کے دن بنی اسرائیل پر حملہ کردیا۔بنی اسرائیل نے اگرچہ حملہ آوروں کو دیکھ لیا تھا مگر وہ خاموشی سے بیٹھے عبادت کرتے رہے اور رومی افواج ان کا قتل عام کرتے رہے۔انہوں نے بارہ ہزار یہودیوں کو قتل کردیا لیکن انہوں نے انگلی تک نہ اٹھائی۔جبکہ اس سے قبل وہ کئی بار رومی افواج کو شکست دے چکے تھے۔شریعت موسوی میں عورت سے صحبت کے بعد غسل جنابت کا حکم ہے۔حائضہ عورت سات روز تک ناپاک رہتی اور اگر کوئی مرد اسے چھو لیتا تو وہ شام تک ناپاک رہتا۔چنانچہ عورتوں کو حکم تھا کہ وہ حیض ونفاس کے ایام میں مقدس مقامات کا رخ نہ کریں۔بنی اسرائیل کی سماجی تعمیر کے لیے ان کو مفصل احکام شریعت عطا کئے گئے تھے اس لیے ان کے قانون میں خون حرام ہے کیونکہ یہ زندگی کی علامت ہے اور اسے کھانا گویا کسی ذی حیات کو کھانے جیسا ہے۔

”تو خون نہ کھانا کیونکہ خون ہی تو جان ہے سو تو گوشت کے ساتھ خون یعنی زندگی کو ہرگز نہ کھانا“

(استثنا)

ان کے ہاں مردار کھانا بھی حرام تھا اور چوپائیوں میں جن کے پاؤں چرے ہوئے ہوں اور وہ جگالی بھی کرتے ہوں ان کا کھانا حلال تھا۔ان کی شریعت میں اونٹ اور خرگوش کو کھانا بھی حرام تھا کیونکہ یہ جگالی تو کرتے ہیں مگر ان کے پاؤں چرے ہوئے نہیں۔سور ان کے لیے اس وجہ سے حرام تھا کہ اگرچہ اس کے پاؤں چرے ہوئے ہوتے ہیں مگر وہ جگالی نہیں کرتا۔آبی جانوروں میں جن کے پر اور چھلکے ہوں وہ حلال ہیں مگر پردار رینگنے والے جاندار حرام ہیں۔دوسرے بہت سے مذاہب کی طرح قربانی بھی قوم بنی

اسرائیل کی اہم عبادت تھی۔ان کے ہاں قربانی صرف مقدس میں دی جاسکتی ہے۔مذبح پر سوختنی قربانی دینے کا حکم ہے اور ذبیحہ میں انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی کو مذبح میں جلانے کا حکم ہے۔باقی گوشت پہ کاہنوں کا حق تسلیم کیا جاتا تھا۔قربانی کے جانور کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہر حوالے سے بے عیب ہو۔قوم بنی اسرائیل میں خطا کی قربانی، نذر کی قربانی اور جرم کی قربانی کا رواج بھی تھا۔اس کے علاوہ یہودیوں کے شعائر میں ختنہ بھی بہت اہمیت کا حامل تھا۔چنانچہ ان کی مقدس کتاب میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

''میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد کی نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے''

(باب استثنا)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا حضرت ابراہیمؑ نے ننانوے برس کی عمر میں خود اپنے ہی کلہاڑے سے اپنا ختنہ کیا اور اس کے بعد اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ کیا جن کی عمر تیرہ سال تھی۔اس طرح دونوں باپ بیٹے کا ختنہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہوا۔بنی اسرائیل غیر اقوام کو حقارت سے نامختون کہا کرتے اور ان کو اپنی بیٹیوں کا رشتے نہ دیتے۔ان کا داخلہ مقدس میں بھی ممنوع تھا تاہم جب بعد میں قوم بنی اسرائیل اخلاقی تنزلی کا شکار ہوئی اور اپنی کتاب میں تحریف کے عمل کو اپنایا تو انہوں نے سبت اور ختنہ جیسے اہم احکامات کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ان کے مذہب میں جب پال ولی نے تحریف کی تو رہی سہی کسر بھی نکل گئی اور ان کے ہاتھ سے دین کی بنیادی اساس کھوگئی۔پال ولی نے شریعت موسوی سے ختنہ اور سبت کو خارج کر دیا تا کہ غیر یہودی اقوام عیسائیت قبول کر سکیں۔بنی اسرائیل نے کم وبیش اسی سال اہل بابل کی اسیری میں گذارے جس نے ان کے مذہب پہ گہرے منفی اور مثبت اثرات ڈالے۔چنانچہ مغربی محققین کا خیال ہے کہ یہودیوں کی الٰہیات میں ثنویت کا تصور مجوسی روایات سے ماخوذ ہے۔اس لیے کہ اہل بابل کی اسیری سے پہلے وہ شیطان کے وجود کے قائل نہیں تھے۔وہ خیر وشر دونوں کو یہواوہ سے منسوب کرتے تھے۔مگر مجوسیوں میں چونکہ خیر اور شر کا نمائندہ الگ الگ ہے اور ان کے ہاں اہورامزدا خیر اور اہرمن شر کا

نمائندہ ہے اس لیے بعد میں یہودیوں نے بھی اہرمن کو شیطان کا نام دے دیا جس کا معنیٰ باغی اور سرکش کا ہے۔مزید بیان کیا گیا کہ وقت کے حقیقی ہونے کا تصور اور خط مستقیم پہ حرکت کا نظریہ بھی مجوسی الاصل ہے جسے اسیری کے بعد یہودیوں نے بھی اپنا لیا۔ایام اسیری سے پہلے یہودی اسی دنیا میں نیکی کا اجر پانے اور برائی کی پاداش بھگتنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور جنت ودوزخ کا تصور بھی انہوں نے مجوسی اساطیر سے مستعار لیا مگر یہاں شاید مغربی محققین سے چوک ہوگئی اور ان کا یہ نظریہ اس لیے قابل قبول نہیں کہ بنی اسرائیل کی کتب میں بے شمار جگہ پہ قیامت اور حشر نشر کا ذکر موجود ہے مثال کے طور پہ چند مقامات درج کرتا ہوں جو قیامت کے بارے میں ہیں۔

”آسمان طومار کی طرح لپیٹے جائیں گے اور ان کی تمام افواج تاک اور انجیر کے مرجھائے ہوئے پتوں کی مانند گر جائیں گی“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”آسمان دھوئیں کی طرح غائب ہو جائے گا اور زمین پڑے کپڑے کی طرح پرانی ہو جائے گی اور اس کے باشندے مچھروں کی طرح مر جائیں گے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”اس سے بیشتر کہ خداوند خدا کا خوفناک روزِ عظیم آئے آفتاب سب تاریک اور مہتاب خون ہو جائے گا تب جو کوئی خداوند خدا کا نام لے گا نجات پائے گا“۔

(عہد نامہ قدیم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ادب اور معاشرت

قوم بنی اسرائیل نے ملک کنعان کو فتح کیا اور کنعانی حروف ابجد کے موجد تھے۔ چنانچہ ان کے ترتیب دیئے ہوئے یہ حروف سمیریا کی پیکانی علامت کے ساتھ بابل میں رواج پا گئے۔ پھر اہل بابل کے تاجروں کی وساطت سے یہ حروف مشرق و مغرب کے اکثر متمدن ممالک میں شائع ہو گئے اور ان کی روز مرہ کا حصہ بن گئے۔ قوم بنی اسرائیل نے بھی اول بابلیوں ہی سے پڑھنا لکھنا سیکھا تھا جس کے بعد دوسری سامی زبانوں کی طرح عبرانی بھی کنعانی حروف ابجد میں لکھی جانے لگی۔ گذرتے وقت کے ساتھ عبرانی میں کلدانی، آرامی، سریانی اور حبشہ کی زبانوں کی تراکیب بھی رواج پا گئیں۔ مغربی محققین کے خیال میں توراۃ ۱۵۰۰ ق م میں لکھی گئی تھی۔ عہد نامہ قدیم پہلے کے پانچ صحیفوں کو یہودی توراۃ یا قانون کہا کرتے تھے جس میں یہ پانچ صحیفے شامل تھے، پیدائش خروج، احبار، گنتی اور استثناء۔ عہد نامہ قدیم کے بعد کے ادوار میں قوم بنی اسرائیل نے اپنے دین میں بے پناہ تبدیلیاں کیں اور آسمانی کتابوں میں تحریف کی روایت ڈالی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ عہد نامے میں اکتالیس کتابیں ہیں اگرچہ ان کے علاوہ

بھی ان کے ہاں کئی صحیفے پائے جاتے ہیں تاہم ان کو کلیسا کی تائید حاصل نہیں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پہ نازل ہوئی تھی یہودیوں کے عقائد کے مطابق تو یہ ان کی الہامی کتابیں ہیں تاہم نہ جانے کیوں مغربی محققین ان کو اسیر بابل کی یادگار قرار دیتے ہیں۔

کتاب یعقوبؑ میں جس درجے کی قنوطیت پائی جاتی ہے جس سے اس خیال کو تقویت حاصل ہوئی کہ یہ بھی قید بابل کی یادگار ہے جس کی نسبت اس دور کے ساتھ ہے جب قوم بنی اسرائیل میں اپنی زبوں حالی اور بدبختی کا تلخ احساس پوری شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ ان کے مطابق اِمثال، واعظ اور غزل الغزلات معاصر یونانی اقوام کنعانیوں اور مصریوں سے ماخوذ ہیں۔ تورات کا ایک نسخہ ہمیشہ ہیکل میں سخت پہرے کے اندر محفوظ رکھا جاتا اور ہر سات سال بعد اسے کھولا جاتا لوگوں کو پڑھ کر سنایا جاتا تاہم بعد کے ادوار میں جب قوم بنی اسرائیل پہ زوال آیا اور وہ مختلف اقوام کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے لگی تو توراۃ کے اوراقِ پریشاں بھی منتشر ہوتے رہے۔ پھر ان کی سلطنت کو ایسا زوال آیا کہ اتنا برا وقت اس قوم نے اس سے قبل نہ دیکھا تھا۔ بخت نصر نے ان کی بساط الٹ کے رکھ دی تھی اور تمام یہودی بابلیوں کے قیدی بن کے رہ گئے تھے۔ ان کی ایک پوری نسل اسی قید کے دوران گذر گئی۔

اسی سالہ دورِ اسیری کے خاتمے پہ یہودی احبار نے بڑی کاوش سے اِدھر اُدھر سے توراۃ کے اوراق کے اکٹھے کئے اور اسے از سر نو مرتب کیا۔ اسی بنا پہ اس خیال نے عمومی طور پہ تقویت پائی کہ تورات میں بہت کچھ تحریف ہوگئی تھی اور اس کے بہت سے حصے اب محض الحاقی تھے۔ تاہم بہت سے مورخین اور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ تورات تحریف سے پاک رہی۔ خود مسلمان علماء میں سے بھی بعض کا یہی خیال ہے جن میں امام ابو عبداللہ بن محمد بخاریؒ اور سر سیّد احمد خاں شامل ہیں۔ تاہم قوم بنی اسرائیل کا اصل ورثہ عہد نامہ قدیم ہی تصور کیا جاتا ہے اور درست تصور کیا جاتا ہے اس لیے کہ عہد نامہ قدیم ادب و حکمت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کرنے والوں نے بھی قلم توڑ کے رکھ دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس طالب علم نے عہد نامہ قدیم اور محمد حسین آزاد کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا وہ اردو زبان کی لطافتوں سے کبھی بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ عہد نامہ قدیم کی ضمنیات، علم انسان لوک ورثہ، تقابل مذہب، پند و موعظت اور دانش و خرد کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں اور اس کے جملے اہل مغرب کے ہاں ضرب الامثال بن کر ان کی زبانوں

میں رواج پا گئے۔ عہد نامہ قدیم سے علم و معرفت کے چند موتی بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

”انہوں نے ہوا بوئی مگر وہ گرد باد کاٹیں گے“

”ہمسایہ جو نزدیک ہو اس بھائی سے بہتر ہے جو دور ہو“

”انسان کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ وہ کھائے پئے اور مزے کرے“

”جو اپنی چھڑی کو بچائے رکھتا ہے وہ اپنے بیٹے سے کینہ رکھتا ہے“

”جو خدا کے خوف کے ساتھ حکومت کرتا ہے وہ صبح کی روشنی کی مانند ہوگا

جب سورج نکلتا ہے ایسی صبح جس میں بادل نہ ہوں

جب نرم نرم گھاس زمین سے

بارش کے بعد چمک دمک کے نکلی ہو“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”تجھے اس مسلے ہوئے سرکنڈے کے عصا یعنی مصر پہ بھروسہ ہے

میں نے ان کو کوٹ کوٹ کر زمین کی گرد کی مانند کر دیا ہے

میں نے ان کو گلی کوچوں کی کیچڑ کی طرح روند روند کر چاروں طرف پھیر دیا ہے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

” تو پوری عمر میں اپنی قبر میں جائے گا

جیسے اناج کے پولے اپنے وقت پہ جمع کئے جاتے ہیں

جیسے بادل چھٹ کر غائب ہو جاتا ہے

ویسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا“۔

”میں مردے کی مانند دل سے بھلا دیا گیا ہوں

میں ٹوٹے ہوئے برتن کی مانند ہوں
جس میں کبھی پانی نہیں رکتا''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''انسان کی عمر تو گھاس کی مانند ہے
وہ جنگلی پھولوں کی طرح کھلتا ہے
کہ ہوا اس پہ چلی اور وہ نہیں
اور اس کی جگہ اسے پھر نہ دیکھے گی''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

''بیگانہ عورت کے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے اور اس کا منہ تیل سے زیادہ چکنا ہے،
پر اس کا انجام ناگدونے کی مانند تلخ اور دودھاری تلوار کی مانند تیز ہے''
''دانا ملامت کرنے والے کی بات سننے والے کے کان میں
سونے کی بالی اور کندن کا زیور ہے''
(عہد نامہ قدیم سے)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

غزل الغزلات شاعری کا ایک نادر نمونہ ہے۔ مورخین کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ یہ جناب حضرت سلیمان علیہ السلام پہ نازل ہوئیں۔ یہ نظم ایک پہاڑی دوشیزہ کے متعلق ہے جو پہاڑ کے دامن میں اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک چرواہے پر دل و جان سے فدا تھی۔ مگر ایک دن بادشاہ نے اسے دیکھ لیا اور اس کے حسن سے گھائل ہو گیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے محل میں لے گیا۔ بادشاہ نے اسے آرام و آسائش کے سارے سامان مہیا کئے مگر وہ اس چرواہی کا دل نہ جیت سکا۔ وہ ہر وقت اپنے محبوب کی یاد میں محو رہتی۔ اس کا سارا وقت تخیل کے ان جہانوں میں گذرتا جہاں وہ اپنے محبوب کی باہوں میں قید

ہو۔غزل الغزلات میں جس والہانہ شیفتگی اور جوش وجذبے کا بے ساختہ اظہار کیا گیا ہے۔دنیائے ادب میں اس کا جواب سیفو کی نظمیں اور خواجہ غلام فرید کی کافیاں بھی مشکل ہی سے پیش کرتی ہیں۔اس نظم کے چند جستہ جستہ اکتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

''میرا محبوب میرے لیے دستہ مُر ہے۔
جو رات بھر میری چھاتیوں کے درمیان پڑا رہتا ہے۔
دیکھ تو خوبرو ہے!اے میری پیاری دیکھ تو خوبصورت ہے۔
تیری آنکھوں میں دو کبوتر ہیں۔
میں شارون کی نرگس،
اور وادیوں کی سوسن ہوں۔
ایسی ہی میری محبوبہ کنواریوں میں ہے،
جیسے سیب کا درخت بن کے درختوں میں۔
ایسا ہی میرا محبوب نوجوانوں میں ہے۔
کشمش سے مجھے قرار دو،سیبوں سے مجھے تازہ دم کرو،
کیونکہ میں عشق کی بیمار ہوں۔
اس کا بایاں ہاتھ میرے سر کے نیچے ہے،
اور اس کا داہنا ہاتھ مجھے گلے سے لگاتا ہے۔
تیری کنپٹیاں تیرے نقاب کے نیچے
انار کے دو ٹکروں کی مانند ہیں۔
تیری گردن داؤد کا برج ہے جو سلاح خانے کے لیے بنا،
تیری دونوں چھاتیاں دو توام آہو بچے ہیں،
جو سوسنوں میں چرتے ہیں۔
اے میری پیاری۔۔۔میری زوجہ تیرا عشق کیا خوب ہے،

تیری محبت مے سے زیادہ لذیذ ہے۔
اور تیرے عطروں کی مہک ہر طرح کی خوشبو سے بڑھ کے ہے،
اے میری زوجہ! تیرے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے۔
تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے۔
جس کے گردا گرد سوسن ہوں۔
تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔
اور تیری قامت کھجور کے مانند ہے ۔
اور تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں۔
نگینے کی مانند مجھے اپنے دل میں لگا کر رکھ اور تعویز کی طرح اپنے بازو پہ
کیونکہ عشق موت کی مانند زبردست ہے [53*]''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بنی اسرائیل اسیری بابل میں وطن عزیز کو یاد کر کے خون کے آنسو روتے تھے۔ اس حسرت ناک کیفیت کا اظہار ایک نظم میں اس طرح کیا گیا ہے جس سے ان کی وطن سے محبت اور اپنے دین سے لگن کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے ہر دور میں زبان کے معیار کو برقرار رکھا شاید اسی لیے ان کے کلام میں گداز اور محبت بھرے جذبوں کی فراوانی ہے مثال کے طور پہ یہ نظم ملاحظہ فرمائیں۔

''ہم بابل کی ندیوں پر بیٹھے
اور صیون کو یاد کر کے روئے
وہاں بید کے درختوں پر ان کے وسط میں
ہم نے اپنے ستاروں کو ٹانک دیا
کیوں کہ ہم کو اسیر کرنے والوں نے گیت گانے کا حکم دیا

اور تباہ کرنے والوں نے خوشی کا

اور کہا صیون کے گیتوں میں سے ہم کو کوئی گیت سناؤ

ہم پردیس میں

خداوند کا گیت کیسے گائیں

اے یروشلم! اگر میں تجھے بھولوں

تو میرا داہنا ہاتھ اپنا ہنر بھول جائے

اگر میں تجھے یاد نہ رکھوں

اگر میں یروشلم کو

اپنی سب سے بڑی خوشی پہ ترجیح نہ دوں

تو میری زبان میرے تالو سے چپک جائے

(زبور)[*54]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایك اکتباس نوحہ ایوب علیہ السلام سے

''لیکن حکمت کہاں سے ملے گی

اور خرد کی جگہ کہاں ہے

نہ وہ سونے کے بدلے مل سکتی ہے

نہ چاندی اس کی قیمت میں ملے گی

اور نہ قیمتی سلیمانی پتھر نہ نیلم

بلکہ حکمت کی قیمت مرجان سے بھی بڑھ کے ہے

اور نہ کوش کا پکھراج اس کے برابر ٹھہرے گا

نہ چوکھا سونا اس کا مول ہوگا۔

(نوحہ ایوب)[*55]۔

سابقہ صحائف سے چند پر حکمت شہ پارے

''انسان کی حکمت اس کے چہرے کو روشن کرتی ہے اور اس کے چہرے کی سختی اس سے بدل جاتی ہے''۔

''حد سے زیادہ نیکو کار نہ بن اور حکمت میں اعتدال سے باہر نہ جا''۔

''صاحب علم کم گو ہے اور صاحب فہم ومتین ہے اور احمق بھی جب خاموش ہو عقلمند گنا جاتا ہے۔

''کنگال سے اس کا ہمسایہ بھی بیزار ہے پر مالدار کو دوست بہت''۔

''اگرچہ تو احمق کو اناج کے ساتھ اُکھلی میں ڈال کر موسل سے کوٹے تو بھی اس کی حماقت اس سے جدا نہ ہو گی''۔

''زردوست روپیہ سے آسودہ نہ ہوگا اور دولت کا چاہنے والا اس کے بڑھنے سے سیر نہ ہوگا''۔

''حکمت سے کہہ تو میری بہن ہے اور فہم کو اپنا رشتہ دار قرار دے''۔

''جوانی کے فرزند ایسے ہیں جیسے زبردست کے ہاتھ میں تیر'' [56*]۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

پھر محنت کش طبقے کے محتاجوں اور یتیموں سے ہمدردی اور دلسوزی کا اظہار ایسے موثر پیرائے میں کیا گیا ہے کہ کوئی اشتراکی بھی کیا کرے گا۔

''زمین کے غریب اکٹھے چھپتے ہیں
دیکھو! وہ بیاباں کے خوگروں کی طرح اپنے کام کو جاتے
اور مشقت اٹھا کر خوراک ڈھونڈتے ہیں
بیاباں ان کے بچوں کے لیے خوراک بہم پہنچاتا ہے
وہ کھیت میں اپنا چارہ کاٹتے ہیں
اور شریروں کے انگور کی خوشہ چینی کرتے ہیں

ساری رات بے کپڑے ننگے پڑے رہتے ہیں
اور جاڑوں میں ان کے پاس کوئی اوڑھنا نہیں ہوتا
اور وہ پہاڑوں کی بارش سے بھیگتے رہتے ہیں
اور کسی آڑ کے نہ ہونے سے چٹان سے لپٹ جاتے ہیں
ایسے لوگ بھی ہیں جو یتیم کو چھاتی سے ہٹا لیتے ہیں
اور غریبوں سے گرو لیتے ہیں
سو وہ بے کپڑے ننگے پھرتے
اور بھوک کے مارے پولیاں ڈھونڈتے ہیں
وہ ان لوگوں کے احاطوں میں تیل نکالتے ہیں
وہ ان کے کنڈوں میں انگور روندتے اور پیلتے رہتے ہیں[*57]۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

(۲)

عمر رسیدہ ہوتے بلکہ قوت میں زبردست ہوتے ہیں
ان کی اولاد ان کے ساتھ ان کے دیکھتے دیکھتے
اور ان کی نسل ان کی آنکھوں کے سامنے قائم ہو جاتی ہے
ان کے گھر ڈر سے محفوظ ہیں اور خدا کی چھڑی ان پر نہیں ہے
ان کی گائے بیاتی ہے اور اپنا بچہ نہیں گراتی
وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ریوڑ کی طرح باہر بھیجتے ہیں
اور ان کی اولاد ناچتی ہے
وہ خنجری اور ستار کی تال پر گاتے
اور بانسلی کی آواز سے خوش ہوتے ہیں
وہ خوشحالی میں اپنے دن کاٹتے ہیں
اور دم کے دم میں پاتال میں اتر جاتے ہیں

حالانکہ انہوں نے خدا سے کہا تھا کہ ہمارے پاس سے چلا جا
کیوں کہ ہم تیری راہوں کی معرفت کے خواہاں نہیں
قادر مطلق ہے کیا کہ ہم اس کی عبادت کریں
اور اگر ہم اس سے دعا کریں تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا
(واعظ)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

راست اور کامل آدمی ہنسی کا نشانہ ہوتا ہی ہے
ڈاکوؤں کے ڈیرے سلامت رہتے ہیں
اور جو خدا کو غصہ دلاتے ہیں وہ محفوظ رہتے ہیں
ان ہی کے ہاتھ کو خدا خوب بھرتا ہے
(احبار)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تب میں نے پھر کر اس تمام ظلم پہ جو دنیا میں ہوتا ہے نظر کی
اور مظلوموں کے آنسوؤں کو دیکھا اور ان کو تسلی دینے والا کوئی نہ تھا
اور ان پر ظلم کرنے والے زبردست تھے پر ان کو تسلی دینے والا کوئی نہ تھا
(استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

تحقیقی علوم میں بھی قوم بنی اسرائیل نے قابل قدر اضافہ کیا۔ یہودی اِطبا کے خیال میں مرض کا اصل سبب گناہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گنہگار کبھی صحت مند نہیں رہ سکتا اس لیے وہ گناہ اور مرض کے درمیان گہرے رشتے کے قائل تھے۔ ایک مشہور یہودی طبیب یوناتن جوان کاربی بھی تھا اس کا قول ہے:

''مرض کاظہور حسب ذیل سات اسباب میں سے سب یا چند یا کسی ایک کا نتیجہ ہوتا ہے''

۱۔گالی یا غیبت

۲۔خونریزی

۳۔جھوٹی قسم

۴۔بے عصمتی یا شر پسندی

۵۔غرور

۶۔چوری

۷۔حسد

ضروری ہے کہ جب کوئی شخص بیمار پڑے ان اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور موجود رہا ہوگا۔بنی اسرائیل کی مملکت مذہبی تھی جس میں کاہن خدا کی طرف سے حکومت کرتے تھے۔ان کے قوانین شرعی تھے اور صدقہ عشر اور زکواۃ مذہبی محصول تھے۔ان سے قبل اہل کنعان اپنے محصولات اپنے کاہنوں کی معاش کے لیے دیا کرتے تھے۔لوگوں کے عام اخلاق اور طرز عمل کے متعلق بھی شریعت موسوی میں نہایت تفصیل سے احکامات ملتے ہیں جن سے انحراف گناہ تھا۔اس کے علاوہ روزمرہ کے پیش پا افتادہ امور کے متعلق بھی واضح ہدایات موجود تھیں۔

مثال کے طور پہ چند سطور درج ذیل ہیں۔

''تو بیل اور گدھے کو ایک ساتھ جوت کر ہل نہ چلانا''

''تو اپنے اوڑھنے کی چادر کے کناروں پر جھالر لگایا کرنا''

''جب تو اپنا گھر بنائے تو اپنی چھت پہ منڈیر ضرور لگانا''

''تو اپنے تاکستان میں دو قسم کے بیج نہ بونا''

''زمین ہمیشہ کے لیے نہ بیچی جائے کیوں زمین میری ہے اور تم میرے مسافر اور مہمان ہو''

''میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو اپنے ملک میں اپنے بھائیوں یعنی کنگالوں اور محتاجوں کے لیے اپنی مٹھی کھلی رکھنا''

”مزدور کی مزدوری تیرے پاس رات بھر نہ رہے“
”تو بہرے کو نہ کوسنا اور نہ اندھے کے راہ میں کوئی چیز رکھنا“
”تو فیصلہ میں ناراستی نہ کرنا نہ تو غریب کی رعایت کرنا اور نہ بڑے آدمی کا لحاظ“
”تو اپنا ترازو ٹھیک رکھنا اور اپنے باٹ بھی“
”جب تو اپنی زمین کی پیداوار یعنی فصل کاٹو تو اپنے کھیت کے کونے کونے تک پورا نہ کاٹنا اور کٹائی کی گری پڑی بالوں کو نہ چننا اور تو اپنے انگورستان کا دانہ دانہ نہ توڑ لینا اور نہ اپنے انگورستان کے گرے ہوئے دانوں کو جمع کرنا ان کو غریبوں اور مسافروں کے لیے چھوڑ دینا“
”اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگدست ہو تو اسے سنبھالنا وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے“
(احبار)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یہودیوں کا معاشرہ اگرچہ اخوت اور مساوات پر مبنی تھا مگر ان میں طبقاتی تفریق بہرحال موجود تھی۔ یہ مساوات اصل میں قبیلائی تھی۔ غیر یہود اقوام سے سلوک اور طرز عمل کے احکام مختلف ہیں۔ مثلاً یہودیوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے بھائیوں سے سود نہ لیں لیکن غیر یہود سے سود نہ لینا جائز ہے۔

”تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے اپنے بھائی کو سود پہ قرض نہ دینا“
”ہر سال کے بعد تو چھٹکارا دیا کرنا اور چھٹکارا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے پڑوسی کو قرض دیا ہو تو وہ اسے چھوڑ دے اور اپنے پڑوسی یا بھائی سے مطالبہ نہ کرے“
(استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسی طرح غلام لونڈی بنانے کے متعلق بھی یہودی غیر یہودیوں سے امتیازی سلوک روا رکھتے۔ اس کی ایک

وجہ یہ بھی ہے کہ یہودی احساس برتری میں مبتلا تھے اور اپنے آپ کو خداوند یہوواہ کی برگزیدہ امت سمجھتے تھے۔شریعت موسوی میں ذاتی املاک کا تحفظ کیا گیا ہے۔آٹھویں حکم میں اس کی صاف وضاحت کردی گئی ۔یہودیوں کی مذہبی مملکت میں قدرتاً کاہنوں احبار اور ربائیوں میں غائیت درجے کا احترام کرتے تھے۔ ہیکل کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کا کام جناب موسیٰؑ کے زمانے سے بنی لاوی قبیلے کے افراد کے سپرد تھا۔وہی قربانیاں کرتے اور قربانی کا گوشت لیتے تھے۔تابوت سکینہ اور مقدس بھی انھی کی تحویل میں تھا۔احبار اور ربائی تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔مدرسوں میں حروف شناسی کے بعد تورات کا درس شروع کرادیا تھا۔یہودی معاشرے میں ماں باپ اور بزرگوں کی حرمت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا۔والدین کو اپنے بیٹے بیٹیوں پر مکمل دسترس حاصل تھی وہ سرکش اولاد کو غلام لونڈی بنا کر بیچ ڈالنے یا بعض اوقات جان سے ماردینے کے بھی مجاز تھے۔نوجوانوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ بڑے بوڑھوں کا احترام کریں۔

''جن کے سر کے بال سفید ہیں ان کے سامنے جھک کر کھڑے ہونا اور بڑے بوڑھوں کا ادب کرنا''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

سب سے بڑا بیٹا یہودی کنبے کا سربراہ ہوتا جیسا کہ اکثر صحرانورد قوموں کا دستور رہا ہے۔اسے پلوٹھے کا حق کی بھی کہا جاتا۔عورت کو ثانوی حیثیت دی جاتی تھی۔جیسا کہ اکثر پدری معاشروں میں دیکھنے میں آیا ہے اور اسے جزو املاک خیال کرتے تھے۔شریعت موسوی کے دسویں حکم میں عورت کو بیل اور گدھے کے ساتھ املاک میں شمار کیا گیا۔ان کے ہاں کثرت ازواج کا رواج تھا۔بیویوں کے علاوہ مفتوح اقوام کی عورتوں کو گھروں میں لونڈیا بنا کر رکھ لیتے تھے۔لونڈیوں اور غلاموں کی خرید وفروخت ان کے ہاں عام معاملہ تھا جو غیر اقوام کے ہوتے تھے۔کیونکہ ایک یہودی اپنے ہی ہم قوموں کو لونڈی غلام نہیں بناتے تھے۔یہودیوں کے ہاں اپنی تاریخ کے زمانوں سے شادی بیاہ کے مختلف طریقے رائج تھے۔بعض اوقات وہ دوسرے قبائل کی جوان لڑکیاں جبراً اٹھالاتے تھے اور انہیں بیویاں بنالیتے تھے۔جناب موسیٰؑ نے اپنے ماموں لابن کی سات سال خدمت کی کہ وہ اس کی بیٹی راخل سے بیاہ کرسکیں۔سات سال کے بعد لابن

نے دھوکے سے انہیں بڑی بیٹی لیاہ سے بیاہ دیا جس کی آنکھوں میں نقص تھا۔ مگر راخل حسین تھی۔ چنانچہ جناب موسیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے لابن کی مزید سات سال خدمت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دو سگی بہنوں کا ایک آدمی سے نکاح جائز تھا۔ قدیم زمانوں میں اپنی سوتیلی بہن سے بھی نکاح جائز تھا۔ جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے احوال سے معلوم ہوتا ہے،

> ”ابراہم نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ خدا کا خوف تو اس جگہ ہرگز نہ ہوگا اور وہ مجھے میری بیوی کے سبب سے مار ڈالیں گے فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں پھر وہ میری بیوی ہوئی“
> (کتاب پیدائش)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بنی اسرائیل میں بیوی کو حق مہر دیا جاتا تھا اور مہر مقرر کر کے نکاح کرتے تھے۔ شادی کے موقع پر دلہن کے سر پر گندم کی مٹھیاں بھر بھر کر ڈالتے تھے اس رسم کے پس منظر میں یہ خیال تھا کہ اس طرح لڑکی کے ہاں بہت سے بچے جنم لیں گے۔ ان کے بوڑھے مرد بھی نوخیز لڑکیوں سے شادی کرتے تھے اور اس امر کو برائی تصور نہ کیا جاتا۔ قدیم چینیوں کی طرح یہودی اعادہ شباب کے لیے کمسن لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سوانح سے ظاہر ہوتا ہے۔

> ”اور داؤد بڈھا اور کہن سال ہوا اور وہ اسے کپڑے اڑھاتے پر وہ گرم نہ ہوتا تھا سو اس کے خادموں نے اس سے کہا کہ اے ہمارے مالک بادشاہ کے لیے ایک جوان کنواری ڈھونڈی جائے جو بادشاہ کے حضور کھڑی رہے اور اس کی خبر گیری کیا کرے اور اس کے پہلو میں لیٹی رہے تاکہ ہمارے بادشاہ کو گرمی پہنچے چنانچہ انہوں نے اسرائیل کی ساری مملکت میں ایک خوبصورت لڑکی تلاش کرتے کرتے شونمیت ابی شاگ کو پایا اور اسے بادشاہ کے پاس لائے“
> (سلاطین)

بنی اسرائیل کے ہاں اگر کسی لڑکی کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کا نکاح دیور سے کر دیا جاتا تھا۔اس سے جو اولاد ہوتی وہ مرحوم شوہر کی اولاد تصور کی جاتی۔متعہ کا رواج بھی تھا اور حق خلوت دے کر مباشرت کرنا جائز تھا۔اسرائیلی امثال میں بھی عورت کا ذکر حقارت سے کیا جاتا تھا جو ان کے معاشرے میں عورت کے کم تر رتبے کو ظاہر کرتی ہے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

”میں نے ہزار میں ایک مرد پایا لیکن ان سبھوں میں عورت ایک بھی نہ ملی“
”بیاباں میں رہنا جھگڑالو اور چڑچڑی بیوی کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے“
” بدتمیز عورت میں خوبصورتی گویا سور کی ناک میں سونے کی نتھ ہو“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسرائیلی معاشرے میں عصمت فروشی لواطت اور فحاشی کو خلاف قانون قرار دیا گیا تھا۔کنعان کے مندروں میں قدیم زمانوں سے دیوداسیاں عصمت فروشی کا دھندا کرتی تھیں اور سدوم کے معبدوں میں امرد رکھے جاتے تھے۔بنی اسرائیل کے قانون میں زانیہ اور زانی دونوں کو سنگسار کیا جاتا تھا اور لوطیوں کو جان سے مار دیا جاتا تھا۔اس طرح بنی اسرائیل نے اپنے معاشروں سے ہر قسم کی فحاشی اور جنسی بے راہروی کا انسداد کیا۔یہودیوں کے ہاں عورت کی بکارت کو بہت اہمیت حاصل تھی شب زفاف کی صبح کو دلہن کی ماں قبیلے کی عورتوں کو اپنی بیٹی کی بکارت کے ثبوت میں بستر کی چادر دکھایا کرتی تھی۔ہزاروں سال قدیم یہ رسم اپنا سفر طے کرتی ہوئی پنجاب اور سندھ کے بعض علاقوں میں ابھی تک پائی جاتی ہے اگرچہ بنی اسرائیل کے ہاں اب اس طرح کی پاکیزگی کا نشان ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ان کی آسمانی کتابوں میں بھی اس طرح کے بعض شواہد ملتے ہیں مثلاً!

”اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارپنے کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ

اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی اور اپنے باپ کے گھر فاحشہ پن کیا یوں تو اس کی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا''

(اِستثنا)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم بنی اسرائیل میں طلاق کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تاہم حالات اس کا ناگزیر ہونا ثابت کردیں تو مطلقہ کو نان نفقہ فراہم کیا جاتا تھا اور اسے نکاح ثانی کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔ شریعت موسوی میں جادو اور کہانت کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اگرچہ اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے اور جنوں کے اثرات کے قائل تھے۔ بنی اسرائیل کے ہاں قسم کھانے یا سوگند لینے کا طریقہ یہ تھا کہ جس سے قسم لینی ہوتی وہ دوسرے شخص کے خصیین پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا۔ جیسے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خادم سے قسم لی تھی۔

''اور ابرہام نے اپنے گھر کو سالخوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا کہ تو اپنا ہاتھ ذرا میری ران کے نیچے رکھ کہ میں تجھ سے خداوند کی جو زمین و آسمان کا خدا ہے قسم لوں کہ تو کنعان کی بیٹیوں سے جن میں میں رہتا ہوں کسی کو میرے بیٹے سے نہیں بیاہے گا''

(گنتی)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قوم میں کسی دوسرے شخص سے معافی مانگنے کا طریقہ یہ تھا کہ جو بھی معافی کا طالب ہوتا وہ اپنی کمر پر ٹاٹ باندھ کر اور سر پہ رسی لپیٹ کر دوسرے شخص کے پاس جایا کرتا اور اس کو اس ہیت میں دیکھ کر معاف کر دیا جاتا۔ قوم بنی اسرائیل کے تہوار مذہبی نوعیت کے تھے ان میں عید فطر اور عید فسح خاص اہتمام سے منائیں جاتیں۔

”خدا کی عیدیں جن کا اعلان تم کو مقدس مجمعوں کے لیے مقررہ وقت پر کرنا ہوگا سو یہ ہیں پہلے مہینے کے چودہ تاریخ کی شام کو خداوند فسح ہوا کرے اور اسی مہینے کی پندرویں تاریخ کو خداوند کے لیے عید فطیر ہو اس میں تمام سات دن تک بے خمیری روٹی کھانا پہلے دن تمہارا مقدس مجمع ہو اس میں تم کوئی خادمانہ کام نہ کرنا اور ساتویں دن تم خداوند خدا کے حضور آتشیں قربانی گذارنا اور ساتویں دن پھر مقدس میں مجمع ہو“

(استثناء)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

فسح اور فطیر کی عیدیں خروج سے یادگار ہیں۔ جب بنی اسرائیل نے مصر چھوڑا تھا مصر میں جب خداوند خدا کا فرشتہ مصریوں کو تباہ کرنے آیا تھا تو بنی اسرائیل نے اپنے دروازوں پہ لہو کا نشان لگا رکھا تھا جسے دیکھ کر وہ آگے بڑھ گیا۔آج بھی یہودی اس تقریب پر اپنے دروازوں کی دہلیز پر ذبیحہ کا لہو چھڑکتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تمدنی میراث زیادہ تر مذہبی نوعیت کی ہے۔ان سے پہلے عراق میں بعل و مردوخ اور مصر میں آتن کے روپ میں معبود واحد کا تصور ابھر چکا تھا۔لیکن جیسا کہ محمد عبدہ مصری نے لکھا کہ مروجہ مفہوم میں توحید کا تصور عبرانی الاصل ہے۔ایک مغربی مفکر (Aled Hakselly) نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل ہی توحید کے موجد ہیں اس کے مطابق حضرت عیسیٰ ابن مریم یہودی تھے اور بقول خود بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ راست پہ لانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے اسلام کی الٰہیات، فقہ، شریعت اور قانون پر گہرے اثرات مرتب کئے اسرائیلیوں کی سب سے قابل قدر دین یہ ہے کہ انہوں نے معاصر معاشروں کی جنسی بے راہروی کا راستہ روکا اور اسے اپنی قوم میں پھیلنے کا موقع نہ دیا۔انہوں نے اپنے معاشروں میں عصمت اور عفت کے تصور پر زور دیا اور اس ذریعے سے فحاشی اور جنسی بے راہروی کا انسداد کیا۔ان کی میراث کا منفی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے خالص تعصب اور مذہبی جنون کو ہوا دی اور لوگ مذہب کے نام پر بے دریغ ایک دوسرے کا خون بہاتے۔ گویا انھیں بے رحمانہ قتل و غارت گری کا مذہبی جواز مل گیا تھا۔سائنس کی بے پناہ ترقی اور روشن خیالی کی اشاعت کے باوجود آج بھی اس صلیبی روایت نے مختلف مذاہب کے پیروؤں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی آگ

بھڑکا رکھی ہے جس سے تاریخ کے ہر دور میں انسان دوستی کا نصب العین مجروح ہوتا رہا ہے۔

بنو اسماعیل حجاز میں

حجاز میں مقیم بنو اسماعیل کو عربِ مستعربہ کہا جاتا ہے۔۔عرب مستعربہ ان قبائل کو کہا جاتا ہے جو حضرت اسماعیل ؑ کی نسل سے حجاز میں مقیم ہوئے۔انھوں نے مکہ مکرمہ کو اپنا مرکز قرار دیا اور جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے ۔اگرچہ مورخین نے حضرت ابراہیم ؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق ؑ اور ان کی بیوی قطورہ کی اولاد کو بھی عرب مستعربہ ہی کہا ہے۔حضرت ابراہیم ؑ کے بھائی ناحور اور بھتیجے لوط ؑ کی اولاد بھی جو حجاز کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔انھیں بھی عرب مستعربہ ہی کہا جاتا ہے۔حضرت اسحاق ؑ کے بیٹے ادوم کی اولاد کو عرب میں ادومی کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم ؑ کی عرب بیوی قطورہ کی اولاد کو بنی قطورہ اور ناحور کی اولاد کو بنی ناحور کہا جاتا۔تاہم بنی ناحور موآب اور عمان کی اولاد کو ان کے دادا کی نسبت سے بنو ہاران بھی کہا جاتا جس سے ثابت ہوا کہ تمام عرب مستعربہ کی اصلیت ایک ہی ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۲۱۰۰ ق م کا دور تھا جب عراق پر نمرود کے خاندان کی حکومت تھی ان

کے دارالحکومت کا نام ”اُر“ تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے نمرود اور اس کی قوم کو دین توحید کی دعوت دی تو بادشاہ سمیت ساری قوم حضرت ابراہیمؑ کی دشمن ہوگئی تو آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق شام اور فلسطین کو ہجرت کی۔ اس ہجرت میں آپ کی بیوی سارہؑ اور بھتیجے لوطؑ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت لوطؑ نے شرق اردن کو اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز فلسطین تھا۔

حضرت ابراہیمؑ مصر سے واپس آئے تو آپ کو اللہ نے حضرت ہاجرہؓ سے حضرت اسماعیلؑ عطا فرمائے جنھیں آپ نے ان کی ماں سمیت اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ میں لا بسایا چنانچہ حضرت اسماعیلؑ مکہ ہی میں جوان ہوئے اور وہیں اللہ کے حکم سے اپنے باپ کے ساتھ مل کر بیت اللہ تعمیر کیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنو جرہم کے سردار کی بیٹی سے شادی کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو بارہ بیٹے عطا فرمائے۔ انھی بارہ بیٹوں کی اولاد کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے جو عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئی۔ جس کی تفصیل مورخین نے یوں بیان کی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کے نام یہ ہیں نیابوث، قیدار، ادبئیل، مسام، مشماع، دومہ، مسا، حدد، تیما، یطور، نافیش اور قدمہ شامل ہیں۔ [58*] چنانچہ سر سید احمد خان نے تحقیق کے بعد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے مختلف علاقوں میں سکونت کے بارے میں لکھا ہے کہ!

”حضرت اسماعیلؑ کا بیٹا نیابوث جزیرۃ العرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوا اور اس کی اولاد الحجر کے وسط سے مشرق میں وادیٔ القریٰ کے اندر حجاز میں دور تک آباد ہوئی۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ نیابوث کی اولاد کو جزیرۃ العرب میں شہرت اور ناموری حاصل تھی۔ پھر قیدار کی اولاد کا مرکز خاص شہر مکہ اور اس کے اردگرد حجاز کا علاقہ تھا جس میں مکہ اور مدینہ کے شہر شامل تھے۔ اہل عرب کا مشہور خاندان قریش قیدار ہی کی نسل سے تھا اور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اہل قریش کے ہاں ہوئی۔ اس طرح قیدار کو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے جدِ امجد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ عرب روایات، مشرقی مورخین اور مغربی محققین کے متفقہ بیان سے پتا چلا ہے کہ آلِ قیدار بھی جزیرۃ العرب کی معروف اور نامور قوم تھی۔ قیدار کی قوم کا

اصل مسکن ہمیشہ سے حجاز ہی کا علاقہ رہا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک اور بیٹے مشماع کے متعلق پتا چلا ہے کہ اس کا ابتدائی مسکن نجد کے نواح میں کہیں تھا۔دومہ کی اولاد پہلے تو مدینہ اور تہامہ کے قرب وجوار میں بستی رہی مگر بڑھتی آبادی کی وجہ سے ان کے کچھ قبائل شام کی طرف نقل مکانی کر گئے اور دومۃ الجندل کا شہر بسایا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک اور بیٹے مسا کی اولاد پہلے تو حجاز ہی میں مقیم رہی تاہم بعد میں وہ یمن کی زرخیز وادیوں کی طرف نکل گئے ۔خیال کیا جاتا ہے کہ یمن میں موسا کا شہر انھی نے بسایا تھا۔حدد کی اولاد بھی یمن میں جا کر آباد ہوگئی اور یمن کا قبیلہ بنی حدد اسی حدد کی اولاد بیان کی جاتی ہے۔حدیدہ اسی قبیلہ کا شہر تھا. تیما کی اولاد نے بھی ابتدائی طور پہ حجاز ہی میں سکونت اختیار کی مگر بعد میں اس کی اولاد سارے نجد میں پھیل گئی اور جنوب مشرق میں خلیج فارس کے کناروں تک آباد ہوگئی۔یطور کی اولاد کا مقام سکونت ضلع جدور تھا جو جبل الشیخ کے مشرق اور شاہراہ حجاز کی تجارتی شاہراہ کے مغرب میں واقع تھا۔نافیش کا علاقہ وادیٔ القریٰ تھا اور قدامہ کی اولاد کا مسکن یمن کا نواح بتایا جاتا ہے ۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے مبسام اور اس کی اولاد کے بارے میں عربوں کی تاریخیں خاموش ہیں ۔عربوں کا مشہور مورخ مسعودی کہتا ہے کہ یمن کے شہر ظفار کے دروازے پر سنگ سیاہ کا ایک کتبہ آج تک موجود ہے جس میں حبشی اور فارسی حکمرانوں کے ناموں کے ساتھ ساتھ بنو اسماعیل کے حکمرانوں کے نام بھی درج ہیں۔کچھ مشرقی محققین کا خیال ہے کہ قریش کے جدِ امجد عدنان کی اولاد سے اس کا بیٹا عک یمن کو منتقل ہوگیا تھا جہاں اس کی اولاد نے بہت ترقی کی اور انھوں نے وہاں اپنی سرداری قائم کی''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک مغربی محقق (Ronder Foster) لکھتا ہے کہ:

تاریخی امور شاہد ہیں کہ عک ابن عدنان اور دیگر بنو اسماعیل نے جنوبی عرب میں مختلف اوقات

میں اپنی سرداریاں اور بادشاہتیں قائم کیں۔ مسعودی نے بھی کچھ اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تاہم اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعد میں یہ سرداریاں بڑی مملکتوں میں ضم ہو گئیں"۔

حجاز میں بنو اسماعیل کی سرداریاں

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے عرب میں خوب نام پیدا کیا۔وہ جزیرۃ العرب کے مختلف خطوں میں پھیل گئے اور اپنی حکومتیں بادشاہتیں اور سرداریاں قائم کیں۔ جس کا مختصر بیان یہاں پیش نظر ہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے نبایوث نے جزیرۃ العرب کے شمال مغربی علاقے الحجر میں اپنی حکومت قائم کی۔مغربی محقق (Ronder Foster) لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ میں صحرائی اور ریگستانی بدوی عرب قبائل پہ نبطیوں کو بہت اثر ورسوخ حاصل تھا۔اس لیے کہ نبطی ماہر تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے جنگجو بھی تھے اور بحیرہ روم کے اردگرد بہت دور تک کی زرخیز زمینوں پر ان کا قبضہ تھا۔ تجارت میں تو پورے عرب میں نابت کی اولاد کا کوئی ثانی ہی نہ تھا۔دمشق سے لے کر الحجر تک سب تجارتی مراکز ان کے قبضے میں تھے۔اس کے علاوہ انھوں نے غزہ کی بندرگاہ کو بھی ترقی دی جس کی وجہ سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کی اولین بنیاد پڑی۔نابتی قوم بہت خوشحال تھی بعد میں ان کی سلطنت کو مزید وسعت ملی اور شام ولبنان کے علاوہ فلسطین حواران اور مدین کے علاقے بھی نابتی بادشاہت کے تحت آگئے۔دریائے نیل سے ملنے والے کچھ کتبوں سے پتا چلا ہے کہ دریائے نیل سمیت مصر کے کچھ

علاقے بھی جانے کب تک نابتی تسلط ہی میں رہے۔نابتی قوم نے اپنے لیے ایک عجیب سماج وضع کر رکھا تھا جس کی مثال ان کی ہم عصر قوموں میں نہیں ملتی۔وہ خانہ بدوشی پہ یقین رکھتے تھے ان کا خیال تھا زمین کا سارا حسن ان کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور زمین کا حسن انسان پہ سفر کرنے ہی سے آشکار ہوتا ہے۔اس لیے ان کے ہاں باغ لگانا، مکان بنانا اور گندم اگانا ممنوع تھا اور اس جرم کی سزا موت تھی۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ مکان بنانے اور باغ لگانے سے انسان زمین کا قیدی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی آزادی کی روش ترک کر دیتا ہے۔

نابتی قبائل آزاد منش تھے اور صحراؤں اور ریگ زاروں کے حسن میں محو گھومتے رہتے تھے۔مورخین نے نابتی بادشاہوں کے نام بیان نہیں کیے۔شاہ تدمور بھی دراصل بنو اسماعیل ہی تھے جن کے اونٹوں کے لمبے لمبے تجارتی قافلے شام کے صحراؤں میں رواں دواں رہتے ۔تدمور کے بنو اسماعیلی قبائل اپنی جنگی صلاحیتوں کی بنیاد پر تاریخ میں جگہ بنائے ہوئے ہیں۔تدمور اگرچہ نسبتاً ایک چھوٹی سی ریاست تھی مگر ان کے حوصلوں کا یہ عالم تھا کہ وہ شاہ ایران کی فوجوں پہ بلا سوچے سمجھے حملہ کر دیتے۔اس قبیلہ کا اہم بادشاہ اذنیہ تھا تاہم اصل شہرت اس کی بیوی زینت کے حصے میں آئی جو اذنیہ کے بعد برسر اقتدار آئی۔اس نے اپنی ریاست کو اشیائے کوچک اور مصر تک وسعت دی مگر بعد میں اسے رومی افواج کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی ریاست رومۃ الکبریٰ میں ضم ہوگئی تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ تدمور نسلی اور سیاسی لحاظ سے وہی حیثیت رکھتے تھے جو نبطیوں کو حاصل تھی۔وہ قریش اور حجاز کے دیگر عرب قبائل سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے شاید اسی لیے ڈاکٹر یوسف گورایہ نے تدمور کے حکمرانوں کو بھی عرب المستعربہ میں شامل کیا ہے۔مورخین نے ریاست تدمور کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کی ہیں اس لیے ان کے سماجی، عقائدی اور اخلاقی احوال کی تفصیل میں جانا قدرے مشکل ہے۔تاہم قیاس یہی ہے کہ ان کے ہاں بھی شرک کے عقائد موجود تھے اور ان کی اخلاقی قدریں اپنی ہم عصر دوسری ریاستوں جیسی ہی رہی ہوں گی۔بنولحیان بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد تھے جنھوں نے مکہ سے مشرق اور نبطیوں کے جنوب میں اپنی سرداری قائم رکھی تھی۔ان کا دارالسلطنت العلا تھا جو یمن سے بحیرہ روم کے تجارتی راستہ پر واقع تھا۔مشرقی مورخین نے بنولحیان کا تذکرہ بہت ہی کم کیا ہے۔تاہم ایک مغربی محقق (Cosskel) نے خاص بنولحیان پر دو کتابیں لکھیں ہیں بنولحیان بہت ہی قدیم زمانوں

میں ہوئے۔ جب آلِ ثمود اپنی عظمتوں کو دیکھ رہے تھے بنولحیان کا دارالسلطنت یمن اور ہندوستان کو بحیرہ روم کی بندرگاہوں سے ملانے والی شاہراہ پر واقع ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ تب اندرونِ عرب ثمود کی بادشاہت عام طور پر مشرقی اور وسطیٰ عرب کے تجارتی راستوں پر مختار تھی تو لحیان کی طاقت بحیرہ روم کے ممالک اور مشرق بعید کی درمیانی شاہراہ تجارت پر مرکوز تھی۔ چنانچہ اسلام کے ظہور سے کچھ پہلے بنولحیان مکہ کے قریب آباد تھے اور قریش کے اتحادی تھے۔

تورات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنا سارا ملک حضرت اسحاق ؑ کو دے دیا تھا جس کی وجہ سے ان کی عرب بیوی قطورہ کی اولاد جزیرۃ العرب کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے حضرت اسحاق ؑ کو صرف ملک شام اور فلسطین کے علاقے عطا فرمائے تھے۔ جزیرۃ العرب اور اس کے تمام علاقے انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل ؑ کو عطا کیے تھے جن کی اولاد نے جزیرۃ العرب میں بہت شہرت اور ناموری حاصل کی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مورخین نے بنی قطورہ کی عرب میں موجودگی کی تصدیق کی ہے۔ جزیرۃ العرب میں بسنے کے باوجود بھی بنی قطورہ نے اپنی انفرادیت قائم رکھی اور اپنی ماں کی نسبت سے بنی قطورہ کہلائے۔ ان کے اصل مسکن کے بارے میں بھی مورخین کی آراء مختلف ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اول اول وہ الحجر کے علاقے میں آباد ہوئے۔ تاہم مورخین کی اکثریت اس بات پہ متفق ہے کہ بنی قطورہ کا اصل مسکن حجاز کا علاقہ تھا اور ان کی آبادیاں حدودِ حجاز سے شروع ہوکر خلیج فارس تک پھیلی ہوئیں تھیں جہاں اب بھی کبھی کبھار ماہرین آثارِ قدیمہ کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ آثار دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے خیال ظاہر ہے کہ اصحاب الایکہ اور اہل مدین بنی قطورہ ہی کی اولاد سے تھے تاہم انھوں نے اپنے اس دعویٰ میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ پھر بنی عیسو تھے جو حضرت اسحاق ؑ کے بیٹے اور حضرت اسماعیل ؑ کے داماد تھے۔ ان کی شادی حضرت اسماعیل ؑ کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کا نام باسمت تھا۔ ان کے بارے میں بھی مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ مورخ کہتے ہیں کہ عیسو کی اولاد نے کبھی جزیرۃ العرب کا رخ نہیں کیا اور نہ ہی وہ کبھی عرب میں آکر آباد ہوئے۔ جبکہ مورخین کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ بنی عیسو نے نہ صرف جزیرۃ العرب کی طرف مراجعت کی بلکہ انھوں نے عرب علاقوں میں اپنی سرداریاں بھی قائم کیں۔ ان کے مطابق وہ حجاز کی شمالی سرحد کے ساتھ عرب الحجر کے

علاقوں میں آباد ہوئے۔عیسو کا بیٹا رعوئیل تھا جو ان کی بیوی باسمت سے تھا جس نے عرب کے ان علاقوں پر اس وقت حکومت کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے نیابوث نے انتقال کیا۔اس کے بعد ان علاقوں کی سرداری رعوئیل کے پاس آگئی تھی۔تاہم مجھے مورخین کے پہلے گروہ کا موقف مضبوط نظر آتا ہے اس لیے کہ اہل عرب کے ہاں قبیلے کے سردار کی وفات کے بعد حکومت اس کے بیٹوں کو منتقل ہوا کرتی تھی نہ کہ کسی بھانجے کو۔چونکہ خود نیابوث کے بیٹوں کا ذکر بھی مورخین نے کیا ہے اس لیے یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ نیابوث کے بیٹوں کی موجودگی میں حکومت اس کے بھانجے کو منتقل ہو جائے۔ایک قیاس یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ رعوئیل اپنے ماموں کے پاس آ کر آباد ہو گیا ہو اور اس کی شناخت اپنے ننہال کے حوالے سے قائم ہو گئی ہو۔تاہم پھر بھی یہ بات خارج از امکان ہے کہ نبی عیسو کی حکومت اس کو منتقل ہو گئی ہو کیونکہ یہ بات عرب کی قدیم روایات کی نفی کرتی ہے جس کے لیے کسی ٹھوس جواز کی ضرورت ہے جو ان مورخین نے پیش نہیں کیا جنھوں نے اس بات کو بیان کیا ہے۔

اہل عرب ان کو اودومی بھی کہا کرتے وہ تعداد میں بہت کم بیان کیے جاتے ہیں اس لیے قیاس یہی ہے کہ وہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے ہوں گے اور بنو اسماعیلی قبائل میں ہی ضم ہو کر رہ گئے ہوں گے۔پھر بنی ناحور ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ناحور کی اولاد تھے۔سر سید احمد خان نے ایک انگریز مورخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ناحور کے دو بیٹے تھے جن کے نام عوص اور بوز تھے جن کی اولاد جزیرۃ العرب میں آ کر آباد ہوئی تاہم وہ ان کے بارے میں دیگر معلومات مہیا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔خاص طور پہ انھوں نے ان کے مسکن کے بارے میں اشارہ تک نہیں کیا جس کی بنا پر کوئی رائے قائم کی جا سکے۔عرب مورخین اور قدیم عرب روایات میں ان کا ذکر تک موجود نہیں اور نہ ہی عرب شعرا کے ہاں ان کا تذکرہ ملتا ہے جس کی بنا پہ کہا جا سکے کہ بنی ناحور عرب مستعربہ کی کوئی بڑی شاخ تھے۔پھر حضرت لوط علیہ السلام کے بیٹے مواب اور عمان تھے جنھوں نے جزیرۃ العرب کا رخ کیا۔تاہم مورخین میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور سب نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد جزیرۃ العرب میں آباد تھی اور اہل عرب انھیں موابی اور عمانی کہا کرتے۔وہ جزیرۃ العرب کے شمال میں آباد ہوئے جو بحر لوط کے مشرق میں واقع تھے اور ان کے علاقے کرک اور بلقا کے وسیع و عریض سبزہ زاروں پہ مشتمل تھے۔سر سید احمد خاں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بڑے بیٹے عمان کی اولاد خلیج فارس کے کناروں پہ آباد ہوئی تھی اور آج

کی مملکت عمان کبھی اسی قوم کا مسکن تھی ۔اس کے دوسرے بیٹے مواب کی اولاد بلقا اور کرک کے زرخیز علاقوں میں پروان چڑھتی رہی۔ مورخین میں ان کے مسکن کے بارے میں اختلاف موجود ہے مگر یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ بنی قطورہ ہوں یا بنی عیسو بنی ناحور ہوں یا بنی ہاران ان میں سے کسی نے بھی جزیرۃ العرب میں شہرت اور ناموری کے اس معیار تک سفر نہیں کیا جہاں تک بنو اسماعیل پہنچے۔ تاریخ عرب اور ان کے جاہلی ادب میں عرب المستعربہ کے اور بھی کئی بادشاہوں کا ذکر موجود ہے جن میں ایک کا نام وائلہ اور لقب قلیب تھا۔ وائلہ بنو عدنان میں سے تھے بعض مشرقی مورخین نے وائلہ کی شاہ یمن سے کئی لڑائیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے پھر زہیر ابن خزیمہ اور قیس ابن زہیر کا ذکر بھی موجود ہے جو نجانے کس زمانے اور کس علاقے میں عربوں کے بادشاہ رہے۔ تاہم عرب کے جاہلی شعرا نے ان کا ذکر محفوظ رکھا ہے قیاس یہ ہے کہ وہ صحرائے عرب کے اندرونی ریگذاروں میں کہیں بادشاہ رہے ہوں گے اس لیے مورخین نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

مورخین نے ان قبائل کی سرداری کو کبھی قابل اعتناء نہیں جانا جو یونانیوں، رومیوں ایرانیوں اور اہل حبشہ سے کہیں دور تھے۔ مغربی مورخین کی تحریروں میں خاص طور پہ اندرونی عرب کی سرداریوں کا تذکرہ نہیں ملتا جس کی بڑی وجہ یہ محسوس ہوتی ہے کہ انھوں نے عام طور پہ انھی قبائل اور سرداریوں کو اہمیت دی ہے جس کے ساتھ خود ان کی اپنی قوم نے جنگیں لڑی تھیں۔ صحرائے عرب کے بادیہ نشین قبائل اپنے سیاسی استحکام کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے وہ ان متمدن ریاستوں کے سرحدی علاقوں میں صرف لوٹ مار کی غرض سے داخل ہوتے اور اپنا مقصد پورا ہوتے ہی صحرائے عرب کے ریگذاروں کی ان وسعتوں میں گم ہو جاتے جہاں تک ان کا پیچھا کرنے سے روم و ایران کی بڑی طاقتیں بھی ہچکچاتی تھیں۔ اندرونی عرب کے ان حکمرانوں کو مورخین کے نظر انداز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان بادشاہوں کی سرداری محدود علاقے اور چند قبائل تک محدود رہتی تھی اور ان کا کوئی سیاسی اور تجارتی جھگڑا بھی ان متمدن ریاستوں سے نہ تھا۔ ان کی سرداریاں بھی آئے روز بدلتی رہتیں تھیں اور باہم بھی ان کی رزمگاہیں آباد رہتی تھیں۔ اس لیے اگر صحرا کے کسی حصے پہ آج کوئی قبیلہ حکمران ہے تو یہ عین ممکن ہے کہ کل کوئی دوسرا قبیلہ اس کی جگہ حکمران ہو۔ چنانچہ عرب مستعربہ کے ضمن میں بیان کی گئیں تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام قبائل میں سے جنھوں نے جزیرۃ العرب کی طرف مراجعت کی ناموری اور شہرت صرف آلِ اسماعیل کے حصے

میں آئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے جو کوئی بھی جزیرۃ العرب میں آ کر آباد ہوا وہ اپنی شناخت برقرار نہ رکھ سکا اور آخر کار وہ سب بنو اسماعیل ہی میں ضم ہو کے رہ گئے۔اس لیے بعد کے مورخین اب جب بھی عرب المستعربہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف آلِ اسماعیل ہی لی جاتی ہے۔

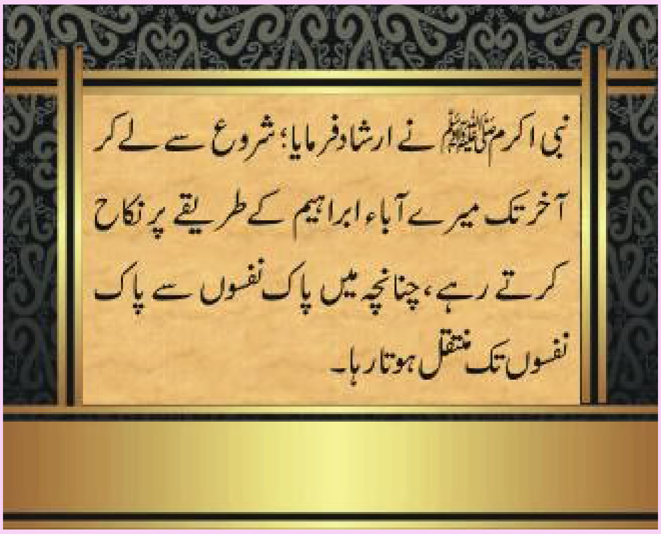

اجداد العرب

اصل میں تو عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں اگرچہ کچھ قحطانی قبائل کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ اُن کا تعلق بنوادوم سے ہے۔ اگر اُن کا دعویٰ درست تسلیم کرلیا جائے تب بھی اُن کا نسب کچھ زیادہ دور نہیں پڑتا اس لیے کہ اودوم بھی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد تھے اور اودوم کی ماں قطورہ کا تعلق عرب بائدہ سے تھا۔ چنانچہ عرب کے صاحب انساب بیان کرتے ہیں کہ عرب معد کے بیٹوں عدنان اور قحطان کی اولاد ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں ہم نے الگ سے بنوقحطان اور بنوعدنان کا ذکر کیا ہے تاہم چونکہ ہمارا مقصد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارک لکھنا ہے اس لیے قدرتی طور پہ ہمارا جھکاؤ معد کے بیٹے عدنان کی طرف رہا ہے کہ نبوت بنوعدنان کی اولاد کو عطا کی گئی۔ بنوعدنان میں ہی مضر بن کنانہ پیدا ہوا جس سے قریش کی بنا پڑی جو رسول اللہ ﷺ کا قبیلہ ہے۔ چنانچہ یہاں عربوں کا جو تذکرہ مقصود ہے اس میں نہ صرف اجدادِ قریش کا تذکرہ موجود ہے بلکہ اسی ذیل میں اجداد العرب تذکرہ بھی آ گیا ہے۔ بیان کیا گیا کہ قریش نبی اکرم ﷺ کے آباء تھے آپ ﷺ نے قبیلہ قریش میں جنم لیا اور قریش

اہل عرب کا سردار قبیلہ تھا جس کے ذمہ بیت اللہ کی خدمت اور اہل عرب کی مذہبی پیشوائی تھی۔قبیلہ کی مدحت اوراس کے خصائص کے بارے میں کافی کچھ بیان پیچھے گزر چکا ہے۔تاریخی تناظر کے حوالے سے اُن کا کچھ تذکرہ ہم یہاں بھی کریں گے کہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو وقت کے سب سے اعلیٰ گھرانے میں پیدا کرتا ہے اور یقیناً قریش اپنی خوبیوں جیسے کہ سخاوت،شجاعت،مہمان نوازی کے باعث اس کا استحقاق رکھتے تھے کہ نبوت اُن میں ہو اور قدیم زمانوں سے آبائے قریش کا شمار اہل عرب کے شرفاء میں ہی کیا جاتا تھا۔قریش کے لوگ جب کعب بن مالک ہاں کے جمع ہوا کرتے تو وہ اِن سے فرمایا کرتے کہ تم اُس قبیلے سے ہو جن میں نبوت اترنے والی ہے اس لیے تمھارے اخلاق واوصاف دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ عمدہ ہونے چاہییں۔وہ کہتے کہ وہ نبی انشااللہ میری اولاد سے ہوگا اور عنقریب یہ عظیم خبر تم تک پہنچ جائیگی۔جب یہ خبر یعنی اُن کی نبوت کی خبر تم تک پہنچے تو تم پہ واجب ہے کہ تم گرم جوشی سے اُن کا استقبال کرو اور اُن کا ساتھ دو۔اُن کے بازو بنو اور اُن کے مددگار ثابت ہو کیونکہ اُن کی وجہ سے تمھاری عزت وعظمت میں اس قدر اضافہ ہوگا جس کا آج تم تصور بھی نہیں کر سکتے اس کے بعد وہ یہ اشعار پڑھا کرتے۔

عَلٰی غَفْلَۃٍ یَاْتِیْ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ
فیخَبِّرِ اَخْبارً صُدوْقَ خَبِیْرُھَا

جہالت اور بے خبری کے دور میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے اوراس طرح خبریں بتلائیں گے جس طرح کہ ایک جاننے والا بیان کرتا ہے۔

یَا لَیْتَنِیْ شَاھِدٌ فَجْوَاءَ دَعْوَتِہٖ
حِیْنَ العَشِیْرۃَ تَبْغِیْ الْحَقَّ خُذْلَانَا

کاش میں اُن کی دعاؤں کا اثر دیکھنے والوں میں اس وقت شامل ہوتا جبکہ اُن کا قبیلہ سچائی کو

رسوا کرنے کی کوشش میں مشغول ہوگا۔[*59]

قریش نضر بن کنانہ کی اولاد تھے اور نضر ہی کو آبائے قریش قرار دیا جاتا ہے اگر چہ کچھ مورخین کے مطابق فہر بن مالک سے قریش کی ابتدا ہوئی[*60]۔تاہم پہلے قول کو ہی زیادہ ترجیح دی گئی ہے اور کہا گیا کہ مالک بن نضر بہت خوبصورت اور وجیہ نوجوان تھا اس کا نام تو قیس تھا مگر اس کے حسن کی وجہ سے اس کا لقب نضر پڑ گیا اور وہ اسی نام سے جانا گیا۔چنانچہ فقہا کے نزدیک وہ قریش کا مورث اعلیٰ تھا اور فقہا کے استدلال کی بنیاد اس قول رسول ﷺ پہ رکھی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ صحابہؓ نے آنحضرت محمد ﷺ سے پوچھا کہ قریش کون ہیں تو آپ ﷺ نے جواب دیا''کہ قریش تو نضر بن مالک کی اولاد ہیں''اس لیے پہلوں میں سے کسی کی اولاد کو قریشی نہیں کہا گیا مگر نضر کی اولاد قریش ہیں۔نضر کی اولاد اس کے ہونہار بیٹے کنانہ کے نام سے جانی جاتی ہے اس لیے عرب کبھی کبھی اہل قریش کو بنو کنانہ بھی کہتے تھے اور بنو کنانہ یعنی اہل قریش کو قریش کیوں کہا گیا اس ضمن میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اور اس بارے میں کئی روایات موجود ہیں جنھیں ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

☜ جن لوگوں کے خیال میں غالب کا بیٹا فہر قریش کا مورث اعلیٰ تھا انھوں نے بیان کیا ہے کہ چونکہ فہر کے بیٹے اُن لوگوں کو تلاش کرتے جو ضرورت مند ہوتے اور اُن کی حاجات اپنے مال سے پوری کرتے اس لیے اُن کو قرش کہا گیا جس کے معنی تلاش کرنے والے کے ہیں اس لیے لوگوں نے اُن کو قریش کہا[*61]۔

☜ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ فہر کے باپ نے اس کا نام قریش رکھا تھا اور اس کا لقب فہر تھا اور چونکہ اس کی اولاد عربوں میں کثیر تھی اس لیے بعد کے لوگوں نے فہر کی اولاد کو قریش کہا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ مقدادؓ بن اسود کہتے ہیں جب قصی کو فراغت حاصل ہوئی اور خزاعہ اور بنی بکر مکے سے نکل چکے تو انھوں نے وادئ میں بکھرے ہوئے قریش کو خاص شہر مکہ میں حرم کے ارد گرد جمع کرلیا اور اسی دن سے اس اجتماعی حالت کی بنا پر یہ لوگ قریش کے نام سے موسوم کیے گئے اور تقرش جس سے یہ لفظ قریش نکلا اس کے معنی بھی تجمع یعنی اجتماعی حالت ہی کے ہیں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ ہشام بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کی وجہ تسمیہ فقط یہ ہے کہ فہر کے تینوں بیٹوں میں سے دو تو ایک ماں سے تھے اور ایک بیٹا دوسری ماں سے تھا یہ سب جدا جدا ہو کے وادئ مکہ کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے جن میں سے کچھ تہامہ کی طرف نکل گئے اور کچھ مکہ کے نشیبی علاقوں میں ہی الگ الگ فروکش ہو گئے کچھ زمانے تک اُن کا یہی حال رہا تاہم بعد میں جب قصی نے قوت حاصل کرلی تو اس نے قریش کو باہم مجتمع کرلیا بنی بکر نے اس پہ کہا:

"لقد تقرش بنو جندلة"

جندلہ کی اولاد نے تو پھر تقرش یعنی اجتماع کرلیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ علامہ محمد السائب کلبیؒ نے بیان کیا ہے کہ قریش کے معنی تو نسب کا دیوان ہیں یہ نہ کوئی باپ ہے نہ ماں نہ مربی نہ مربیہ بلکہ اس پہ اجتماع نسب ہوتا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ بنوالنضر بن کنانہ کا نام قریش یوں پڑا کہ ایک دن نضر بن کنانہ اپنی قوم کی چوپال میں آیا تو جولوگ وہاں موجود تھے اُن میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو کسی زبردست اونٹ کی طرح لگتا ہے یا قرش کی طرح ہے جو ایک بڑی سمندری مچھلی کا نام ہے جو اپنے قریب تمام چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے جو بہت زورآور اور طاقت ور ہوتی ہے اور دوسروں پہ چھا جاتی ہے چونکہ نضر بن کنانہ کی اولاد بھی عربوں پہ چھا گئی تھی اس لیے اُن کو قرش کہا گیا جس سے لفظ قریش نکلا۔

☜ علامہ طبری نے کہا کہ چونکہ نضر بن کنانہ لوگوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنے مال سے اُن کی حاجت براری کرتا تھا اور قریش کے معنی چونکہ تفتیش کرنے والے یا کھوج لگانے والے کے بھی ہیں اس لیے چونکہ نضر اور اس کے بیٹے بھی حج کے دنوں میں حاجیوں کے حالات کی تفتیش کیا کرتے اور اپنی استطاعت کے مطابق اُن کی حاجت براری کرتے تھے اس لیے بعد کے لوگوں نے اُن کو قریش کا لقب عطا کیا اور وہ اسی نام سے معروف ہو گئے قریش کے معنی جو تفتیش کے لیے ہیں تو اس پہ عربوں کے کسی شاعر نے اس کی شہادت میں یہ شعر پیش کیا ہے۔

اَیُّھَا الناطق المقرش عنّا

عند عمرو فھل لھن انتھا ء

اے شخص! جو ہمیں عمرو کے ہاں دریافت کر رہا ہے اس سے کہہ کہ اسے کچھ ہماری محبوباؤں کی خبر بھی ہے۔

☜ علامہ ابن جریر طبری نے قریش کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور عالم تاریخ "**تاریخ الامم و الملوك**" میں لکھا ہے کہ جب تک قصی بن کلاب نے تمام بنونضر بن کنانہ کو یکجا

نہیں کردیا یہ بدستور بنونضر ہی کہلاتے رہے۔تاہم جب یہ سب جمع ہوگئے تو اب اِن کو اس لیے قریش کہا جانے لگا کہ تجمع ہی تقرش ہے۔اسی بنا پہ عربوں نے کہا کہ تقرش بنوالنضر کہ تمام بنونضر پھر سے جمع ہوگئے ہیں، یا یہ بھی کہا گیا کہ بنونضر کو قریش اس لیے کہا گیا کہ اب انھوں نے غارت گری چھوڑ دی تھی۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ علامہ عبدالرحمان سہیلی نے لکھا ہے کہ نضر بن کنانہ قریش تھا بعض علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ فہر بن مالک قریش کا جدِاعلیٰ تھا جس کا نام قریش اور لقب فہر تھا۔ابوعبداللہ بکار نے قریش کے نسب میں یخلد بن نضر کا ذکر بھی کیا ہے ابن بکار نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ بنو یخلد بن نضر کا ذکر بنو عمرو بن حارث بن مالک بن کنانہ میں کیا جاتا ہے قریش بن بدر بن یخلد کا شمار بھی ان میں سے ہوتا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

☜ تجارت اور اکتساب میں قریش بنو کنانہ کا راہنما تھا اس لیے یہ بھی ایک معروف قول ہے کہ عرب اہل تجار کو بھی قریش کہا کرتے تھے مثال کے طور پہ کہا گیا کہ!

قَدِمَتْ عِيْرُ قُرَيْشٍ

یعنی قریش کا تجارتی کارواں پہنچ چکا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

لفظ قریش کی اس تحقیق کے بعد اب ہم نبی اکرم ﷺ کے آباء میں سے اُن لوگوں کا تذکرہ کریں گے جن کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔بنو ہاشم کا ذکر ہم نے تذکرہ اجدادِ قریش سے اس لیے الگ رکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں بنو ہاشم نے جس طرح اُن کی پشت پناہی کا فرض ادا کیا قریش اُس سے قاصر رہے۔بلکہ انھوں نے اسی شدت سے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی جس شدت سے بنو ہاشم نے آپ ﷺ کی موافقت

کی۔ جب ہم نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے حالات پہ نظر ڈالیں گے تو ہم جانیں گے کہ جب اہل قریش کی شدید مخالفت کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام گزارنے پڑے تب ابو لہب کے سوا بنو ہاشم کا کوئی فرد ایسا نہ تھا جو پیچھے رہا ہو بلکہ انھوں نے اپنی خاندانی عصبیت کو پوری قوت سے زندہ رکھا اور بنو ہاشم کے لوگ چاہے وہ نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لائے تھے یا بدستور اپنے آبائی دین پہ قائم تھے وہ سب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں اُٹھ آئے تھے اور انھوں نے اہل قریش پہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ اگر نبی اکرم ﷺ کو قریش یا عربوں کے کسی دیگر قبیلے یا گھرانے نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو بنو ہاشم اُن کا خون پی جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ اور ارد گرد کے عرب جو اپنے کفر میں سخت اور بت پرستی میں پختہ تھے اپنی شدید خواہش کے باوجود بھی نبی اکرم ﷺ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے کہ اُن کا خاندان اُن کی پشت پہ موجود تھا۔

عدنان بن عدد

اگرچہ بعض لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک بھی بیان کیا ہے مگر خود اُن میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان کتنی پشتیں گزریں ہیں۔اس بیچ کسی نے نو کسی نے سات اور کسی نے چالیس پشتیں بیان کی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کا بیان کردہ یہ نسب شک وشبہ سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود جب بھی اپنا نسب بیان کیا ہے تو انھوں نے معد بن عدنان تک ہی اپنا نسب بیان کیا ہے اور عدنان پہ آ کے رک گئے ہیں۔ بہت سی ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ عدنان سے آگے میرا نسب بیان مت کرو کہ اس میں شک پایا جاتا ہے۔جبکہ عدنان تک نسب پاک میں سب علماء تاریخ متفق ہیں۔اس لیے ہم نے بھی عدنان سے آگے نسب بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق عدنان سے آگے کا نسب بیان نہیں کیا کہ اس میں شک پایا جاتا ہے۔علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے " **جامع صغیر** " میں بیہقی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا نسب بیان کیا اور فرمایا میں محمد ﷺ ہوں ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ۔۔۔۔اور نسب کے بیان کا یہی طریقہ معروف ہے کہ باپ سے ابتدا کی جاتی ہے اس کے بعد پھر دادا کا نام آتا ہے پھر پڑدادا کا اور اسی طرح آگے شجرہ بیان ہوتا ہے۔مگر قرآن حکیم میں جب قصہ یوسف علیہ السلام بیان کیا گیا تو اس معروف اسلوب کے برخلاف حضرت یوسف علیہ السلام کا نسب اُن کے پڑدادا سے شروع کیا گیا اس کے بعد دادا اور اس کے بعد باپ کا ذکر آیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ یوسف ۱۲/ ۳۸)

ترجمہ؛

”اور میں نے اپنے اِن (بزرگوں) یعنی باپ دادا کا مذہب اختیار کر رکھا ہے یعنی ابراہیم ؑ اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ کا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مفسرین نے اس امر کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ یہاں صرف باپ دادا کے شجرہ کا ذکر مقصود نہ تھا اس لیے نسب کو بیان کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا بلکہ حضرت یوسف ؑ کے آباء کے نام اس مقصد سے لیے گئے ہیں کہ اِن کے دین کا ذکر فرمایا جائے جس پر حضرت یوسف ؑ قائم تھے۔مگر ہم نے نسب بیان کرنے کے اسی طریقے کو ترجیح دی ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ اپنا نسب بیان کیا کرتے تھے۔چنانچہ بنو ہاشم کے تذکرے سے پہلے ہم یہاں اِن بزرگوں کا کچھ ذکر کرنا چاہتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے آباء تھے اور جو قریش کے بھی آباء تھے۔یہاں نبی اکرم ﷺ کے آخری دادا یعنی عدنان کا ذکر مقصود ہے اور ہم نے عدنان کو آپ ﷺ کا آخری دادا اس لیے لکھا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی عدنان پہ آ کر اپنا نسب ختم کر دیتے تھے۔یہ ہمارے ارفع مقدر ہیں کہ ہمارے قلم نے اُن مبارک لوگوں کے ناموں کو چھوا جنھیں نبی اکرم ﷺ کے آباء ہونے کا شرف حاصل ہے۔عدنان کے باپ کا نام ادد تھا۔عدنان کے دو بھائی تھے جن کے نام نبط اور عمرو بیان کیے گئے ہیں۔تاہم وہ عدنان کے سگے بھائی نہ تھے اس لیے کہ عدنان اور عمرو وغیرہ کی مائیں الگ الگ تھیں۔عدنان کی ماں ایک عرب خاتون تھی۔علماء اس بات پہ متفق ہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل ؑ کی نسل سے ہیں تاہم اُن کے مابین اس بات میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل ؑ اور عدنان کے درمیان کتنی پشتیں گزری ہیں۔اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ حضرت اسماعیل ؑ اور عدنان کے مابین چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔اہل کتاب کے علمائے انساب اس بات کا دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں کہ اُن کے پاس عدنان کا نسب نامہ محفوظ ہے۔انھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ نسب

نامہ اُن کو ایک شخص ''رخیا'' سے حاصل ہوا جو دراصل اللہ کے ایک نبی ارمیا بن حلقیا کا منشی تھا۔تاہم دیگر مورخین میں سے کچھ نے کہا کہ عدنان اور اسماعیل کے درمیان تیس پشتیں ہیں۔بعض نے کہا کہ بیس اور بعض نے کہا کہ دس پشتیں ہیں۔کچھ نے کہا کہ سات اور کچھ نے کہا کہ نو اور کم از کم چار پشتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔اس لیے کہ موسیٰ بن یعقوب اور عبداللہ بن وہب بن ذمعہ زمعی نے اپنی پھوپھی ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ عدنان کا نسب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''معد بن عدنان بن ادد بن زند بن الیری بن اعراق الثری''

حضرت ام سلمہؓ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:
زند کا اصل نام ہمسیع تھا اور الیری نابت کا لقب تھا یا عرفیت تھی اور لوگ جانتے ہیں کہ نابت حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے تھے۔آل ابراہیم پہ آگ اثر نہیں کرتی جس طرح کہ آگ مٹی کو جلانے سے قاصر رہتی ہے۔

ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ!
عدنان اور سماعیل علیہ السلام کے مابین دس بیس یا تیس پشتوں سے زیادہ فاصلہ ہے اس لیے کہ جب بخت نصر کا عہد حکومت تھا تب معد بن عدنان کی عمر محض بارہ چودہ سال تھی۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

فقہا میں سے امام مالکؒ کا طریق یہ تھا کہ وہ عدنان سے آگے نسب بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے ۔تاہم دیگر آئمہ نے ابن اسحاق، امام بخاری، زبیر بن بکار اور طبری وغیرہ کے حوالے سے عدنان کا نسب بیان کیا ہے۔تاہم اُن کا بیان کردہ نسب اُس نسب سے کچھ مختلف ہے جو اہل کتاب کے علماء نے ارمیا کے منشی کے حوالے درج کیا ہے۔
امام مالکؒ کے سامنے جو شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا تو آپ اس سے ناگواری محسوس

کرتے اور کہتے کہ تجھے نسب کا یہ علم کہاں سے میسر ہوا اور اگر کوئی اپنا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک بیان کرتا تب بھی آپ اس کو ناپسند ہی کرتے اس لیے اس میں شک پایا جاتا ہے۔

لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امام مالک انبیاء کا نسب مسلسل بیان کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔اور امام مالک اس امر میں منفرد نہ تھے بلکہ اُن کے علاوہ امام معیطی اور عروہ بن زبیر سے بھی یہی منقول ہے کہ ہم نے کوئی ایسا ماہر انساب نہیں پایا جو عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک درست نسب بیان کرنے پہ قادر ہو۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ!

عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں تیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔

تاہم خود اُن کے مطابق اس نسب میں بہت سے نام غیر معروف ہیں۔

ابن مسعودؓ کا بھی یہی خیال تھا کہ عدنان سے آگے کا نسب شک سے پاک نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا کہ جس نے عدنان بن عدد سے آگے نسب بیان کیا اسے درے لگائے جائیں گے۔

عروہ بن زبیرؓ حوالے سے ابوالاسود نے کہا کہ عدنان سے بعد کا نسب محض ظن و تخمین اور اپنے ماؤں پہ تہمت لگانے کے مترادف ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ جو قریش کا بہت بڑا ماہر انساب اور قابل تحسین شاعر تھا اس نے کہا کہ میں نے کسی کو عدنان سے اسماعیل علیہ السلام تک ایسا نسب بیان کرتے نہیں سنا جس میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔

امام ابن عبدالبر نے کہا کہ باقی جہاں تک عرب کے نسب کا تعلق ہے تو علمائے انساب نے اسے یاد رکھا اور آنے والے لوگوں سے بیان کیا۔انساب عرب شہرہ آفاق ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا وہ روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے۔عربوں کے قصائد اور اشعار سے کوئی امر پوشیدہ نہ تھا۔بعد کے دور میں مسلمان شعرا نے نبی اکرم ﷺ کے نسب پہ بھی عمدہ قصائد لکھے جن میں شر شیرم [62*] کا قصیدہ

عمدہ مانا جاتا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ عدنان عرب کا مسلمہ اور طاقتور سردار تھا عرب اس وقت دنیاوی ترقی کے عروج پہ تھے جس کی وجہ سے اُن کے اندر خالق سے بغاوت کے جذبے نے جنم لے لیا تھا۔ وہ اپنے پیغمبروں تک کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہ تھے اور انھوں نے اللہ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو عربوں پہ مسلط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور نبی ارمیا کو وحی کی کہ وہ بخت نصر کو عربوں کی طرف روانہ کرے۔

بخت نصر کو ارمیا کا پیغام پہنچا تو اس نے قاصد سے کہا!

اپنے نبی سے پوچھو کہ اس دشوار مہم کا مقصد کیا ہے؟

قاصد نے ارمیا تک بخت نصر کا پیغام پہنچایا۔

ارمیا نے قاصد سے کہا:

واپس جاؤ اور اسے کہہ کہ عرب ظلم و بغاوت پہ اتر آئے ہیں اس لیے اُن کو سزا دینا ناگزیر ہو گیا ہے اور یاد رکھ یہ اللہ کا حکم ہے اللہ نے تمہیں اُن پہ غلبہ و نصرت کی خوشخبری عطا کی ہے تو بے فکر ہو کے جاؤ اور اُن کو سزا دے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یاد رکھنا عربوں کے ایک سردار کا ایک بیٹا ہے جس کا نام معد ہے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ اس کی حفاظت تیرے ذمے ہے تو اسے حفاظت سے میرے پاس لانا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پشت سے آخری رسول کو پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ بخت نصر عربوں کی طرف روانہ ہوا۔ جب عربوں کو اس کے حملے کی اطلاع ملی تو وہ عدنان کی قیادت میں سینہ سپر ہو گئے۔ ذاتِ عرق میں معرکہ بپا ہوا۔ جنگ کے پہلے مرحلے میں عربوں کو شکست ہوئی۔ مگر انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور پسپا ہو کر ''حضور'' نامی ایک مقام پہ بخت نصر کا انتظار کرنے لگے۔ حضور پہنچ کر عدنان نے اطراف و اکناف سے جنگجو لوگ جمع کیے اور اپنے حلیف قبائل کو بھی آواز دی کہ وہ اس کی مدد کو آئیں۔ چنانچہ بہت سے عرب جنگجو عدنان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اس کے علاوہ انھوں نے ''حضور'' نامی مقام کے گرد خندق بھی کھود لی تھی۔ ادھر بخت نصر بھی عدنان کا تعاقب کرتے ہوئے حضور تک پہنچ چکا تھا مگر خندق نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ عدنان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر وہ دورانِ جنگ

بخت نصر کو پائیں تو اسے قتل نہ کریں کیونکہ بخت نصر بہت معروف حکمران تھا اور عدنان اس کو دیکھنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف بخت نصر نے بھی اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر وہ دورانِ جنگ عدنان اور اس کے اہل خانہ کو پائیں تو انھیں ہرگز قتل نہ کیا جائے بلکہ عزت وتکریم کے ساتھ انھیں گرفتار کیا جائے۔ اس کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ بخت نصر کو ارمیا پیغمبر نے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ معد بن عدنان کو ہر حالت میں اس تک زندہ پہنچائے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ یاقوت حموی نے بیان کیا ہے کہ:

حضور نامی جگہ عربوں کے ایک مشہور شہر زبید کے قریب تھی جہاں عربوں اور بخت نصر کے درمیان یہ جنگ بپا ہوئی۔ پھر ایک خونریز جنگ کے بعد بخت نصر کو فتح حاصل ہوئی اور وہ معد بن عدنان کو بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ بخت نصر بے حساب مال غنیمت اور بے شمار مرد وزن کو قید کر لایا تھا اس نے جنگی قیدیوں کو دریائے فرات کے کنارے آباد ایک قدیمی شہر ابناء میں آباد کیا۔ اللہ کے نبی ارمیا کے حکم کے مطابق اس نے معد بن عدنان کو اپنے پاس رکھ لیا جسے بعد میں ارمیا نے اپنے پاس بلا لیا جو حران میں مقیم تھے۔ اس وقت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی اور معد بن عدنان بنو اسرائیل کے درمیان بڑے ہوئے۔ یہاں انھوں نے ارمیا سے آسمانی کتابوں کا علم حاصل کیا اور دیگر علوم میں بھی مہارت حاصل کی۔ بخت نصر نے ان کی تعلیم وتربیت کے لیے خاص اتالیق مقرر کر رکھے تھے جو انھیں مروّج علوم کے حصول میں مدد دیتے تھے۔ کچھ وقت اسی طرح گزر گیا پھر عدنان فوت ہو گئے۔ عرب اِن کے بعد خود کو نہ سنبھال سکے اور عربوں کے وہ علاقے جہاں کل تک اُن کے لوگ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے ویران ہو گئے۔ پھر بخت نصر بھی فوت ہو گیا مگر اُن کی قوت معد کو منتقل ہو چکی تھی اس لیے جب معد کو اپنے باپ کی موت اور عربوں کی کسمپرسی کی اطلاع ملی تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیت اللہ کے حج کو آئے اس کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں کو تو واپس کر دیا مگر خود معد نے مکہ ہی میں قیام کا ارادہ کیا اور اُن کی کوششوں سے اُن کا خاندان پھر اُن کے گرد جمع ہونے لگا وہ لوگ جو یمن وشام و عراق کی طرف نکل گئے تھے واپس اپنے پرانے وطن کو لوٹ آئے۔ علامہ زینی دحلان نے "**السیرۃ النبویہ**" میں عدنان کے متعلق لکھا ہے کہ عدنان پہلے شخص ہیں جنھوں نے بیت اللہ شریف کو غلاف

پہنایا اور یہ بھی مشہور ہے کہ اُن کا نام عدنان اس لیے مشہور ہوا کہ یہ عدن سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قائم اور باقی رہنے والا۔ چونکہ شیاطین اور جن وانس کے شر سے اُن کو محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے تھے اس لیے یہ عدنان کے نام سے موسوم ہوئے۔

معد بن عدنان

مورخین نے بیان کیا ہے کہ عدنان کے بیٹوں ہی سے عرب قبیلے متفرق ہوئے اور وہ سارے عرب قبائل جو عہد نبوی میں ہمیں نظر آتے ہیں وہ دراصل عدنان کے بیٹوں عک اور معد ہی کی اولاد تھے۔ معد کی ماں کا نام مہد بنت اللہم تھا جس کا نسب بن جدیس سے جا ملتا ہے جو اصل اولاد اسماعیل تھے۔ بعض نے کہا کہ اس کا تعلق طسم سے ملتا ہے تب بھی بات ایک ہی رہتی ہے اس لیے طسم اور جدیس سگے بھائی اور عربوں کے اجداد تھے اور اولاد اسماعیل انہی کی اولاد تھے جو حرم کے دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ طسم اور جدیس ہی تھے جن کی اولادوں کو ریگزار عرب میں قوم عرب کا نام ملا۔ بعض مورخین نے لکھا کہ معد کی ماں اور باپ دونوں طسم کی اولاد سے تھے جس کا نسب یشقان بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ معد کے بھائیوں میں عک تھا اور دیت تھا۔ اِن تینوں کی ماں ایک ہی تھی اِن کا ایک اور بھائی جس کی ماں الگ تھی اس کا نام عدن تھا جس نے یمن کے اُس علاقے میں سکونت اختیار کی جس کا نام عدن پڑ گیا اور آج تک اسے عدن ہی کہہ کے پکارا جاتا ہے۔ اہل عدن اسی کی اولاد تھے اِن دِنوں غالباً یہ اردن کا کوئی علاقہ ہے۔ عدن اُس علاقے کا حکمران تھا جہاں اس نے عدن نامی یہ شہر بسایا تھا۔ اِن کا ایک بھائی ابین تھا جو عرب کے ایک علاقے ابین میں سکونت پذیر ہوا اور اس علاقے کو اسی کے نام کی وجہ سے ابین کہا جاتا ہے۔ معد کے دیگر بھائیوں میں ایک کا نام اُدّ بن عدنان تھا۔ ایک الٰہی بن عدنان تھا، ایک ضحاک تھا اور ایک کا نام العی تھا۔ العی بن عدنان بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا، اس کے دیگر بھائیوں کی اولاد کے بارے میں تاریخ قدرے اندھیرے میں ہے اور ہم اُن کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ تاہم عربوں کے بعض

اعلیٰ درجے کے ماہرین انساب کا دعویٰ ہے کہ عک اپنے بھائیوں سے الگ ہو کر یمن چلا گیا تھا وہاں اس نے اشعری خاندان میں شادی کی جہاں کی اس کی اولاد نے جنم لیا۔اس کی شہادت اس واقعے سے بھی ملتی ہے کہ جب اس علاقے کے لوگوں نے جس کو حضور کہا جاتا تھا شعیب بن ذی مہدی الحضوری کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ وہ اللہ پیغمبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پہ عذاب اتارنے کا فیصلہ کیا۔یہ عذاب بخت نصر کی صورت میں اُن پہ نازل ہوا۔بخت نصر نے عربوں کو بری شکستوں سے دوچار کیا تاہم اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ بخت نصر کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ معد بن عدنان کو حفاظت کے ساتھ وہاں سے اٹھالائے گا جس میں بخت نصر کامیاب رہا تھا۔

اس کے بعد مدتوں معد بن عدنان بنی اسرائیل میں رہا۔وہیں جوان ہوا اور وہیں اس نے اللہ کی کتاب کا علم حاصل کیا۔جوان ہونے کے بعد معد بن عدنان اپنے وطن کو لوٹ آیا مکہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ اس کے باپ کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں بکھر چکی ہے تو اس نے بہت جدوجہد کے بعد اُن کو پھر سے حدود حرم میں لا بسایا۔تاہم چونکہ بنو عدنان بنو جرہم کی اولاد تھے اس لیے اہل یمن اِن کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔عدنان کے بیٹوں میں سے ہمارے لیے سب سے زیادہ تکریم کا باعث معد بن عدنان ہی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کی پشت میں نورِ نبوت رکھ چھوڑا تھا اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ انھیں کوئی نقصان پہنچا سکے۔

معد اور اُن کی اولاد کی مدح میں ایک عرب شاعر کہتا ہے:

ترکنا الدیت اخوتنا و عکاً
اِلیٰ سمرَان فانطلقوا سواعاً

ہم نے اپنے بھائی دیت اور عک کو سمران جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیزی سے ادھر چل کو دیئے۔

وَكَانُوْا مِنْ بَنِى عَدنان َحتّٰى
اضَاعوا لامر بينُهِم فضا عاً

اور وہ بنو عدنان میں سے تھے مگر جب انھوں نے اپنی بات آپس میں خراب کر لی تو اِن کی بات بگڑ گئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَعَكٌّ بنُ عَدْنَانَ الَّذِيْنَ تَلَقَّبُوا
بِغَسَّانَ حَتّٰى طُرِّدُوْا كُلَّ مَطْرَدِ

اور بنی عک بن عدنان ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بنی غسان کا لقب حاصل کر لیا تھا حتیٰ کہ پھر وہ چاروں طرف پھیل گئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِمّا سَاَلْتِ فَاِنَّا مَعْشَرٌ نُجَبٌ
اَلْاَ سْدُ نِسْبَتُنَا وَالْمَاءُ غَسَّانُ

کیا تو نے کسی سے ہمارے متعلق پوچھا نہیں کہ ہم عربوں کے اشرف لوگ ہیں ہمارا قبیلہ بنی اسد اور غسان ہمارا پنگھٹ ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

نَحْنُ بَنُو الشَّيْخِ الْهِجَانُ الْاَزْهَرِ
قَضَاعَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ حَمْيَرِ

ہم عربوں کے اعلیٰ خاندان سے ہیں اس لیے کہ ہم روشن چہرے والے مشہور بزرگ قضاعہ کی اولاد ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَلنَّسَبِ الْمَعْرُوْفِ غَيْرِ الْمُنْكَرِ
فِى الْحَجَرِ الْمَنْقُوْشِ تَحْتَ الْمِنْبَرِ

اور یہ وہ نسب ہے جسے ہر عرب جانتا ہے ہم گمنام لوگ نہیں بلکہ زیر منبر پتھر پہ منقوش ہیں [*63]۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے، قضاعہ اس کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ نزار قنص اور ایاد بھی معد کی اولاد تھے جن سے عرب قبیلوں نے جنم لیا۔ قضاعہ یمن جا بسا تھا جہاں اس کے ننھال تھے۔ وہ حمیر بن سبا کے ہاں پروان چڑھا تھا بہت سے عرب قبیلوں کو اس کی اولاد کہا جاتا ہے۔ بنی معد کے متعلق علمائے انساب کا بیان ہے کہ قنص کی ساری اولاد تباہ ہو گئی تھی۔ اِن میں جو سے بچ رہے اُن میں سے نعمان بن منذر نامور ہوا اور حیرہ میں بڑی شان سے بادشاہت کی۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے:

کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ سے ایک روایت مجھ تک پہنچی کہ حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا۔ تب کچھ لوگوں کو ایک تلوار ملی۔ بڑے بزرگوں نے اس تلوار کی پہچان کی اور کہا کہ یہ تو نعمان بن منذر کی تلوار ہے۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ یہ تلوار اس کے اصل وارثوں تک پہنچ جانی چاہیے۔

اس لیے انھوں نے لوگوں سے کہا: کیا تم جانتے ہو اس وقت عربوں کا سب سے بڑا ماہر انساب کون ہے؟

لوگوں نے جواب دیا:

جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمرؓ نے اُن کو بلا بھیجا اور علم الانساب میں جبیر بن معطمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے شاگرد تھے جو اپنے وقت میں سب سے بڑے ماہر انساب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کو بیان کیا۔

جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ مسکرائے اور کہا:

اے امیر المومنین: یہ تلوار مجھے دے دیں کیونکہ میں ہی اس کا وارث ہوں۔اس لیے کہ نعمان بن منذر تو معد کے بیٹے قنص کے پس ماندگان میں سے تھا، حالانکہ لوگ غلطی سے اُن کو بنی لخم کی طرف نسبت دیتے ہیں۔حضرت عمرؓ نے وہ تلوار جبیر بن معطمؓ کے حوالے کر دی۔

برہان الدین حلبیؒ نے سیرۃ حلبیہ میں معد بن عدنان کے بارے میں لکھا ہے کہ:
عدنان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔تاہم کچھ مورخین کا دعویٰ یہ ہے کہ عدنان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ہم بھی اس قول کو درست جانتے ہیں اس لیے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس ظن کو استحکام پہنچانے کے لیے قول رسول ﷺ بیان کیا ہے جس کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ عدنان کے زمانے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد نبوت قرار دیا جا سکے۔
حافظ ابن حجر نے کہا کہ باہلیؒ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنا۔

”کہ جب معد بن عدنان کی اولاد چالیس آدمیوں تک پہنچ گئی تو یہ حضرت موسیٰ کی جماعت پہ جا پڑے اور اسے لوٹ لیا حضرت موسیٰ نے اِن کے لیے بد دعا کی تو اللہ کا فرشتہ فوراً ھی اُن کے پاس حاضر ھوا اور کہا کہ آپ اُن لوگوں کے لیے بددعا مت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی پشت سے ایک نبی امی پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ھے جو آخری زمانے میں مبعوث ھوں گے جو بشیر و نذیر ھوں گے ،لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں گے اور دوزخ سےڈرائیں گے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ اس کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ معد کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک زندہ تصور کیا جا سکے۔بعد کے علمائے تاریخ نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عدنان حضرت

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنو جرہم، قوم اعمالیق اور قبائل یمن کی طرف مبعوث کیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی اسحاق علیہ السلام کو اہل شام کی مبعوث کیا گیا اور اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کو اہل کنعان کی طرف مبعوث کیا گیا اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام کو اہل مصر کی طرف مبعوث کیا گیا اور اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات صاف ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد کس اعلیٰ درجہ کے لوگ تھے۔ وہ پیغمبروں کی اولاد تھے اس لیے کہ معد کے بیان میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ طسم وجدلیس سے تھے جو اولاد اسماعیل ہیں۔

نزار بن معد

معد کے تذکرے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ معد کے چار بیٹے تھے۔ قنص، قضاعہ، ایاد اور نزار۔ معد نے نبوت کی امانت نزار کے سپرد کی۔ جب معد کے ہاں نزار پیدا ہوئے تو لوگوں نے اُن کے ماتھے پہ ایک چمک محسوس کی غالباً یہ نورِ نبوت کی چمک تھی۔ معد انتہائی خوبصورت تھے۔ اِن کی ماں کا نام معانہ بنت جوشم بن جہلمہ بن عمرو تھا۔ نزار کی کنیت ابو ایاد تھی۔ بعض نے کہا کہ ابو ربیعہ تھی۔ نزار کی پیدائش پہ معد اتنے خوش تھے کہ انھوں نے بہت سے اونٹ ذبح کیے اور عربوں کی دعوت کی۔ اتنا کچھ صدقہ و خیرات کیا کہ جس کی اس وقت مثال نہ ملتی تھی۔ اگرچہ معد کی اور بھی بہت سی اولادیں تھیں مگر نزار کی بات الگ تھی کہ نور نبوت اِن کے ماتھے سے جھانکتا تھا۔ معد کی دیگر اولادوں میں سے جن کے نام مورخین نے بیان کیے ہیں اُن کی تفصیل ذیل میں بیان کی جا رہی ہے۔ نزار کے حقیقی بھائیوں میں قیض، قناصہ، سنام، حیدان، حیدہ، خیادہ، جنید، قحم، عبدالرماح عرف عوف، شک اور قضاعہ شامل تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ معد کے کئی بیٹے اس کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ تاہم نزار کی بات الگ تھی کہ وہ اپنے باپ کا لاڈلا بیٹا تھا۔ اُن کے نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب نزار معد کے گھر پیدا ہوا تو اس سے معد نے ایسی خوشی محسوس کی جو اس سے پہلے اس کے کسی بیٹے سے اُسے حاصل نہ ہوئی تھی اُن کی آنکھوں کے درمیان اِیک نور تھا جو دیکھنے والوں کو محصور کرتا تھا۔ معد نے نزار کی پیدائش کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کی جس میں سینکڑوں اونٹ ذبح کیے گئے۔

لوگوں نے معد کی اس ضیافت کی تعریف کی!

تو معد نے جواب دیا کہ۔"

"وَقَالَ اِنَّ هٰذَا كُله نَزْرٌ لِحَقِّ هٰذَاالْمَوْلُوْدِ "

کہ اس نعمت خداوندی کے شکر میں میں نے جتنا کچھ خرچ کیا ہے وہ بہت حقیر ہے، میں نے جس قدر صدقہ کیا ہے وہ اس نونہال یمن و برکت کے مقابل بہت قلیل ہے۔اسی وجہ سے اِن کا نام نزار مشہور ہو گیا تھا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور یہ بھی کہا گیا کہ:

وَكَانَ اَجْمَلَ اَهْلِ زَمَانِه وَاَكْبَرَ هُمْ عَقْلاً

"آپ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے حسین وجمیل تھے اور عقل وفہم میں کوئی اِن کا ہمسر نہ تھا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے؛

"لِاَنَّ اَبَاه حِيْنَ وُلِدَلَه وَنَظَرَ اِلَى النُّوْرِبَيْنَ عَيْنَيْهِ وَهُوَ نُوْرُ النُّبُوَّةِ الَّذِىْ كَانَ يَنْقُلُ فِى الْاَصْلَابِ فَرِحَ بِه فَرَحًا شَدِيْدًا وَنَحَرَ وَاَطْعَمَ شَيْئًا كَثِيْراً وَقَالَ هٰذَا اَنَزْرٌ قَلِيْلٌ فِىْ حَقِّ هٰذَا الْمَوْلُوْدِ فَسُمِّىَ نِزَارًا كَذٰلِكَ ۔

ترجمہ؛

جب اُن کی ولادت ہوئی اور اِن کے والد معد نے ان کی آنکھوں کے درمیان وہ نورِ نبوت چمکتا دیکھا جو پشت در پشت منتقل ہوتا چلا آرہا تھا تو اِن کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور آپ نے کثیر تعدا د میں اونٹ ذبح کیے اور پرتکلف دعوت طعام کا اہتمام کیا جس پر بڑا روپیہ خرچ ہوا اس کے باوجود انھوں نے کہا کہ اس بیٹے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جو انعام مجھ پہ کیا ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ میں نے

خرچ کیا ہے وہ تو کچھ بھی نہیں اسی سے اس مولود مسعود کا نام نزار مشہور ہو گیا تھا "۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

امام عبداللہ سہیلی کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی معد بن نزار کے تذکرے میں اس سے ملتے جلتے خیالات ظاہر کیے ہیں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

امام طبری نے کہا؛

نزار بہت خوبصورت تھے اور اُن کے ماتھے میں ایک چمک تھی جس کی وجہ سے لوگ اُن کے چہرے کو تکتے رہتے اور نظر نہ ہٹا سکتے تھے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ مارودی نے " اعلام انبوۃ "میں لکھا ہے؛

معد کے یہ فرزند بڑے بلند اقبال تھے لوگ اُن سے محبت کرتے تھے اور جس بادشاہ کے دربار میں بھی وہ جاتے تو وہ اِن کی ہیبت سے اٹھ کھڑا ہوتا۔ بادشاہ اِن کا اکرام کرتے اور بڑی محبت کے ساتھ اُن سے پیش آتے۔ اُن کے مقدر میں جو رفعت لکھی گئی تھی معد کے دوسرے بیٹے اس سعادت سے محروم تھے۔ نزار کی پشت میں نورِ نبوت تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھے۔ اُن کی قسمت کا ستارہ بھی خوب تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر حوالے سے فراغت اور آسودگی عطا فرما رکھی تھی"۔

مضر بن نزار

نزار کی اولادوں میں سے اللہ تعالیٰ نے مضر کو چنا کہ نورِ نبوت اُن کی پشت میں منتقل ہوا اور انھیں نبی اکرم ﷺ کے آباء ہونے کا شرف عطا کیا گیا۔ یہ وہ شرف وسعادت ہے جس کی رفعتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ نزار کے چار بیٹے تھے اور سب کے سب عربوں کے مشہور سردار تھے۔ مضر بھی اپنے آباء کی طرح حسن و جمال میں یکتا تھے اور جو بھی اُن کے چہرے پہ نظر ڈالتا فریفتہ ہو جاتا اس لیے کہ اُن کے چہرے پہ بھی نور مصطفیٰ ﷺ کے جلوے ضوفشاں تھے۔

دیگر مورخین نے بھی مضر کے حسن کی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اُن کا شمار وقت کے صاحبِ دانش افراد میں کیا جاتا تھا۔ اُن سے ایسے بہت سے اقوال وابستہ ہیں جن سے دانش جھانکتی ہے۔ مثال کے طور پہ انھوں نے فرمایا:

خَيْرُ الْخَيْرِ اَعْجَلُهٗ

بہترین بھلائی وہ ہے جو فوراً کی جائے۔

فَاحْمِلُوْا اَنْفُسَكُمْ عَلٰى مَكْرُوْهِهَا وَاَصْرِفُوْهَا عَنْ هَوَاهَا

اپنے نفسوں کو مشکل باتوں کا خوگر بناؤ اور ہوا و ہوس سے اس کا رخ پھیرے رکھو۔

لَيْسَ بَيْنَ الصَّلَاحِ وَالْفَسَادِ اِلَّا صَبْرٌ فُوَاقٌ

صلاح وفساد کے مابین اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ کسی شیر دار جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مضر کی ماں سودہ بنت عک تھی۔ مضر کا حقیقی بھائی ایاد تھا اور دو علاتی بھائی ربیعہ اور انمار تھے۔ ربیعہ اور انمار کی ماں جبد الہ بنت دعلان تھی جس کا نسب بنو جرہم سے جاملتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مضر کو جمال صورت کے ساتھ ساتھ لحن داؤدی بھی عطا کر رکھا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ عربوں میں حدی خوانی کا آغاز انھی سے ہوا کہ ایک روز مضر اپنے اونٹ سے گر پڑے تھے جس سے اُن کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی وہ درد سے بیتاب ہوئے اور پکار اٹھے۔

وایدیاہ وایدیاہ!

اُن کی آواز اتنی خوبصورت تھی اور لے اتنی متوازن تھی کہ اونٹ اُن کی طرف دوڑے آئے تب انھوں نے جانا کہ اُن کی یہ صدا سن کر اونٹ اِن کی لپکے ہیں اس طرح انھوں نے صحت مند ہونے کے بعد بھی اسی آواز سے اونٹوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور یوں عربوں میں حدی خوانی کا آغاز ہوا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ آلوسی نے بلوغ الارب میں ابن قتیبہ کے حوالے سے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے۔

زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ آنحضرت محمد ﷺ نے ایک رات جب مکے کے راستے غناء میں حدی خوانوں کو سنا تو آپ اُس طرف کو ہو لیے اور حدی خوانوں سے کہا تمہارا باپ مضر اپنے کسی چرواہے کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے اونٹ منتشر ہیں انھوں نے اس چرواہے کے ہاتھ پہ لاٹھی ماری جس کی وجہ سے وہ چلانے لگا۔

وایدیاہ وایدیاہ!

اُس کی یہ درد بھری آواز سن کر اونٹ دور دور سے اس کے پاس آنے لگے اور تھوڑی دیر میں اس کا گلہ پورا ہو گیا اس کے بعد وہ اونٹوں کو اسی آواز سے اکٹھا کرنے لگا اس طرح عربوں میں حدی خوانی کا آغاز ہوا۔

اِن دونوں روایتوں میں بہرحال یہ بات مشترک ہے کہ حدی خوانی مضر ہی سے شروع ہوئی تھی اور بعد میں یہ نغمہ صحراؤں میں سفر کرتے قافلوں کی پہچان بن گیا۔

یاد رہے کہ نزار کے چار بیٹے تھے۔

مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار ۔

جب نزار کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا میں نے سرخ رنگ کا قبہ اور اس سے متعلقہ چیزیں ایاد کے لیے چھوڑیں ہیں۔ ندوہ اور اسکی مجلس انمار کی ہیں اور میرے گزرنے کے بعد اگر تمھارے مابین کوئی جھگڑا ہو تو تم اس کا تصفیہ نجران کے افعیٰ جرہمی سے کرانا۔ بیٹوں کو باپ کی وصیت سمجھ میں نہ آئی تھی اس لیے وہ افعیٰ جرہمی کی طرف روانہ ہوئے اور اُس سے اپنے اس قضئے کا فیصلہ کرایا۔ اس واقعہ کی تفصیلات اسی کتاب کی جلد سوم (تمدن عرب) میں بیان ہوچکیں ہیں اس لیے طوالت کے خوف سے انھیں یہاں نظرانداز کیا جا رہا ہے۔

الیاس بن مضر

مضر کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے الیاس کو چنا اور انھیں اس سعادت سے بہرہ مند فرمایا کہ اُن کو نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا اور یہ وہ سعادت ہے جس سے بڑھ کے اور کچھ بھی نہیں۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء جاہلیت کی خرافات سے دور رہتے تھے اور اُن میں سے ہر شخص اپنے معاشرے میں چمکتے چاند طرح ہوتا۔ اس کا کردار اور افعال دوسروں سے برتر ہوتے اور وہ شخص دور ہی سے کسی خاص اہمیت کا حامل نظر آتا۔ اور یہ آبائے رسول ﷺ کا خاصہ تھا کہ وہ خوبصورت ہوتے اُن کے ماتھے پہ وہ چمک ہوتی جسے مورخین نے نورِ نبوت کہا گیا ہے۔

الیاس بن مضر کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ؛

وہ قبائل عرب کے سردار تھے۔ الیاس کی ماں کا نام رباب بنت حیدر بن معد بیان کیا گیا ہے۔ الیاس کا ایک حقیقی بھائی عیلان تھا اور عیلان کو لوگ اس کی سخاوت اور فیاضی کی وجہ سے جانتے تھے۔ لوگ عیلان کو ڈرایا کرتے کہ اتنی سخاوت اور فیاضی ایک دن تم کو مفلس بنا دے گی۔ وہ اس کی ملامت کرتے اور اس سے کہتے کہ تم ایک دن ضرور فقیر ہو جاؤ گے اور اس کا یہ نام یعنی عیلان بھی اس کی سخاوت کی وجہ سے تھا۔ تاہم بعض مورخین نے اس کے نام کی دیگر وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

مثلاً یہ کہ اس کے باپ مضر کے پاس کے ایک گھوڑا تھا جس کا نام عیلان تھا اور اس پہ وہ سواری کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام عیلان پڑ گیا تھا۔

بعض نے کہا کہ!

عیلان ایک پہاڑ کا نام تھا جس کی کھو میں عیلان پیدا ہوا تھا اس لیے لوگ اس کو عیلان کہتے تھے۔ کچھ نے کہا کہ؛

چونکہ اس کی پرورش مضر کے ایک عیلان نامی آدمی نے کی تھی اس لیے لوگ اس کو عیلان کہنے لگے۔

جہاں تک الیاس کا تعلق ہے تو وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا اسے اپنے قبیلے میں بہت عزت واحترام حاصل تھا۔ لوگ اس کی باتیں سنتے اور اُن پہ عمل کرتے۔ قبائل عرب نے الیاس کو "**سید العشیرۃ**" کا لقب عطا کر رکھا تھا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے قبیلے کا حکم بھی تھا اور لوگ اپنے معاملات لے کر اس کے پاس آیا کرتے تھے کیونکہ انھیں الیاس کی دانش اور اس کے عدل پہ بھرپور اعتماد تھا۔

اُن کے بارے میں مورخین نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ شریف میں قربانی کا جانور لے کر جانے والا بھی الیاس ہی تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک بار جب الیاس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ:

لَاتَسُبُّوا الْاِلْیَاسَ فَاِنَّہٗ کَانَ مُؤْمِنًا وَکَانَ فِی الْعَرَبِ مِثْلَ لُقْمَانِ الْحَکِیْمِ فِیْ قَوْمِہٖ۔

ترجمہ؛

" کہ الیاس کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ مومن تھے اہل عرب میں اِن کی مثال ایسی تھی جسے اپنی قوم میں حکیم لقمان تھے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربوں کے مشہور ماہر انساب ابن الزبیر سے منقول ہے کہ:

جب الیاس جوان ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کی قوم گمراہ ہو چکی ہے اور وہ اپنے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کو بھلا چکے ہیں۔ اور انھوں نے اپنے دین کے اندر طرح طرح کی نئی باتیں وضع

کر لی ہیں جس کی وجہ سے یہ امر یقینی تھا کہ اب اُن کی قوم کا ہر اٹھتا قدم اُن کو گمراہی طرف لے جائے گا۔ لوگوں کو اگر چہ اس بات کا کوئی احساس نہ تھا کہ وہ جہالت اور گمراہی کے اندھے غار کی طرف جا رہے ہیں مگر اُن کے سردار الیاس نے صورت حال کی سنگینی کو محسوس کر لیا تھا اس لیے انھوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کو دین اسماعیل کی طرف پھر سے راغب کرنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ انھوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اُن سے کہا:

اپنی عقلوں پہ پڑے پردوں کو اٹھاؤ اور اس جہالت کو محسوس کرو جس کی طرف تم قدم بہ قدم جا رہے ہو۔ یاد کرو تم کس چیز کو کھو رہے ہو اور کس چیز کو تم حاصل کر رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے اپنے جلیل القدر باپ ابراہیم علیہ السلام اور مشفق پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کو بھلا دیا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ اس لیے میں تم کو اس کی یاد دہانی کرا رہا ہوں کہ اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے اور نئی نئی باتیں اپنے دین میں شامل کرنے سے نہ رکے تو وہ دن دور نہیں جب تمھارے دامن حقیقی علم سے خالی ہو جائیں گے اور تم اپنے عقائد میں تبدیلی کی بنا پہ جہالت کے اندھے غار میں جا گرو گے۔

انھوں نے مزید کہا:

جو لوگ اپنی بنیاد کو فراموش کر دیتے ہیں اپنی اصل کو چھوڑ دیتے ہیں اُن کی آخری منزل یقیناً ذلت ہے جو دنیا میں انسان کا پیچھا چھوڑتی ہے اور نہ آخرت میں انسان کوئی درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہ لوگوں کو دین اسماعیل کی طرف مائل کرتے رہے آخر انھیں اپنی اِن کوششوں میں کامیابی ہوئی اور اُن کی قوم نے اُن کی مسلسل دعوت کے نتیجے میں خود کو ازسرِنو راہ راست پہ استوار کر لیا۔ انھوں نے اپنے دین کی اس اصل کو اختیار کر لیا جو اِن کے سلف صالحین نے اِن کے لیے پسند کیا تھا چونکہ قبیلے کے مرد و زن دل سے آپ کی تعظیم کرتے تھے اس لیے وہ اِن کی ہر بات کو دل لگا کے سنتے اور اس سے اپنا فائدہ حاصل کرتے۔

مورخین نے الیاس کے بارے میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

الیاس کا شمار اپنے وقت کے صاحب دانش لوگوں میں کیا جاتا تھا اور اُن کی باتیں حکمت سے مزین ہوا کرتی تھیں جن سے لوگ اپنی عقلوں کو روشن کرتے اور اُن اعلیٰ تخیلات سے اپنی راہیں روشن کرتے جو اُن

کو اپنے صاحب دانش لوگوں سے حاصل ہوتیں۔

الیاس کے حکیمانہ اقوال سے بطور مثال اُن کے چند اقوال ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں جن سے اُن کی گہری فراست کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مَنْ يَزْرَعْ خَيْراً يَحْصُدْ غِبْطَةً

جو خیر کو بوتا ہے وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے۔

مَنْ يَزْرَعْ شَرًّا يَحْصُدْ نَدَامَةً

جو شر کو بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے!

قال ابن دحيه رحمه الله تعالٰى وهو وصى ابيه وكان ذا جمال بارع۔

اور ابن دحیہؒ نے کہا کہ الیاس اپنے باپ کے وصی اور جانشین تھے اور وہ بہت خوبصورت جوان تھے۔

مدرکہ بن الیاس

مدرکہ کا اصل نام عمرو تھا، الیاس کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے مدرکہ کو اس سعادت کے لیے چنا کہ انھیں نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد میں شامل کیا جائے۔ اپنے آباء کی طرح مدرکہ بھی یقینی طور پہ اُن اعلیٰ خصوصیات کا حامل تھا جو اُن کے آباء کو حاصل تھیں۔ علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اُن کی ماں کا نام خندف تھا۔ خندف دراصل اس کا لقب تھا اُس کا اصل نام لیلی بنت حلوان تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ خندف کی ماں کا نام ضریہ بنت ربیعہ بن نزار تھا اور قبیلے میں اُسے بہت عزت و تکریم حاصل تھی۔ بیان کیا گیا کہ عربوں کی ایک مشہور چراگاہ ''ضریہ'' خندف کی ماں ہی کے نام پہ تھی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ ایک بار جب الیاس اپنے بیٹوں کے ساتھ شکار پہ تھا اور اُس کی بیوی یعنی مدرکہ کی ماں خندف بھی اُن کے ہمراہ تھی۔ تب وہ خیمے سے ایک خاص چال چلتی ہوئی نکلی تو الیاس نے اسے پکارا کہ وہ اس خاص ادا کے ساتھ چلتی ہوئی کہاں جا رہی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام خندف پڑ گیا تھا کہ خندف خاص طرح سے چلنے والوں ہی کو کہا جاتا ہے یا یہ کہ خندف ایک خاص قسم کی چال کو کہتے ہیں۔

خندف نے عربوں میں عزت و تکریم کا مقام حاصل کیا۔

یہاں تک کہ ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے؛

الیاس کے بیٹے باپ کی بجائے اپنی ماں کی طرف منسوب ہوئے اور انھیں بنی خندف کہا گیا اور خندف اہل یمن سے تھی۔ اپنے نسب کا اظہار کرتے ہوئے قصی بن کلاب نے کہا تھا کہ:

امتی خندف والیاس ابی :

”کہ میری ماں خندف ہے اور میرا باپ الیاس ہے“

الیاس کے تین بیٹے تھے جن کے نام مورخین نے یوں بیان کیے ہیں۔

وہ عمرو، عامر اور عمیر تھے۔

اور عمرو مدرکہ تھا۔ جب کہ اس کے دوسرے بھائی عامر اور عمیر تھے۔ الیاس نے اپنے بیٹوں کو اُن کی خصوصیات کی بنا پہ طانجہ، قمہ اور مدرکہ کہا۔ اس لیے کہ ایک دفعہ جب الیاس اپنے بیٹوں کے ساتھ شکار پہ تھا تب اُس نے دیکھا کہ؛

عمرو اور عامر اونٹ چرا رہے تھے تب اُن کے پھندے میں ایک خرگوش پھنس گیا اور وہ دونوں اسے پکانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ اسی اثناء میں اُن کے اونٹ کسی جانور کے ڈر سے بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے تب عامر نے عمرو سے کہا:

شکار پکاؤ گے یا اونٹ پکڑو گے۔

عمرو نے کہا: شکار پکاؤں گا تب اس کے باپ نے اسے مدرکہ کہا۔

عامر اونٹوں کو تلاش کر لایا تو اس کے باپ نے اسے طانجہ کہا۔

اور اُن کا تیسرا بھائی عمیر کاہلی سے خیمے ہی میں لیٹا رہا اس لیے اُس کے باپ نے اُس کو قمعہ کہا۔

امام طبری نے اسی واقعے کو ابن ہشام سے روایت کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ الیاس اپنی چراگاہ میں اونٹ چرانے گیا اور وہاں خرگوش سے اس کے اونٹ بدک گئے۔ عمرو جا کر اونٹوں کو پکڑ لایا تو اس کے باپ نے اس کو مدرکہ کہا اور عامر نے خرگوش پکایا تو اس کو طابخہ کہا گیا اور عمیر کی کاہلی کے سبب اُس کے باپ نے اسے قمع کہا۔

دیگر مورخین نے بھی اُن کے ناموں کی یہی یا اس سے ملتی جلتی وجوہات ہی بیان کی ہیں بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

طانجہ یعنی عامر ہی ابوخزاعہ ہے۔

تاہم امام عبداللہ سہیلی نے اُن کے ناموں میں اختلاف ظاہر کیا ہے۔

اس کے مطابق مدرکہ عامر تھا اور عمرو طابخہ تھا۔ جب دیگر کئی مورخین نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

زینی دحلان نے اپنی کتاب "سیرۃ النبویہ" میں الیاس بن مدرکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ!

الیاس نے اپنے بیٹے عمرو کو مدرکہ اس طرح کہا کہ:

انك قد ادركت ما طلبتا

تو نے جس چیز کو طلب کیا اُس کو پالیا اس لیے تو مدرکہ ہے۔

و انت قد انصبحت ما طنجتا

اور تو نے جو پکایا اسے خوب بھون کر پکایا اس لیے تیرا نام طابخہ ہے۔

و انت قد اسَات و انقمعتا

تو نے برا کیا اور نکما ہو گیا اس لیے تو قمعہ ہے۔

مدرکہ عربوں کا مسلّمہ سردار تھا اور لوگوں میں اس کی عزت و تکریم تھی۔ وہ اپنے آباء ہی کی طرح حسین و جمیل اور صاحب دانش و صاحب امر تھا۔ اس لیے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل تھا اور یہ وہ سعادت ہے جسے کسب و جہد سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ مدرکہ کو نورِ نبوت کی امانت سونپی گئی تا کہ وہ اسے آنے والے لوگوں کی طرف منتقل کرے حتیٰ کہ امرالٰہی تکمیل تک پہنچے۔

خزیمہ بن مدرکہ

مدرکہ کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے خزیمہ کا انتخاب کیا اور اسے نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیے جانے کی سعادت سے بہرہ مند کیا۔ آبائے قریش حقیقت میں وہ لوگ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے آسودگی اور فراغت عطا کر رکھی تھی۔ خزیمہ بھی نبی اکرم ﷺ کے دوسرے آباء کی طرح خوبصورت تھے ،خوش رو تھے اور اُن کے ماتھے میں بھی نورِ نبوت کی چمک تھی۔ خزیمہ کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ دین ابراہیم پہ پختہ تھے اور اپنی قوم کو بھی اپنے اصل دین پہ قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ خزیمہ کے بارے میں مورخین زیادہ معلومات فراہم نہیں کر سکے۔ اس لیے ہم اُن کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔

تاہم اتنا ضرور معلوم ہو سکا ہے کہ خزیمہ کی والدہ کا نام سلمٰی بنت اسلم تھی۔ سلمٰی بنت اسلم کا تعلق الحاف بن قضاعہ سے بتایا جاتا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ خزیمہ اور ہذیل کی ماں سلمٰی کا تعلق اسد بنت ربیعہ سے تھا اور ہذیل خزیمہ کا سگا بھائی تھا۔ جبکہ ماں کی طرف سے اس کا ایک اخیافی بھائی بھی تھا جس کا نام مورخین نے تغلب بن حلوان لکھا ہے۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ خزیمہ کے چار بیٹے تھے اور اُن کی ماں یعنی خزیمہ کی بیوی کا نام برۃ بنت مر بن اد بن طابخہ تھا۔

چنانچہ اُن کے مکارم و اخلاق کے بارے میں امام محمد بن یوسف الصالحی لکھا ہے کہ :

”وَكَانَتْ لَهُ عَلَى النَّاسِ مَكَارِمُ اَخْلَاقٍ وَاَفْضَالٍ بَعْدَ الزَّمَانِ حَتّٰى قِيْلَ فِيْهِ اَمَّا خُزَيْمَةُ فَالْمَكَارِمُ جَمَّةٌ سَبَقَتْ اِلَيْهِ وَلَبِسَ ثَمَّ عَنِيْدٌ۔

ترجمہ؛

''یعنی لوگوں پہ ان کے انعامات واحسانات کی کوئی حد نہ تھی اے خزیمہ! سارے کے سارے عمدہ اخلاق تیری ذات میں جمع ہوگئے ہیں اورتم میں مکروفریب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا''۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

اورحقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ مورخین نے بھی بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء میں وہ تمام اعلیٰ اخلاقی اوصاف موجودرہے ہیں جوکسی بھی انسان کے لیے باعث شرف قرار دیئے جاسکتے ہیں۔اُن کا ایک وصف یہ رہاہے کہ وہ کم وبیش دین ابرہیم پہ پختگی سے قائم رہے ہیں اگرچہ گزرتے وقت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات معدوم ہوتی رہیں تھیں مگراس کے باوجوداُن کے ہاں دین ابراہیم سے نسبت رکھنے والے جوشعائربھی موجودرہے نبی اکرم ﷺ کے آباء نے اِن کومتاع عزیز جانتے ہوئے سینے سے لگائے رکھا۔وہ بت پرستی اورشرک کی اُن آلودہ رسومات سے دورہی رہے جوعمروبن لحی الخزاعی جیسے لوگوں نے دین ابراہیم میں شامل کرلیں تھیں۔وہ حج کرتے،عمرہ کرتے قربانی کرتے،نکاح کرتے اور خودکوپاک وصاف رکھتے جس کی وجہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت تھی اوراہل عرب اپنی اس نسبت پہ نازاں تھے وہ برملاخودکوحضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیروقرار دیتے اورانھوں نے بیت اللہ کی رونق کو ہزاروں سال سے برقراررکھاہواتھا۔

کنانہ بن خزیمہ

خزیمہ کی اولاد سے کنانہ کا انتخاب ہوا اور کنانہ عربوں کا مشہور سردار تھا۔ وہ عربوں کا حکم تھا اور لوگ اس کی گہری فہم وفراست کی وجہ سے اپنے معاملات لے کر اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ کنانہ اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے حامل ایک ایسا عرب سردار تھا جس کے شرف وقوت کی سارے عرب میں دھوم تھی۔ اس کے دور میں ہی بنی کنانہ عربوں کی ایک قابل ذکر قوت بن کے ابھرے تھے۔ کنانہ کی صلاحیتوں کی بدولت اُن کے قبیلے نے عربوں میں ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ کنانہ کی اولاد نے بہت ترقی کی تھی اور عربوں میں اپنی قوت کو منوایا تھا۔ وہ حرم کے پاسبان بھی تھے اور والئ بھی اس لیے لوگ جہاں اِن کی عزت کرتے تھے وہیں انھیں تکریم سادات بھی عطا کرتے تھے۔

علامہ طبری نے کنانہ بن خزیمہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

اُن کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان تھا جبکہ بعض دیگر مورخین نے اُن کی ماں کا نام ہند بنت عمرو بن قیس لکھا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِن میں سے درست کونسا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے کنانہ کے بھائیوں کے نام لکھے ہیں۔

کنانہ کے علاتی بھائیوں میں ایک اسد تھا اور ایک کو اسدہ کہا گیا کہ اسدہ نے ہی بعد میں ابوجذام کے نام سے عربوں میں شہرت حاصل کی۔ اس کا تیسرا بھائی ہونی تھا۔ اس کی ماں کا نام برہ بنت مر بن اد بن طانجہ تھا اور یہی نضر بن کنانہ کی ماں تھی۔

بیان کیا گیا ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ کے دیگر آباء کی طرح کنانہ بھی خوبصورت اور شجاع جوان تھا جس کی طاقت سے لوگ خائف رہتے تھے۔ کنانہ کا شمار اہل عرب کے سخیوں میں بھی کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کے جود و سخا کی بھی کوئی حد نہ تھی۔ کنانہ نے طویل عمر پائی تھی اور اپنے بہت سے بیٹوں اور پوتوں کو کھلایا تھا۔ وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بھی اُن کے ہاں باعث تکریم جانا جاتا تھا۔

امام محمد یوسف نے کنانہ بن خزیمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

کنانہ کا اصل نام تو کچھ اور تھا مگر وہ اپنے لقب کی وجہ جانا جاتا تھا کنانہ کا معنی ترکش ہے جو اپنے اندر تیروں کو چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح کنانہ نے بھی اپنی ساری قوم کو اپنے جود و کرم اور علم و فضل کے دامن میں اس طرح چھپا لیا تھا جس طرح کی ترکش اپنے تیروں کو چھپا لیتا ہے اس لیے اُس کو کنانہ کہا گیا۔ اپنے اصل نام کی بہ نسبت وہ کنانہ کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ کنانہ کی کنیت ابو نضر تھی جو ان کے بڑے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نورِ نبوت کنانہ سے نضر میں منتقل کیا تھا اُن کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد تھا۔

امام محمد یوسف نے اُن کے بارے میں مزید بیان کیا ہے کہ: [*64]

" قال عامر العدوانی لابنه فی وصیته بابنی ادرکت کنانه بن خزیمة وکان شیخا مسنا عظیم القدر وکانت العرب تحج الیه لعلمه و فضله فقال انه قداٰن خروج بنی من مکة یدعی احمدیه عوالی الله والی البروالاحسان ومکارم الاخلاق فانبوه فزدادوا شرفا وعزا الی عزکُم۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

"کہ عامر العدوانی نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا!

اے میرے فرزند! میں نے کنانہ بن خزیمہ کو اس حالت میں دیکھا ہے جب وہ بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے اور اِن کے علم و فضل کی وجہ سے اہل عرب دور دراز سے اُن کی زیارت کو آیا کرتے تھے اور انھوں نے

کہا!

اے میری قوم کے لوگو؛ مکہ سے ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ لگا ہے اُن کا نام احمد ہوگا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں گے، وہ تم کو مکارم اخلاق کی تلقین فرمائیں گے، وہ تم کو اللہ تعالیٰ پہ ایمان لانے کی دعوت دیں گے، وہ تم کو احسان اور فلاح کی طرف بلائیں گے۔

پس اے اہل عرب تم پہ لازم ہے تم اُن کی پیروی کرنا:

اس سے تمھاری عزت وشرف میں اضافہ ہوگا اور کنانہ بن خزیمہ کے بارے میں مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک روز کنانہ حرم میں سو رہے تھے تو انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا اُن سے کہہ رہا ہے کہ اِن چیزوں میں جو تمہیں پسند ہو وہ چن لو گھوڑے، اونٹ، تعمیرات یا دائمی عزت۔

تو کنانہ بن خزیمہ نے اس کے جواب میں کہا!

اے میرے اللہ! کیا ہی اچھا ہو اگر تو یہ سب مجھے عطا کر دے!

تو کہنے والے نے کہا! اللہ نے یہ سب تمہیں عطا کیا اور بعد میں قریش کو جو عزت وسطوت حاصل ہوئی اس سے کہا جا سکتا ہے کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ سب کچھ عطا کر دیا تھا۔[65*]

نضر بن کنانہ

کنانہ کے بہت سے بیٹے تھے جن میں سے اللہ تعالیٰ نے نضر بن کنانہ کا انتخاب کیا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ نضر کا چہرہ چمن بہار میں کھلتے گُل کی طرح تھا جس سے نور کی چمک پڑتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے اِن کو نضر کا لقب عطا کیا حالانکہ اُن کا اصل نام قیس تھا۔ ابن اسحاقؒ کے حوالے سے امام عبداللہ سہیلی نے لکھا ہے کہ کنانہ بن خزیمہ کے چار بیٹے تھے۔[66*]۔یعنی النضر بن کنانہ مالک بن کنانہ، عبدمناۃ بن کنانہ اور ملکان بن کنانہ اور نضر کی ماں کا نام برہ بنت مر بن ادبن تھا۔ کنانہ کی باقی اولاد کسی اور عورت سے تھی۔

جبکہ ابن ہشام کا نقطہ نظر اپنے استاد ابن اسحاق سے مختلف ہے''۔

انھوں نے کہا ہے کہ کنانہ بن خزیمہ کی ماں برہ بنت مر سے نضر، مالک اور ملکان نے جنم لیا جب کہ صرف عبدمناۃ کی ماں مختلف تھی جس کا نام انھوں نے ہالہ بنت سوید الغریطف لکھا ہے۔

اور اُن کو غریطف اس لیے کہا گیا کہ کیونکہ اُن کے مابین بغض وعناد پایا جاتا تھا

جبکہ علامہ ابن جریر طبری سے منقول ہے کہ:

نضر بن کنانہ کے حقیقی بھائیوں میں نضیر، مالک، ملکان، عامر، حارث، عمرو، سعد، عوف، غنم، مخرمہ جرول ،غزواں اور حدال شامل تھے اور اِن سب کی ماں کا نام برہ بنت اوبن طانجہ تھا اور قیس یعنی نضر کا صرف ایک علاقی بھائی تھا جس کا نام عبدمناۃ تھا اور اس کی ماں کا نام فکیھ تھا اس کا تعلق بنو قضاعہ سے بیان کیا گیا ہے۔ بعض مورخین نے اُن کا نام فکھ بھی لکھا ہے اور نضر بن کنانہ ہی کو قریش کہا جاتا ہے بیان کیا گیا ہے

کہ نضر کے بیٹے حج کے لیے آنے والے لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اس لیے لوگوں نے انھیں قریش کہا!

اُن کا ایک شاعر کہا ہے کہ [*67]۔

اَلَیسَ بِالصَلْتِ اَمْ لَیْسَ اِخْوَتِیْ

لِکُلِّ ھِجَانٍ مِنْ بَنِی النَضرَ اَزْھَرَا

کیا میرا باپ صلت نہیں کیا میرے بھائی بنو نضر کے کریموں میں سب سے زیادہ شہرت کے حامل نہیں[*68]۔

رَا ئَیتُ ثِیَابَ العَصْبِ مُخْتَلِطَ السَّدٰی

بِنَا وَبِھِمُ وَالْحَضْرَامِیّ اَلْمُخَصَّرَا

میں نے ملاحظہ کیا ہے کہ ہماری یمنی چادریں ایک جیسی ہیں اور ہمارے اور اُن کے جوتے بھی ایک جیسے ہیں یعنی ایک طرف سے تنگ ہیں۔

اِذَا مَا قَطَعْنَا مِنْ قُرَیْشٍ قَرَابَۃً

بِاَیِّ نِجَادٍ یَحْمِلُ السَّیْفُ مَیْسَرَا

اور تم جانتے ہو کہ اگر ہم قریش سے الگ ہو جائیں تو پھر کس ٹیلے پر تلوار سے جوا کھیلا جائے گا۔

فَإِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِىْ النَّضَرِ فَاتْرُكُوْا
اَرَكًا بِاَذْنَابِ الفَوَائِجِ اَخْضَرا

اور اگر تم بنونضر سے نہیں ہوتو پھر ان سرسبز درختوں کو چھوڑ دو جو وادی کی بلندی پہ موجود ہیں۔

نضر بن کنانہ کی ماں کے بارے مستشرقین نے ایک ابہام پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ازالہ کرنا یہاں ضروری خیال کیا گیا ہے۔واقعہ کچھ یوں ہے کہ خزیمہ کی وفات کے بعد کنانہ نے اُن کی بیوی پہ کپڑا ڈال دیا تھا عرب میں رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ کو اس کا بڑا بیٹا اپنے تصرف میں لے سکتا تھا۔اگر چہ یہ امر شاذ تھا اور شرفاء میں مقبول نہ تھا۔چنانچہ مستشرقین کا یہ کہنا تو درست ہے کہ کنانہ نے اپنے باپ کی منکوحہ پہ کپڑا ڈال دیا تھا یعنی انھیں اپنے تصرف میں لے لیا تھا مگر اُن کا یہ کہنا کہ اسی عورت سے نضر پیدا ہوا یہ ایک کھلا جھوٹ ہے جس کے رد میں مسلمان حکماء نے باقاعدہ کتابیں اور مقالات لکھے ہیں۔دراصل یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ وہ عورت جس پہ کنانہ نے کپڑا ڈالا تھا اور وہ عورت جو دراصل نضر کی ماں تھی اُن کا نام بھی اتفاق سے ایک ہی تھا یعنی برہ بنت مر۔ایک برہ خزیمہ کی بیوی تھی جس پہ کنانہ نے تصرف حاصل کیا۔مورخین نے اس کے بارے لکھا ہے کہ وہ ایک بوڑھی عورت تھی[69*] کنانہ نے اس پہ کپڑا محض مال و دولت کے لیے ڈالا تھا۔کنانہ نے نہ اس سے صحبت کی اور نہ ہی اس بوڑھی عورت سے اُن کی کوئی اولاد ہوئی اور یہ کہ یہ اہل مغرب کے صاحبِ دانش کی وہ جلن تھی وہ حسد تھا جس میں وہ اس وقت سے مبتلا ہیں جب سے نبوت بنواسرائیل سے چھین کر بنی اسماعیل میں منتقل کی گئی تھی۔

اور برہ جو نضر کی ماں تھی وہ بنو قضاعہ سے تھی اور کنانہ کے چچا کی بیٹی تھی اور کم عمری میں اُن کی شادی کنانہ سے کر دی گئی تھی جس کا ثبوت امام طبری نے مہیا کیا ہے کہ اُن سے کنانہ کے نو بیٹے تھے اور یہ بھی کہ جب خزیمہ بن مدرکہ فوت ہوا اور اس کی بیوی پہ کنانہ نے چادر ڈالی اس وقت نضر نہ صرف پیدا ہو چکے تھے بلکہ جوان تھے۔اِن کے علاوہ بھی کنانہ کے کئی بیٹے برہ بنت مر سے اس وقت موجود تھے۔عہد اسلامی کے

مورخین میں اس بابت کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا اور جو بات حق تھی اس کا انھوں نے برملا اظہار کیا ہے جیسا کہ ابوعثمان جاحظ کے اِن الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

”اِنَّ کِنَانَۃَ خَلَفَ عَلٰی زَوْجَۃِ اَبِیْہِ وَمَاتَتْ وَلَمْ تَلِدْلَہٗ ذَکَرًا وَ لَا اُنْثٰی وَنَکَحَ بِنْتَ اَخِیْھَا وَھِیَ بَرَّۃُ بِنْتَ مُرِّ بِنِ طَابِخَۃَ فَوَلَدَتْ لَہُ النَّضَرَ وَاِنَّمَا غَلَطَ کَثِیْرٌ“ لَمَّا سَمِعُوْا اَنَّ کِنَانَۃَ خَلَفَ عَلٰی زَوْجَۃِ اَبِیْہِ لِاتِّفَاقِ اِسْمَیِ الزَّوْجَتَیْنِ وَتَقَارُبِ النَّسَبِ وَمَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ یَّکُوْنَ اَصَابَ نَسَبَہُ الشَّرِیْفَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِکَاحُ مَقْتٍ وَقَدْ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَازِلْتُ اَخْرُجُ مِنْ نِکَاحٍ کَنِکَاحِ الْاِسْلَامِ وَمَنْ قَالَ غَیْرَ ھٰذَا وَقَدْ خَطَاَ وَ شَکَّ فِیْ ھٰذَاالْخَبَرِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ طَھَّرَہٗ مِنْ کُلِّ وَصْمٍ تَطْھِیْرًا۔

ترجمہ؛

”کنانہ کے والد خزیمہ کا جب انتقال ہوا تو زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق انھوں نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا تاہم وہ جلد ہی فوت ہوگئیں اور اِن کے شکم سے نہ کوئی بیٹا پیدا ہوا نہ کوئی بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد کنانہ نے اپنی پہلی بیوی کے بھائی کی بیٹی سے نکاح کیا جس کا نام برہ بنت مر بن اُد بن طانجہ تھا اور انھیں کے شکم سے کنانہ کے فرزند نضر پیدا ہوئے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے جب یہ سنا کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ کنانہ نے اپنے باپ کی جس بیوی کو اپنی زوجیت میں لیا تھا اسی سے نضر پیدا ہوئے ہیں اور اس غلط فہمی کی وجہ یہ تھی کہ دونوں بیویوں کے نام بھی ایک تھے اور دونوں کا باہم رشتہ بھی بہت قریبی تھا لیکن ہم لوگ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے نسب پاک پہ ناپسندیدہ اور مبغوض نکاح کا داغ لگائیں حالانکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمادیا ہے کہ میں ابتداء سے آخر تک اسلامی نکاح کے مطابق ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوا ہوں“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات میں مستشرقین نے جس طرح اپنی زندگیاں اور ایمان گنوایا ہے اُن کے طرزِ عمل پہ حیرت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ انسان کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب سے ہو بہر حال اس میں انسانیت اور عدل کا احساس تو موجود ہوتا ہے۔ مگر جب ہم مستشرقین کی جہد وسعی کو دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کے بنیادی شرف سے بھی نا آشنا ہیں اور اُن کی منزل بس یہی ہے کہ کسی طرح چاند پہ تھوک کر اس کو بدنما بنایا جا سکے۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ یہ اُن کی ایک ایسی خواہش ہے جو قیامت تک پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ جتنی بھی کوشش کر لیں اُس رُخ آفتاب و مہتاب کی دمک کو کم نہیں کر سکتے اور کبھی کبھی مجھے مستشرقین پہ ترس آنے لگتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے لیے اُس حدف کو چنا ہے جس کی حفاظت پہ کل بھی غیر مرئی طاقتیں موجود تھیں اور آج بھی جس نے نبی اکرم ﷺ کی ذات پہ طعن دھرنے کی کوشش کی ہے وہ ذلیل وخوار ہی ہوا ہے غیر تو غیر خود اُن کے اپنوں نے اُن کی اِن کوششوں کو دیوانے بڑ ھ قرار دیا ہے۔ عدل پسند مغربی دانشور کبھی اس وادی میں نہیں اترتا۔ اگرچہ اُن میں عدل سے مزین دانش کم ہی پائی جاتی ہے خاص طور پہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تو وہ بنیادی اخلاقی اقدار کو بھی بھلا بیٹھتے ہیں اور اُس تہذیب کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا دعویٰ وہ دن رات کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی تو محض دعویٰ ہی ہے اس لیے کہ وہ شخص یا معاشرہ یا انسانوں کا کوئی گروہ مہذب اور صاحب دانش کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جو اپنے خالق کی پہچان بھی کھو چکا ہو۔ اللہ اِن کو ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں اپنے ایمان میں استقامت عطا فرمائے۔ آمین

مالک بن نضر

مالک بن نضر کی ماں کا نام مورخین نے عاتکہ لکھا ہے۔بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی ماں کا نام عکرشہ تھا۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ دوسرے کئی مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کا نام تو عاتکہ ہی تھا تاہم اس کا لقب عکرشہ تھا۔انھیں زیادہ تر عکرشہ ہی کہہ کر پکارا جاتا تھا[*70]۔
مالک بن نضر اُن لوگوں میں سے تھا جو اعلیٰ درجے کے مہمان نواز خیال کیے جاتے ہیں اس لیے کہ جب لوگ بیت اللہ کے حج کے لیے مکہ میں جمع ہوتے تو مالک اُن کی مدد کرتے۔وہ اُن کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔اُن کو کھانا کھلاتے اور اُن کی دیگر مشکلات کو تلاش کر کے اُن کا ازالہ

اپنے ذاتی مال سے کرتے۔

اس لیے تو نضر کی اولاد کو عربوں نے قریش کہا۔

مالک کی ماں کا تعلق بنو عیلان سے تھا اس لیے کہ ابن ہشام کے قول کے مطابق مالک کی ماں کا پورا نام عکرشہ بنت عدوان بن حارث بن عمرو بن قیس بن عیلان تھا[*71] ۔

ابن اسحاق نے اِن کے بارے میں لکھا ہے کہ مالک کی ماں کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان تھا۔

ابن اسحاق نے مزید لکھا ہے کہ مالک کے دو بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک نام یخلد تھا۔یخلد خاندان بنو عمرو بن کنانہ میں داخل ہو گیا تھا اس لیے اہل قریش اُس کو قریش میں شامل نہ کرتے تھے۔
مالک کے دوسرے بھائی کا نام **الصلت** تھا اس کی کوئی اولاد باقی نہ بچی تھی اس لیے اس کا تذکرہ معدوم ہو

گیا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بنو النضر کے تجارتی قافلے جب مکہ میں داخل ہوتے تو لوگ کہتے کہ اہل قریش کا قافلہ اترا ہے۔

اور ارباب سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ قریش بنو النضر کا سفر میں راہنما ہوا کرتا تھا۔ تجارتی قافلوں کو منظّم کرنا اسی کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی اور اسی کے ایک بیٹے کا نام بدر تھا جس نے بدر نامی کنواں کھدوایا تھا۔ اسی کنویں کے قریب وہ معرکہ حق و باطل بپا ہوا تھا جس نے اسلام اور کفر میں فرق کو واضح کر دیا تھا۔

مالک بن نضر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ حج کے دنوں میں حاجیوں کی ہر طرح کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہتا تھا۔ وہ شریف النفس اور نرم خو شخص تھا لوگ اس سے دانش کی باتیں سیکھتے تھے۔ وہ لوگوں کو معروفات کی تعلیم دیا کرتے تھے مالک اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو ساتھ لے کر حاجیوں کے درمیان گھوما کرتے تھے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ اُن کی ذمہ داری تھی کہ حاجی کسی بھی قسم کی تکالیف سے محفوظ رہیں کیونکہ وہی تو بیت اللہ کے متولی تھے۔ دوسرے اس لیے بھی کہ اُن کے اندر مہمانوں کی خدمت کا طبعی میلان بھی دوسروں سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ وہ اس تلاش میں رہا کرتے کہ انھیں حاجیوں کی تکالیف کا علم حاصل ہو سکے ۔ مورخین نے کہا ہے کہ اسی کھوج بین کو لوگ قرش کہتے تھے جس کی وجہ سے بعد میں نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا۔ مورخین نے مالک بن نضر کے ذاتی خصائص کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا اس لیے ہم اِن کے متعلق زیادہ نہیں جانتے مگر اس قدر ضرور کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل تھے۔

فہر بن مالک

مالک کی اولادوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سعادتِ عظمی کے لیے فہر کا انتخاب کیا کہ انھیں نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا نطفہ مبارک اُن کی پشت میں منتقل فرمایا کہ فہر بھی اپنے دیگر آباء کی طرح شرف وعزت کی انھیں منازل میں تھے جن میں کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ کے دیگر آباء کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ بعض مورخین نے فہر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہی جامع قریش ہے اس لیے اسی کو یا اس کی اولادوں کو قریش کہا جائے گا۔ ابن ہشام نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ فہر ہی جامع قریش تھا اس کی ماں کا نام جندلہ بنت الحارث بن مقاض الجرہمی تھا۔

ابن اسحاق نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور یہ بھی کہ اُس کی ماں کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا جو اہل مدینہ کے عربوں کا مشہور قبیلہ تھا اور ازد کو مدینہ کے قدیمی عربوں کا باپ کہا جاتا تھا۔ فہر اہل مکہ کا رئیس تھا اور لوگ اس کی فہم وفراست کے باعث اس کی عزت کرتے تھے اور فہر ہی وہ شخص تھا جس نے بیت اللہ کی مدافعت میں بنو حمیر اور یمنی قبائل سے ایک بڑی جنگ لڑی تھی۔

مورخین نے بیان کیا ہے[72*]۔

کہ حسان بن عبد الکلال الحمیر ی نے ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ پہ حملہ کیا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ بیت اللہ کو مسمار کر کے اس کے پتھر اٹھا کر یمن لے جائیں اور وہاں کعبہ تعمیر کریں تا کہ لوگ مکہ کی بجائے حج کرنے لیے یمن جایا کریں اہل یمن کا لشکر مکہ سے باہر نخلہ کے مقام پہ فروکش ہوا اس کے کچھ دستوں

نے اہل مکہ کے چرواہوں سے اُن کے جانور چھین لیے۔تاہم اسے مکہ پہ حملے کی ہمت نہ ہوئی ادھر فہر بن مالک جو قبائل عرب اور قریش کا سردار تھا اس نے اپنے حلیف قبائل کنانہ، خزیمہ، اسد، جذام اور مضر کے ساتھ مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی اور اس سے پہلے کہ یمنی اُن پہ حملہ آور ہوں اور مکے میں داخل ہو کے بیت اللہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں اہل قریش نے اپنے حلیف قبائل کے ساتھ بنو حمیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔قریش کا سردار فہر بن مالک تھا جبکہ یمنی اور حمیری جنگجوؤں کا سردار حسن بن عبدالکلال تھا۔گھمسان کا رن پڑا اور خوب لڑائی ہوئی۔نتیجہ اہل قریش کے حق میں نکلا اور حمیری و یمنی قبائل کو بری شکست کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ اہل قریش کے بھی بہت سے آدمی مارے گئے۔فہر کا پوتا غالب بن فہر کا بیٹے قیس بھی اس جنگ میں مارا گیا جب کہ فہر کے بیٹے حارث نے یمنی قبائل کے سردار حسان بن عبدالکلال کو گرفتار کر لیا تھا۔اس طرح اہل یمن کا بیت اللہ کو نقصان پہنچانے کا سپنا پورا نہ ہوسکا حسان بن عبدالکلال تین سال تک اہل قریش کا قیدی رہا۔آخر اس کے وارثوں نے ایک بڑے فدیے کے عوض اسے رہا کرایا۔مگر حسان کے نصیب میں اب اپنے وطن کی زمین نہ تھی اس لیے جب اس کے وارث اسے فدیہ ادا کر کے ساتھ لے جا رہے تھے تو راستے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

غالب بن فہر

فہر کی اولادوں میں سے غالب بن فہر کا انتخاب کیا گیا اور اسے نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا گیا۔غالب کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ بہت خوبصورت اور طاقتور جوان تھے۔لوگ اُن کو دیکھتے اور اُن سے محبت کرنے لگتے۔وجہ ظاہر ہے کہ اُن کے ماتھے سے بھی نورِ نبوت کی کرنیں جھانکتی تھیں۔قبائل عرب میں غالب کی بہت تکریم کی جاتی تھی۔غالب شریف النفس اور نرم خو تھے۔علامہ ابن جریر طبری نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ اُن کی ماں لیلیٰ بنت الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ تھیں۔

محمد بن جعفر ابن جریر طبری نے غالب کے بھائیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس کے حقیقی بھائیوں میں حارث، محارب، اسد، عوف، جون اور ذہب تھے۔محارب اور حارث ظواہر قریش تھے اس لیے حارث ابطح میں داخل ہوگئے اور غالب کی کنیت ابو تیم تھی۔غالب کے دو ہی بیٹے تھے تیم اور لوئی''۔

اور تیم ہی بنو تمیم کا جدِ اعلیٰ تھا تاہم اُن کے دوسرے بیٹے لوی کو اللہ تعالیٰ نے بنی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا۔

ابن اسحاق نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ غالب کے بیٹوں کی ماں کا نام جندلہ بنت فہر تھا اور اسی کو بنو تمیم کی ماں قرار دیا جاتا ہے۔جندلہ کی ماں کا نام لیلی بنت سعد تھا وہ اپنے قبیلے کی نامور خاتون تھی اور عرب اپنی نامور خواتین کی تعظیم کرتے تھے۔

ایک شاعر اُس کے بارے میں کہتا ہے کہ [*73] ۔

وَاِذَ غَضِبْتُ رَمٰی وَرَائِی بِالحصیٰ
آبْنَاءُ جَنْدَلَةٍ كَخَيْرِ الْجَنْدَلَ

جب میں غصے میں ہوتا ہوں تو جندلہ کے بیٹے میرے پیچھے سے کنکریاں مارتے ہیں اور وہ ایک بہترین چٹان کی طرح ہیں جو میری حفاظت پہ معمور ہیں۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ بنوادرم کے نام سے جس قبیلے نے عربوں میں شہرت حاصل کی وہ تمیم بن غالب کی اولاد تھے۔عرب کہتے کہ جس شخص کے پاؤں اتنے پر گوشت ہوں کہ اس کی ایڑیاں تک نظر نہ آئیں اس کو "**ادرم** " کہا جاتا ہے اور ایسی عورت کو " **امْرَاۃ دَرْماءُ**" کہا جائے گا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ٹھوڑی پہ زخم کا نشان ہو تو اسے بھی ادرم ہی کہیں گے۔لوگوں نے کہا کہ تیم بن غالب کی ٹھوڑی پہ زخم کا نشان موجود تھا اس لیے بعد کے لوگوں نے اس کی اولاد بنوادرم کہہ کر پکارا۔ یہی بنوتیم تھے"۔

ابن زبیر نے تیم بن غالب کے بارے میں لکھا ہے کہ بنوتیم قریش کے بطاح میں سے نہ تھے بلکہ قریش کے ظواہر میں سے تھے یاد رہے کہ عبد مناف کے قبائل کو قریش کے بطاح کہا گیا ہے کیونکہ انھیں کے پاس بیت اللہ کے مناصب تھے اور وہ عربوں کے مذہبی پیشوا کے طور پہ جانے جاتے تھے جس کی وجہ سے عرب اِن کی تعظیم کرتے [74*]۔

لوئی بن غالب

غالب کے بیٹے لوی اور تیم تھے۔ تاہم علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں لکھا ہے [75*] کہ غالب کے ہاں ایک اور بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام انھوں نے قیس بن غالب رکھا تھا اور اس کی ماں کا نام سلمیٰ بنت کعب بن عمرو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غالب کی اولاد سے لوئی کو چنا کہ وہ نورِ نبوت کو آگے کی نسل میں منتقل کرے۔ پیچھے بیان گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء جاہلیت خاص طور پہ شرک سے محفوظ ہی رہے۔ لوئی بن غالب کے بارے میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ خود بھی شرک سے گریزاں ہی رہے اور لوگوں کو بھی شرک سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

وہ صاحبِ دانش تھے اور اُن کی باتوں میں حکمت پائی جاتی تھی۔

چنانچہ کسی عرب نے اُن کے بارے میں کہا ہے:

وَ كَانَ لُؤَیّ حَلِيمًا حَكِيمًا نَطَقَ بِالْحِكْمَةِ صَغِيرًا

" لوئی کو اللہ تعالیٰ نے حلم اور حکمت کی صفات سے نوازا تھا اور بچپن ہی سے اُن کی زبان سے ایسے فقرے نکلتے جو ضرب المثال بن جایا کرتے" [76*]

مورخین نے لکھا ہے کہ لوئی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت یخلد بن نضر بن کنانہ تھا۔ قریش میں عاتکہ نامی جن خواتین کا ذکر نبی اکرم ﷺ کے نسب شریف میں بیان کیا جاتا ہے یہ عاتکہ اُن میں پہلی خاتون تھیں [77*]۔

لوئی کے سگے بھائیوں میں سے ایک کا نام تیم تھا اور دوسرے کا قیس تھا۔ تیم کی ٹھوڑی میں زخم کے نشان کی وجہ سے اس کی اولاد کو بنو تیم کہہ کر پکارا گیا جب کہ اس کے دوسرے بھائی قیس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا ورثہ وصول کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوئی اور اس کے بھائیوں کی ماں سلمیٰ بنت عمرو بن ربیعہ تھی اور یہ ربیعہ لحئی بن حارثہ بن عمرو بن مزیقیا بن عامر بن ماء السماء سے تھیں جو دراصل بنو خزاعہ تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوئی بن غالب کے چار بیٹے تھے۔

کعب بن لوی، عامر بن لوی، سامہ بن لوی اور عوف بن لوی۔

عامر اور سامہ کی ماں کا نام ماویہ بنت کعب تھا۔

تاہم ابن ہشام نے لکھا ہے کہ لوئی بن غالب کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام حارث تھا کہ بنو جشم بن حارث اسی کی اولاد تھے اور اِن کا تعلق ربیعہ کی شاخ ہزان سے تھا[*78]۔

اُن کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے کہ:

بَنِی جُشَمٍ لِهَزَّانَ فَا نْتُمُوْا
لَا عَلَى الرَّوَابِیْ مِنْ لُؤَيِّ بِنْ غَالِبٍ

اے بنو جشم! تم ہزان میں سے نہیں ہو بلکہ تمھارا تعلق تو لوی بن غالب سے ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوْا فِیْ آلِ ضَوْرٍ نِسَاءَكُمْ
وَلَا شُكَيْسٍ بِئْسَ مَثْوَى الْغَرَائِبِ

تم عزت اور احترام کی رفعتوں پہ آشیاں بند ہو اس لیے تم اپنی عورتوں کے نکاح آلِ ضور یا شکیس میں نہ کیا کرو[*79]۔

بیان کیا گیا ہے کہ لوئی بن غالب کے ایک بیٹے کا نام سعد تھا جس کی ماں قبیلہ ربیعہ سے تھی ابن اسحاق نے سعد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی پرورش اس کے ننھال یعنی بنانہ نے کی تھی اور بنانہ سے بنو شیبان مراد ہیں۔سعد کے بیٹے جن کی پہچان بنوشیبان بن گئے تھے دراصل تو لوئی بن غالب کی اولاد ہونے کی وجہ سے قریش النسل تھے۔اس لیے سعد کی اولاد یعنی بنوشیبان حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا چونکہ وہ قریش سے ہیں اس لیے اُن کو قریش میں شامل کیا جائے۔

اوراس وقت اُن کا سردار ابوالدہماء تھا جو سعد بن لوئی کی اولاد سے تھا۔تاہم حضرت عمرؓ نے انھیں قریش میں شامل نہ کیا وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

جب بنوشیبان کا سردار ابوالدہماء حضرت عمر فاروقؓ سے جب یہ مطالبہ کر رہا تھا اس وقت وہاں حضرت عثمان غنیؓ بھی موجود تھے۔حضرت عمرؓ کے انکار کرنے پر جب بنوشیبان چلے گئے تب حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ اُن کا مطالبہ درست تھا پھر انھوں نے وہ سبب بھی بیان کیا جس کی وجہ سے وہ قریش سے الگ ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

آئندہ سال جب وہ حج کے لیے آئیں تو آپ اُن سے کہہ دیں کہ وہ مجھ سے یہ مطالبہ دوبارہ کریں تب میں انھیں قریش میں شامل کرلوں گا۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

اس لیے کہ اس دوران ابوالدہما کسی جنگ میں قتل ہو گیا اور بنوشیبان باہمی جنگوں میں الجھے رہے۔

تب جب حضرت عمر فاروقؓ کا وقت پورا ہوا اور خلافت حضرت عثمان غنی کے ہاتھ میں آئی تو بنوشیبان سے کچھ لوگ اپنے اسی مطالبے کو لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تب حضرت عثمانؓ نے انھیں قریش میں شامل کر لیا۔پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا گیا اور مسلمانوں میں ابتری اور افتراق پیدا ہوا تو حضرت علیؓ نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر بنوشیبان سے قریش کی پہچان پھر چھین لی۔

جس پہ بنوشیبان کے ایک شاعر نے کہا کہ:

ضَرَبَ التُّجِيْبِیُ المُضَلَّلُ ضَرَبَۃً
رُدَّتْ بُنَانَۃَ فِیْ بَنِیْ شَیْبَانَا

تیجی کی وادی میں ہمیں ایسی چوٹ لگائی گئی کہ بنانہ کو پھر سے بنوشیبان کی طرف لوٹا دیا گیا۔

وَالعَائِذَیْ بِمِثْلِھَا مُتَوَقِّعُ
لِمَا یَکُنْ وَکَانَّہٗ قَدْ کَانَا

عائذی کو بھی یہی توقع تھی لیکن ایسا نہ ہوا اگرچہ انھیں پوری امید تھی کہ ایسا ہو جائے گا

۔[*80]

امام عبداللہ سہیلی نے لکھا ہے کہ لوئی بن غالب کے ایک بیٹے کا نام خزیمہ تھا جس کی ماں کا تعلق بنو عائذہ سے تھا اسی کی اولاد کو بنو عائذہ کہا گیا۔ عائذہ ایک یمنی عورت تھی جو بنو عبیدہ بن خزیمہ بن لوئی وغیرہ کی ماں تھی۔ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہوئے امام عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں اولادِ لوئی کے اختلافات کی وہ داستان بیان کی ہے جس کے نتیجے میں لوئی بن غالب کے بیٹے سامہ بن لوئی کو جلاوطن ہونا پڑا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ [*81]۔

سامہ نے اپنے بھائی عامر بن لوئی کی آنکھ پھوڑ دی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنا وطن چھوڑنا پڑا وہ عمان چلا گیا تھا یا بعض نے لکھا ہے کہ وہ عراق میں مقیم ہوا جہاں اس کے ہاں اولاد ہوئی۔ ایک بار جب سامہ بن لوئی اپنی اونٹنی پہ سوار جنگل سے گزر رہا تھا تب اس کی اونٹنی نے پتے کھانے کے لیے اپنا منہ کسی درخت میں داخل کیا تو اس کو نہایت ہی زہریلے سانپ نے ڈس لیا وہ فوراً ہی گر گئی۔ اس کے بعد سانپ نے سامہ پہ حملہ کیا اور اسے بھی ڈس لیا۔ موت کو سامنے دیکھ کر سامہ نے یہ اشعار کہے اِن اشعار کی عمدگی

کی وجہ سے انھیں یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

عَیۡنُ فَاَبۡکِیۡ لِسَامَۃَ بۡنِ لُؤَیٍّ
عَلِقَتۡ سَاقَ سَامَۃَ العَلَّاقَہ

اے آنکھ سامہ بن لوی کی موت پہ گریہ کر جس کی پنڈلی پہ سانپ نے ڈس لیا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَااَرٰی مِثۡلَ سَامَۃَ بۡنِ لُؤَیٍّ
یَوۡمَ حَلُّوا بِہٖ قَتِیۡلاً لِنَاقَہ

اور مجھے اُس دن سامہ کی طرح کا کوئی جوانمرد نظر نہ آیا تھا جب اس کو اونٹنی سے اتارا جارہا تھا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بَلِّغَا عَامِرًا وَکَعۡبًا رَسُوۡلاً
اَنَّ نَفۡسِی اِلَیۡہَا مُشۡتَاقَہُ

عامر اور کعب (یعنی میرے بھائیوں) کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرا دل اُن کا مشتاق ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِنۡ تَکُنۡ فِیۡ عُمَانَ دَارِیۡ فَاِنِّیۡ
غَالِبِیٌّ خَرَجۡتُ مِنۡ غَیۡرِ نَاقَہ

میرا گھر عمان میں ہے تو کیا ہوا میں پھر بھی تو لوئی بن غالب ہی سے ہوں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

رُبَّ كَاسٍ هَرَقْتَ يَابْنَ لُؤَيٍّ
حَذَرَ الْمَوْتِ لَمْ تَكُنْ مُهْرَاقَهْ

اے بنی لؤی! میں غربت کی وجہ سے وہاں سے نہیں نکلا تھا اور بہت سے موت کے پیالے ہیں جو تُو نے موت کے خوف سے گرا دیئے ہیں اگرچہ تُو انھیں گرانے والا نہ تھا۔

دُمْتَ دَفْعَ الحَتُوْفِ يَا ابْنَ لُؤَيٍّ
مَا لِمَنْ رَامَ ذَاكَ بَالحَتْفِ طَاقَهْ

اے سامہ! تُو نے موت کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ایسی کوشش کرنے والا ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔

وَخُرُوْسِ السُّرٰى تَرَكْتَ رِذِيًّا
بَعْدَ جَدٍّ وَجِدَّةٍ وَ رَشَاقَهْ

اور تُو نے بے آواز راہ رفیق کو یعنی اونٹنی کو غصہ اور تیز رفتاری کے بعد چھوڑ دیا تھا[82*]۔

کعب بن لوئی

نبی اکرم ﷺ کے آباء میں سے کعب بن لوئی کو خاص انفرادیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ کے آباء میں اُن کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ وہ دین ابراہیم پہ بہت پختگی سے کاربند تھے اور اُن کا شمار اپنے زمانے کے نیک او رصالح بندوں میں کیا جاتا تھا۔ اُن کی شخصیت سے وابستہ باتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں یہ خاص ادراک حاصل تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے آگاہ تھے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ اُن کی موت سے پانچ سو ساٹھ سال بعد مبعوث ہوئے مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کی اولاد سے ایک جلیل القدر پیغمبر جنم لینے والا ہے اس لیے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو اس بات کی دعوت دیا کرتے تھے کہ اگر وہ اِن کا زمانہ پائیں تو اُن کی پیروی اختیار کریں۔

کعب نے ہی سب سے پہلے لوگوں کو جمعہ کے دن اکٹھا کیا لوگ ہر جمعہ کو اُن کے ہاں اکٹھے ہوا کرتے اور وہ لوگوں سے خطاب کرتے اِن کے خطبات اُن کے ایمان صادق کی تصدیق کرتے ہیں اور اُن کے افکار اُن کی گہری بصیرت پہ دلیل تھے وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلاتے اور انھیں عرفان الٰہی سے آگاہ فرماتے۔

امام کلبی نے کعب بن لؤی کے بارے میں بیان کیا ہے کہ کعب بن لوئی کی ماں ماویہ بنت کعب بن القین تھی جس کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ کعب کے دو سگے بھائیوں کے نام عامر اور سامہ بیان کیے گئے ہیں۔ عامر اور سامہ کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے عامر اور سامہ کو اِن کی ماں کی وجہ سے لوگوں نے ناجیہ بھی کہا ہے۔ لوئی کی اولاد سے کعب کے ایک اور بھائی کا تذکرہ بھی مورخین نے کیا ہے جس کا نام عوف

بیان کیا گیا ہے جس کی ماں بنو غفطان سے تھی۔ چونکہ عوف کی ماں اسے اپنے میکے یعنی بنو غفطان میں لے آئی تھی اس لیے عوف کو لوگوں نے بنو غفطان ہی سے جانا[83*]۔

عوف کی ماں نے اپنے قبیلے کے ایک شخص سعد بن ذبیان سے شادی کر لی تھی اس لیے عوف ایک مدت تک سعد بن ذبیان ہی کے نام سے جانا جاتا رہا اور لوگوں نے اسے سعد کا بیٹا ہی سمجھا اگر چہ وہ لوئی بن غالب یعنی اہل قریش میں سے تھا جب سعد بن ذبیان نے اسے اپنا بیٹا بنایا تو سعد بن ذبیان کے بھائی فرازہ بن ذبیان نے یہ اشعار کہے:

عرج علی ابن لؤی حملک

ترکل القوم ولا منزل لکا

اے لوئی کے بیٹے میرے پاس آ جا اس لیے کہ تیری قوم نے تو تجھے چھوڑ دیا ہے اور اب تیرا کہیں بھی کوئی گھر نہیں۔

اِحْبِسْ عَلَیَّ ابنَ لُؤَيٍّ جَمَلَکَ

تَرَكَ القَوْمُ وَمَتْرَكٌ لَکَ

اے ابن لوئی! میرے پاس اپنے اونٹ ٹھہرالو تیری قوم نے تو تجھے چھوڑ دیا ہے مگر ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔

اگر چہ عوف بن لوئی ہی کی وجہ سے بعد میں اِن کو عربوں میں عزت و تکریم حاصل ہوئی کہ لوگ مختلف معاملات میں بنو مرۃ بن عوف کی مثال دیا کرتے۔ ابن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے عوف کی عربوں میں برتری کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ [84*]۔

اگر میں عرب کے کسی قبیلہ میں سے ہونے کا دعوی کرتا یا کسی قبیلے کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تو وہ بنو مرۃ بن

عوف ہوتے کیونکہ ہم اُن کی مشابہت کو بھی جانتے ہیں اور اُس جگہ کو بھی جانتے ہیں جہاں اس شخص یعنی عوف بن لوئی نے قیام کیا تھا۔کعب اپنے خاندان یعنی اہل قریش میں بڑے ہوئے مگر عوف بنوغفطان ہی کے ہاں جوان ہوئے اگرچہ عوف جانتے تھے کہ وہ لوئی بن غالب کی اولاد ہیں اور اُن کے بھائی کعبہ کے متولی اور مکہ کے سردار ہیں اس لیے وہ اُن کی یاد میں بے چین رہا کرتے۔

پھر سہم بن مرۃ نے عوف کی ہجو میں یہ اشعار کہے[*85]:

أ لَا لَسْتُمْ مِنَّا وَلَسْنَا اِلَيْكُم

بَرِئْنَا اِلَيْكُمْ مِنْ لَؤيِ ابْنِ غَالِبِ

ارے سنو! نہ تو تم ہم میں سے ہو اور نہ ہی ہم تم میں سے ہیں اور ہم لوئی بن غالب سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

اَقَمْنَا عَلٰى عِزِّ الحِجَازِ وَاَنْتُم

بِمُعْتَلَجِ البَطْحَاءِ بَيْنَ الاَ خَاشِبِ

ہم حجاز کے معزز مقام پہ مقیم ہو گئے اور تم نے وادئ بطحاء میں پہاڑوں کے درمیان سیلاب کی گزرگاہ کو اپنا مسکن بنالیا۔

عوف بن لؤی بن غالب جو کعب بن لؤی کا بھائی تھا اس نے بنوغفطان میں پرورش پائی تھی اور عوف تو پہلے ہی اپنے قبیلے اور اپنے گھرانے کی یاد میں تڑپتا رہتا تھا اس لیے اُس نے جواب میں یہ اشعار کہے۔

فَمَاقَوْمِی بَثَعْلَبَۃَ بِنْ سَعدٍ
وَلَا بَفَزَارِۃِ الشُعْرِ الرِّقَابَا

بنو ثعلبہ بن سعد میری قوم نہیں ہے، اور نہ ہی لمبے بالوں والے اور لمبی گردنوں والے بنو فرازۃ میری قوم ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَقَوْمِیُ اِنْ سَاَلْتَ بَنُوْ لَؤیٍ
بِمَکَّۃَ عَلَّمُوْا مُضَرَ الضِرَابَا

بلکہ اگر تو پوچھتا ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میری قوم تو بنو لؤی ہے جو مکہ میں مقیم ہے جنھوں نے بنو مضر کو شمشیر زنی سکھائی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

سَفِهْنَا یَا تِّبَاعِ بَنِی بَغِیْضٍ
وَتَرَکِ الْاَقْرِبِیْنَ لَنَا انْتِسَابَ

اور ہم نے بنو بغیض کی پیروی کر کے اور اپنے قریبی نسبی بھائیوں کو چھوڑ کر بڑی بے وقوفی کی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

سَفَا ھَۃَ مُخْلِفٍ لمَّا تَرَوَّی
هَرَاقَ الْمَاءِ وَاتَّبَعَ السَّرَابَا

کہ جب اس نے جی بھر کے پانی پی لیا تو باقی پانی اس نے انڈیل دیا اور پھر اُس سراب کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَلَوْ طُوْوِعْتُ عَمرَكَ كُنْتُ فِيْهِمْ
وَمَا اُلْفِيْتُ اَنْتَجِعُ السَّحَابَا

مجھے تیری زندگانی کی قسم! اگر میں فرمانبرداری کرتا تو میں اِن میں نہ سے ہوتا اور جگہ جگہ بارش کی جستجو میں اس طرح گردش نہ کرتا۔

وَخَشَّ رَوَاحَةُ الْقُرَشِيُّ رَحْلِى
بَنَا جِيَةٍ وَلَمْ يَطْلُبْ ثَوَابًا

اور رواحہ قریشی نے مجھے تیز رفتار اونٹنی کے ساتھ کجاوہ بھی دیا لیکن وہ کسی تعریف کا خواہاں نہ تھا۔

اَبُوْنَا كِنَانِىٌّ بِمَكَّةَ قَبْرُهُ
بِمُعْتَلِجِ الْبَطْحَاءِ بَيْنَ الْاَخَاشِب

کنانی ہی ہمارا باپ ہے کہ وادئ بطحاء کے پہاڑوں کے مابین پانی کی گزرگاہ میں اس کی قبر ہے۔

لَنَا الرُّبْعُ مِنْ بَيْتِ الْحَرَامِ وِرَاثَةً
وَرُبْعُ الْبِطَاحِ عِنْدَ دَارِ بْنِ خَاطِبِ

اور بیت الحرام سے وراثتاً ہمارا چوتھا حصہ ہے اور ابن حاطب کے گھر کے پاس وادئ بطحاء میں بھی ہمارا چوتھا حصہ ہے[86*]۔

کعب بن لوئی کے بھائیوں کے تذکرے کے بعد ہم کعب کے ذکر کی طرف واپس آتے ہیں کعب کی دانش عرب بھر میں مقبول تھی اس لیے کہ اُن کی باتوں میں گہری حکمت کے موتی تھے جو لوگوں کو متاثر کرتے تھے کعب اپنے خطبات میں لوگوں کی توجہ آیات الٰہی کی طرف مبذول کرایا کرتے وہ کہتے کہ لوگو!

گردش لیل ونہار اور مظاہر قدرت پہ غور کیا کرو کہ اس سے انسان اپنے خالق تک جا پہنچتا ہے اے قوم قریش کے لوگو!

اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں عقل کی بیش بہا نعمت سے نوازا ہے تو اسے یونہی رائیگاں مت کرو بلکہ اس سے کام لو اور خالق کی آیات میں غور کرو زندگی اور موت کے بارے میں سوچو۔

کعب لوگوں سے کہتے کہ وہ اُن اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کریں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو لوگوں کے لیے داستانیں بنا کے رکھ دیا۔کعب چونکہ دین ابراہیمی کے پیروکار تھے اس لیے وہ لوگوں کو آخرت کی تیاری کی بھرپور تلقین کیا کرتے

وہ کہتے کہ اے لوگو!

اس دن کی تیاری کرو جو بڑا سخت ہے اس لیے صلہ رحمی کیا کرو۔ وعدے کی پابندی کیا کرو، فقرا اور مساکین سے اچھا برتاؤ کیا کرو اور اپنے مال سے صدقہ اور خیرات کیا کرو۔اسی طرح وہ لوگوں کو معروفات کی تعلیم دیتے اور منکرات سے روکتے۔وہ لوگوں کو بتاتے کہ انشاء اللہ میری ہی اولاد سے اللہ تعالیٰ ایک جلیل القدر پیغمبر کو اٹھائیں گے اگر تم اِن کو پاؤ تو اُن کا بازو بننا اُن کی قوت بننا اور اِن پہ ایمان لانا۔کعب کا ایک خطبہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس میں اُن کی دانش کا عکس واضع طور پہ محسوس کیا جاسکتا ہے“۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاسْمَعُوْا وَعُوْا

سنو اور یاد رکھو۔

وَافْهَمُوْا وَتَعَلَّمُوْا

سمجھو اور سیکھو۔

لَيْلٌ سَاجٍ وَنَهَارٌ ضَاحٍ

رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

وَالْاَرْضُ مِهَادٌ وَالسَّمَاءُ بِنَآءٌ

زمین پنگھوڑا ہے اور آسمان پختہ عمارت ہے۔

وَالْجِبَالُ اَوْتَادٌ وَالنُّجُوْمُ اَعْلَامٌ

پہاڑ میخیں ہیں اور ستارے نشانات۔

فَلَمْ تُخْلَقْ عَبَثًا

اور یہ ساری چیزیں بے مقصد پیدا نہیں کی گئیں۔

فَتَضْرِبُوْا عَنْهَا صَفْحًا

تا کہ تم اِن تکوینی آیات سے منہ پھیر لو۔

الْاٰخِرُوْنَ كَالْاَوَّلِيْنَ

بعد میں آنے والوں کا حال بھی وہی ہوگا جو پہلوں کا ہوا۔

وَالذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى

مرد بھی عورت کی طرح ہے۔

وَالزَّوْجُ وَالْفَرْدُ اِلٰى بِلًى

انسان جوڑا جوڑا ہے مگر تنہا ہی فنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔

فَصِلُوْا اَرْحَامَكُمْ

پس تم صلہ رحمی کیا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعُهُوْدِكُمْ

اپنے وعدوں کو ایفاء کیا کرو۔

وَاحْفَظُوْا اَصْهَارَكُمْ

اپنے سسرال کی حفاظت کیا کرو۔

وَثَمِّرُوْا اَمْوَالَكُمْ

اور اپنے مالوں میں اضافہ کرتے رہو۔

فَاِنَّمَا قِوَامُ مُرُوَّتِكُمْ

کیونکہ اِن اموال پہ ہی تمھاری مروت اور احسان کا دارومدار ہے۔

فَهَلْ رَاَيْتُمْ مِنْ هَالِكٍ رَجَعَ

کیا کسی ہلاک ہونے والے کو تم نے دیکھا ہے کہ وہ لوٹ کے آیا ہو۔

اَوْ مَيِّتٍ نُشِرَ

یا کسی مردے کو دیکھا ہے جو اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوا ہو۔

الدَّارُ مَامَكُمْ

دارِ آخرت تمھارے بالکل سامنے ہے۔

حَرَمُكُمْ زَيِّنُوْهُ وَعَظِّمُوْهُ

اپنے حرم کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ۔

وَتَمَسَّكُوْا بِهٖ

اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

فَسَيَاتِىْ لَهٗ نَبَاٌ عَظِيْمٌ

اس سے ایک بہت شاندار اور اہم خبر آئے گی۔

وَسَيَخْرُجُ مِنْهُ نَبِىٌّ كَرِيْمٌ

اور اسی سے ایک نبی ظاہر ہوں گے۔

بِذٰلِكَ جَاءَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ

یہی خوشخبری موسیٰ اور عیسیٰ نے بھی اپنی امتوں کو دی تھی۔

ثُمَّ يَقُوْلُ

اس کے بعد وہ یہ اشعار پڑھا کرتے ،،،

نَهَارٌ وَلَيْلٌ كُلٌّ أَوْبٍ بِحَادِثٍ
سَوَاءٌ عَلَيْنَا لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا

کہ ہر روز دن میں اور رات میں واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں ہم پر اُن کا دن اور اُن کی رات یکساں ہیں۔

عَلٰى غَفْلَةٍ يَأْتِي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ
يُخَبِّرُ أَخْبَارًا صَدُوقًا خَبِيرُهَا

اور اچانک ہی نبی اکرم ﷺ تشریف لائیں گے جن کا نام نامی محمد ﷺ ہوگا اور وہ ہمیں ایسی خبروں سے آگاہ کریں گے جن کا خبر دینے والا سچا ہوگا۔

وَاللّٰهِ لَوْكُنْتُ ذَاسَمْعٍ
وَبَصَرٍ وَيَدٍ وَرِجْلٍ

اور اے کاش کی اس وقت جب وہ تشریف لائیں اس وقت میری آنکھیں کان اور ہاتھ پاؤں ٹھیک ہوں۔

يٰلَيْتَنِي شَاهِدٌ فَحْوَاءُ دَعْوَتَهُ
حِيْنَ الْعَشِيْرَةُ تَبْغِي الْحَقَّ خُذْلَانًا

اور اے کاش کہ میں اس وقت موجود ہوتا! جب اُن کا قبیلہ حق کو نامراد کرنے میں مشغول ہوگا۔

لَتَنَصَّبْتُ فِيهَا تَنَصُّبَ الْجَمَلِ
وَلَا رَقَلْتُ فِيهَا اِرْقَالَ الْفَحْلِ

تو میں اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اسے سربلند کرنے کے لیے اس طرح کھڑا ہوتا اور اس طرح چلتا جس طرح کہ فخر و ناز سے کوئی نر سانڈ چلا کرتا ہے [87*]۔

علامہ ابن اثیر نے کعب بن لوئی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

کعب کی اہل عرب کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی اور اہل عرب نے اپنی تاریخ کا آغاز کعب کی وفات کے دن سے کیا تھا جو اُن کے نزدیک ایک اہم واقعہ تھا۔ پانچ دہائیوں تک جب ابرہہ نے ہاتھیوں سے مکہ پہ حملہ کیا عربوں میں کعب کی وفات کے سال سے شروع ہونے والا سن و سال ہی مروّج تھا۔ عام الفیل کے بعد لوگوں نے اس سے واقعے سے تاریخ کا کام لینا شروع کیا۔ کعب حج کے دنوں میں لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے اور اُن کا وہ خطبہ بہت مشہور ہے جس میں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی آمد سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا۔

مرہ بن کعب

ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ کعب کے تین بیٹے تھے۔ مرہ بن کعب، عدی بن کعب اور ہصیص بن کعب۔ اِن کی ماں کا نام وحشیہ بنت شیبان بیان کیا گیا ہے۔ کعب کے تذکرے میں گزر چکا ہے کہ وہ دین ابراہیم پہ سختی سے کاربند تھے اس لیے یقینی طور پہ اُن کے بیٹے بھی انھیں اوصاف کے حامل ہوں گے جو اُن کے باپ میں پائے جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے آباء کے تذکرے میں ہم نے اکثر بیان کیا ہے کہ جن بزرگوں کو آپ ﷺ کے آباء ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ اپنے معاشروں کے ممتاز افراد شمار کیے جاتے تھے جس کی وجہ نیکی کی طرف اُن کا میلان اور اچھائی کی طرف اُن کی رغبت تھی اور وہ لوگ اُن تمام اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے مزین تھے جو انسانی شرف کا باعث قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ مرہ بن کعب بھی اُن خصوصیات کے حامل تھے جن کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ کعب کی کنیت ابو یقظہ بیان کی گئی ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ کے چھٹے دادا تھے۔ اس طرح یہ حضرت عمر فاروقؓ کے بھی چھٹے دادا تھے یعنی یہاں آ کر حضرت عمر فاروقؓ کا نسب آنحضرت محمد ﷺ سے مل جاتا تھا۔

ابن جریر طبری نے مرہ بن کعب کے بارے میں لکھا ہے:

کہ اُن کے سگے بھائیوں میں عدی اور مصیص شامل ہیں۔ مرہ اور عدی کی ماں کا تعلق مالک بن نضر بن کنانہ سے تھا یعنی وہ اہل قریش سے تھیں۔ جبکہ مصیص کی ماں کا نام انھوں نے وقاش بنت رقیہ بیان کیا ہے۔ اُن کا تعلق قیس بن عیلان سے بیان کیا گیا ہے۔

مرہ بھی اپنے آبا کی طرح خوبصورت اور وجیہ نوجوان تھے وہ فکر و دانش سے مزین ایک صاحب حلم فرد

تھے۔لوگ اپنے معاملات میں اُن سے راہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔مورخین نے مرہ کا تذکرہ نہایت ہی مختصر انداز میں کیا ہے جس کی وجہ سے ہم اُن کے ذاتی خصائص پہ تفصیلاً روشنی نہیں ڈال سکے۔ تاہم چونکہ اُن کی پشت میں نورِ نبوت رکھا گیا تھا اس لیے غالب گمان یہی کیا جاسکتا ہے کہ وہ شرف کے ہر معیار پہ پورا اترتے ہوں گے۔ہمارے لیے اسی قدر جان لینا کافی ہے کہ وہ آباء رسول اللہ ﷺ میں شامل تھے۔ چنانچہ اُن کی عزت وتکریم ہر حوالے محفوظ رہے گی اور مسلمانوں کے لیے اُن کی تکریم واجب قرار پائے گی۔

کلاب بن مرہ

مرہ کے بیٹوں میں سے اللہ تعالیٰ نے کلاب کو نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا اور یہ سعادت اُن کے ارفع مقدر کی دلیل قرار دی جاسکتی ہے کہ کائنات میں پھیلے اللہ تعالیٰ کے بے شمار اور انگنت انعامات میں سے یہ وہ انعام ہے جسے صرف اللہ کی مرضی سے حاصل کیا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی کسبی فعل نہ تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت اور وہ فیصلہ تھا جس کی حکمت سے وہ خود ہی آگاہ ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ کس کو عطا کرنی ہے اور کس کو اس سے محروم رکھنا ہے۔ابن جریر نے کلاب کی ماں کا نام ہند بنت سریر بیان کیا ہے۔ان کا تعلق بھی نضر بن کنانہ کے گھرانے سے تھا۔کلاب کے دوسرے دو بھائی تھے تیم اور یقظہ کی ماں اور تھی۔

ہشام بن کلبی نے بیان کیا ہے کہ تیم اور یقضہ کی ماں اسماء بنت عدی تھی۔البتہ ابن اسحاق نے اُن کی ماں کا نام ہند بنت حارثہ البارقیہ لکھا ہے۔یقضہ کی والدہ بارقہ کا تعلق یمن سے تھا اور وہ بنو اسد سے تھی بعض نے کہا کہ تیم کی ماں بھی یہی تھی۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے بارق سے مراد بنی حارثہ بن عمرو تھا اور وہ اد بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن اسد بن یغوث کی اولاد سے تھی اور اُن کا تعلق قبیلہ شنوہ سے تھا۔

اُن کا شاعر کمیت بن زید کہتا ہے:

وَاَزْدُ شَنُوْءَ ۃَ اِنْدَ رَوُوْا عَلَیْنَا
بِجُمٍّ یَحْسِبُوْنَ لَھَا قُرُوْنَا

ازدشنوءۃ ہماری مدد کے لیے ایک جم غفیر مینڈھوں کی مانند کثیر تعداد کے ساتھ آئے کہ دشمن اُن کے سروں پہ سینگوں کا گمان کرتا تھا۔

فَمَا قُلْنَا لِبَارِقَ قَدْ اَسَأْتُمْ
وَمَا قُلْنَا لِبَارِقَ اَعْتِبُوْنَا

پھر نہ تو ہم نے بارق سے کہا کہ انھوں نے برا کیا ہے اور نہ ہی ہم نے اُن سے یہ کہا کہ تم ہمیں راضی کرو۔

کلاب بن مرہ کی بیوی کا نام ابن سحاق نے فاطمہ بنت سعد لکھا ہے جس سے اُن کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔قصی بن کلاب اور زہرہ بن کلاب ۔فاطمہ بنت سعد کا تعلق بھی یمن سے تھا اور وہ بنو جعثم ہالا زد سے تھیں اور جعثمہ ہی کو عرب الجدرۃ بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر علمائے تاریخ نے بھی بیان ہے کہ الجدرۃ سے مراد عامر بن خزیمہ ہے جو بنو جعثمہ سے تھا۔ ایک دفعہ جب مکہ کی پہاڑیوں سے بہہ کر آنے والا پانی کا تیز ریلا بیت اللہ میں داخل ہو گیا اور اُس نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی تب قریش بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے کہ سیلاب کا ایک اور ریلا بیت اللہ کو منہدم ہی نہ کر دے جس کی وجہ اُن کا دین اور شرف خطرے میں پڑھ جائے گا۔تب عامر بن عمرو بن خزیمہ نے اُن کے لیے دیوار بنا دی جس نے پانی کو خانہ کعبہ کے اندر جانے سے روک دیا۔عامر نے حارث بن مضاض الجرہمی کی بیٹی سے شادی کی تھی جب عامر بن عمرو بن خزیمہ نے خانہ کعبہ کے لیے وہ دیوار تعمیر کرادی تب لوگوں نے اس کو جارود کا نام دیا اور عامر کی اولاد کو الجدرۃ کہا گیا اور الجدرۃ کے

بارے میں اُن کے ایک شاعر سعد بن سیل نے یہ اشعار کہے:

مَا نَرٰی فِی النَّاسِ شَخْصًا وَاحِدًا
مَنْ عَلِمْنَاهُ کَسَعْدِ بْنِ سَیَلِ

ہم کو تو لوگوں میں سے ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو سعد بن سیل جیسی خوبیوں کا مالک ہو۔

فَارِسًا اَضْبَطَ فِیْہِ عُسْرَۃٌ
وَاِذَا مَا وَاقَفَ الْقِرْنَ نَزَلَ

وہ ایسا شہ سوار تھا کہ جب کوئی اس سے نبرد آزما ہونے کو آتا تو وہ اپنی سواری سے اتر جاتا۔

فَارِسًا یَسْتَدْرِجُ الْخَیْلَ کَمَا اسْتَدْ
رَجَ الْحُرُّ الْقَطَامِیُّ الْحَجَلَ

اور یہ کہ وہ ایسا سوار تھا جو اپنے گھوڑے کو ایسے قابو کرتا جیسے شہباز چکور کو قابو کرتا ہے[88*]۔

کلاب اپنی قوم کے سردار تھے وہ بہت زور آور اور دشمنوں کے لیے مصیبت بن جانے والے سردار تھے۔

اگرچہ اُن میں وہ شرافت بدرجہ اُتم موجود تھی جو نبی اکرم ﷺ کے آباء کا خاصہ رہی ہے وہ بہادر اور شجاع شہ سوار تھے اُن کا زیادہ وقت گھر سے باہر گذرتا تھا۔

علامہ محمود شکری آلوسی نے بیان کیا ہے کہ کلاب کی کنیت ابوزہرہ تھی اُن کا اصل نام حکیم تھا۔

بعض مورخین نے اُن کا نام عروہ بھی لکھا ہے۔

کلاب تو دراصل اُن کا لقب تھا کیونکہ وہ کتوں سے بہت زیادہ شکار کھیلا کرتے تھے اس لیے لوگوں نے اُن کو کلاب کہا۔ یہ رسول اللہ کے دادا تو تھے ہی مگر یہ حضرت آمنہ کے بھی تیسرے دادا تھے یعنی اُن پہ آ کے نبی اکرم ﷺ کی ماں اور آپ ﷺ کے باپ کا نسب اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اُن کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عربی مہینوں کے موجودہ ناموں کا اجرا بھی انھوں نے ہی کیا تھا۔

قصی بن کلاب

کلاب کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے قصی بن کلاب کا انتخاب کیا اور اُن کو آبائے رسول اللہ ﷺ میں شامل کیا۔قصی نبی اکرم ﷺ کے آبائے کرام میں خاص اہمیت کے حامل تھے اور اُن کے بہت سے ایسے کارنامے ہیں جنھوں نے تاریخ میں اُن کے نام کو زندہ رکھا ہے۔یاد رہے کہ قصی سے پہلے بنو کنانہ یعنی قریش متفرق تھے اور کمزور تھے حتیٰ کہ بیت اللہ کی تولیت پہ بھی گذشتہ چار پانچ سو سال سے بنو بکر اور بنو خزاعہ کے خاندان ہی قابض تھے۔جب قصی جوان ہوئے تو اس وقت بنو خزاعہ سے بنو غشبان خانہ کعبہ کے متولی تھے۔

علامہ ابن جریر طبری قصی کے بارے میں لکھتے ہیں:

قصی کا اصل نام زید تھا اور وہ تقریباً ۴۰۰ء میں پیدا ہوا اور زید کو قصی اس لیے کہا گیا کہ وہ ایک مدت تک اپنے وطن سے دور رہا تھا اور قصی کا معنی ہے ''دور افتادہ''۔

قصی کلاب کا بیٹا تھا اور اس کا ایک بھائی زہرہ بھی تھا کلاب کی وفات کے بعد قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بن سہیل نے بنو قضاعہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔جب فاطمہ نے دوسری شادی کی تب زہرہ تو جوان ہو چکا تھا مگر زید یعنی قصی ابھی اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا چنانچہ فاطمہ نے زہرہ کو تو اس کے چچاؤں کے پاس چھوڑا اور قصی کو ساتھ لے کر اپنے خاوند کے ساتھ شام چلی گئی۔چنانچہ قصی نے اپنی زندگی کا ابتدائی ماہ و سال شام کے علاقے عذرہ میں ہی بسر کیے۔

فاطمہ کے ہاں ربیعہ سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اس نے رزاح رکھا گیا۔جب قصی جوان ہوا تب بھی وہ خود کو ربیعہ کا بیٹا اور رزاح کو اپنا بھائی ہی سمجھتا تھا حتیٰ کہ ایک دن بنو قضاعہ کے ایک شخص نے اسے یہ طعنہ دیا کہ تو ہم سے نہیں ہے بلکہ تو ایک غریب الوطن شخص ہے۔

قصی فوراً اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا؟

ماں مجھے بتا کہ میرا باپ کون ہے۔

ماں نے قصی سے کہا: کیا بات ہوئی؟

تو قصی نے اپنی ماں کو بتایا کہ کسی نے اسے طعنہ دیا ہے کہ تُو ہم میں سے نہیں ہے۔

قصی کی ماں نے کہا:

جس نے تجھے طعنہ دیا ہے اسے جا کے بتا کہ تُو اُس سے افضل ہے تیرا قبیلہ اس سے افضل ہے اور تیرا باپ اُس کے باپ سے افضل ہے۔

قصی کی ماں نے کہا!

میرے بیٹے سُن!

تو ایک ایسے خاندان کا چشم و چراغ ہے جس کی عرب بھر میں عزت و تکریم کی جاتی ہے تو بیت اللہ کے متولی قریش کے قبیلہ سے ہے۔ تیرا بھائی اور تیرے چچا مکہ میں مقیم ہیں۔ تو کلاب بن مرہ کا بیٹا ہے جو اِن تمام اہل شام سے بہتر تھا۔

قصی نے اپنی ماں سے کہا:

اگر تو اجازت دے تو اپنے قبیلے میں چلا جاؤں کہ اب لوگوں کے طعنے مجھ سے نہیں سنے جاتے۔ قصی کی ماں نے کہا: مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر چند ماہ کے لیے رک جا اس لیے کہ مکہ یہاں سے بہت دور ہے تو وہاں تک شاید اکیلا نہ پہنچ سکے۔ اس لیے حج کے مہینے میں جب حاجیوں کے قافلے یہاں سے مکہ کی طرف کوچ کریں گے تب تُو اُن کے ساتھ روانہ ہو جانا اس طرح تو آسانی سے مکہ پہنچ جائے گا۔ قصی نے اپنی ماں کی بات مان لی۔

پھر وہ حاجیوں کے ایک قافلے ساتھ مکہ پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے بھائی زہرہ کو تلاش کیا۔ زہرہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے قصی نے زہرہ کو بتایا کہ میں اُن کا بھائی زید ہوں تو زہرہ نے انھیں اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا ہاں تم میرے بھائی ہو کیونکہ تجھ سے مجھے اپنے باپ کی خوشبو آتی ہے۔

قصی اپنے بھائی زہرہ کے ساتھ رہنے لگا۔ زہرہ نے اپنے باپ کی جائیداد میں سے قصی کو اس کا حصہ

دے دیا پھر بڑھاپے کی وجہ سے اپنی جائیداد بھی اُسی کے حوالے کر دی جس سے قصی کو مکہ میں قوت حاصل ہوگئی۔ قصی بہادر اور شریف تھا اس لیے تھوڑے ہی دنوں میں اہل مکہ اس کی عزت کرنے لگے تھے اور اس کا گھرانہ تو پہلے ہی بلند اور باوقار تھا۔ اس لیے جب اُس نے حلیل بن حبشیہ الخزاعی جو بنو غشبان میں سے تھا جو بیت اللہ کا متولی تھا۔ اس کی بیٹی حبی کا رشتہ مانگا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ حبیؔ سے اللہ نے قصی کو چار بیٹے عطا کیے جس کی وجہ سے اُن کی قوت وسطوت میں اضافہ ہوگیا۔ اُن کے بیٹوں میں عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزی اور عبدالقصی شامل ہیں۔

جب قصی کے بیٹے جوان ہوئے اور انھوں نے اپنے باپ کے لیے بہت سامال و دولت جمع کر لیا تو قصی نے قریش اور بنو کنانہ کے دیگر گھرانوں کو بلایا اور اُن سے کہا میں بنو خزاعہ سے بیت اللہ کی تولیت چھین لینا چاہتا ہوں کہ اس لیے کہ اُن کی نسبت ہم اِن مناصب کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ہم اصلاً اولاد اسماعیل سے ہیں۔

بنو کنانہ اور قریش نے قصی کو اپنی حمایت کا یقین دلایا قصی نے سب سے پہلے اہل صوفہ سے اُن کے مناصب چھینے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اہل صوفہ غوث بن مر بن ادبن کی اولاد تھا۔ غوث بن مر کی ماں کا تعلق بنو جرہم سے تھا۔ اس کے اولاد زندہ نہ رہتی تھی چنانچہ اُس نے منت مانی کہ اگر اللہ اسے اولاد عطا کرے تو وہ اپنے پہلے بیٹے کو کعبہ معظّمہ کے لیے وقف کر دے گی۔ چنانچہ اللہ نے اسے اولاد عطا کی اور اس نے اپنا پہلے بیٹے غوث کعبہ کی خدمت پہ لگا دیا شروع میں غوث اپنے ماموں جو بنو جرہم سے تھے کے ساتھ بیت اللہ کی خدمت کرتا رہا پھر اُس کے ماموؤں نے اسے عرفہ میں مقرر کر دیا جہاں وہ لوگوں کو حج کے لیے گزرنے کی اجازت دیا کرتا۔ غوث کی ساری عمر اسی منصب پہ گزری۔ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور پھر اُن کی اولادوں میں یہ منصب منتقل ہوتا رہا اور انھیں ہی اہل صوفہ کہا جاتا ہے جو لوگوں کو عرفات سے گزرنے اور شیطان کو پتھر مارنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ یہ ابوعبیدہ کا بیان ہے دیگر مورخین نے بھی اہل صوفہ کے متعلق اسی سے ملتا جلتا واقعہ بیان کیا ہے اور ابوعبیدہ سے اختلاف نہیں کیا۔

اہل صوفہ کے متعلق اُن کا کوئی شاعر کہتا ہے کہ:

اِنِّی رَبِّ مِنْ بَنِیَّہ
رَبِیْطَۃٌ بِمَکَّۃَ العَلِیَّۃْ

اے میرے مولا! میں نے (یعنی غوث کی ماں نے) اپنے بیٹوں میں سے ایک کو مکہ معظّمہ کے لیے مختص کر دیا ہے۔

فَبَارِکَنَّ بِھَا اِلیَّہْ
وَاجْعَلْہُ لِی مِنْ صَالِحِ البَرِیَّۃْ

اے میرے پرروردگار! اس مقدس مقام کے طفیل تو میرے اس نورِ نظر کو میرے لیے بابرکت بنا دے۔ اور اسے میرے لیے لوگوں میں سے پاکباز بنا [89*]۔

اور جب غوث بن مر لوگوں کو بیت اللہ سے دور ہٹاتا تو وہ کہتا۔

لَا ھُمَّ اِنِّی تَابِعٌ تَبَاعَہْ
اِنْ کَانَ اِثْمٌ فَعَلٰی قَضَاعَہْ

مولا! میں اس کے طریقے کی اتباع کرتا ہوں اگر یہ عمل غلط ہے تو اس کا گناہ بنو قضاعہ پہ ہے۔

پھر مدتوں یہ منصب اہل صوفہ ہی میں رہا آخر قصی نے انھیں روک دیا اور کہا اِن امور کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اہل صوفہ نے مزاحمت کی اور قصی کے بیٹوں اور حلیفوں کے ساتھ اُن کی جنگ چھڑ گئی۔ مگر اہل صوفہ زیادہ مزاحمت نہ کر سکے اور قصی نے مکہ پہ قبضے کی ابتداء کر دی تھی جس سے بنو بکر اور بنو خزاعہ چوکنے ہو

گئے۔وہ جانتے تھے کہ قصی کا اگلا ہدف وہ ہوں گے اور قصی اُن سے بیت اللہ کے مناصب چھیننے کی کوشش کرے گا اس لیے انھوں نے قصی کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کردی۔ادھر قصی نے بھی قریش اور بنو کنانہ کو اکٹھا کرلیا تھا اور وہ قصی کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ کے خلاف جنگ کے لیے تیار تھے۔قصی نے شام سے اپنے بھائی رزاح سے بھی مدد مانگی اور اپنے حلیف بنوثعلبہ کی طرف بھی اپنا قاصد روانہ کیا۔

جب قصی کا قاصد اس کے بھائی رزاح تک پہنچا تو اس نے یہ اشعار کہے:

لَمَا اَتیٰ مِنْ قُصِیٍّ رَسُوْلُ

فَقَالَ الرَّسُوْلُ اَجِیْبُو االْخَلِیْلَا

جب قصی کی طرف سے اُس کا قاصد آیا تو اس نے کہا ایک دوست کی استدعا قبول کرو۔

نَهَضْنَا اِلَیْهِ نَقُوْدَ الْجِیَادَ

وَنَطْرَحُ عَنَّا الْمَلُوْلَ الثَّقِیْلَا

تو ہم نے سستی کو خود سے دور کیا اور اس کی طرف جانے کے لیے اپنے گھوڑے کھینچ لائے۔

نَسِیْرُبِهَا اللَّیْلَ حَتَّی الصَّبَاحَ

وَنَکْمِیُ النَّهَارَ لِئَلَّا نَزُوْلَا

ہم اِن گھوڑوں پہ ساری رات سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے کہ کہیں ہلاک ہی نہ ہو جائیں۔

فَمُنَّ سِرَاعٌ كَوِرْدِ الْقَطَا
يَجِئْنَ بِنَا مِنْ قُصَيٍّ رَسُولَا

اور وہ گھوڑے جو قصی کے قاصد ہمارے لیے لائے تھے وہ اس قدر تیز تھے جیسے پانی پہ جاتے وقت مرغ سنگ خوار۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جَمَعْنَا مِنَ السِّرِّ مِنْ اَشْمَذَيْنِ
وَمِنْ كُلِّ حَيٍّ جَمَعْنَا قَبِيلَا

ہم نے اشمندین اور ہر بڑے قبیلے سے لڑنے والے بہترین افراد کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں جمع کر لیں تھیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَيَالِكَ حَلْبَةَ مَا لَيْلَةٍ
تَزِيدُ عَلَى الْاَلْفِ سَيْبًا رَسِيلَا

اے تیز رفتار گھوڑو! کیا وجہ ہے کہ تم سے ایک ہی رات میں ہزار میل کی مسافت طے نہ ہوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَلَمَّا مَرَرْنَ عَلَى عَسْجَرٍ
وَاَسْهَلْنَ مِنْ مُسْتَنَاخٍ سَبِيلَا

پھر جب وہ گھوڑے مقام عسجر پر سے گزرے اور مستناخ سے آسان راستہ اختیار کر لیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَجَاوَزْنَ بِالرُّكْنِ مِنْ وَّرْقَانِ
وَجَا وَزْنَ بِالْعَرَجِ حَيًّا حَلُوْلاً

اور مقام ورقان کے ایک حصے پر سے گزر کر وادیٔ عرج پر گزرے جہاں ایک قبیلہ اترا ہوا تھا۔

مَرَدْنَ عَلَى الْحِلِىّ مَا ذُقْنَهٗ
وَعَا لَجْنَ مِنْ مَرَّ لَيْلاً طَوِيْلاً

وہ گھوڑے خاردار جھاڑیوں پر سے گزرے لیکن انھوں نے اسے چکھا تک نہیں اور مہر الظہر ان سے شب بھر میں ایک منزل طے کی۔

نُدَنِّى مِنَ الْعُوْذِ اَفْلاءِ هَا
اِرَدَةَ اَنْ يَّسْتَرِقْنَ الصَّهِيْلاَ

ہم تازی جنی ہوئی اونٹیوں کو اُن کے بچوں کے قریب رکھنا چاہتے تھے تا کہ وہ اپنی ماؤں کو پہچان لیں۔

فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلٰى مَكَّةٍ
اَبَحْنَا الرِّجَالَ قَبِيْلاً

اور پھر جب ہم مکہ پہنچے تو بہادروں کے بہت سے قبیلوں کا خون ہم نے مباح کرلیا۔

نُعَاوِرُهُمْ ثُمَّ حَدَّ السُّيُوْفِ
وَفِىْ كُلِّ اَدْبرٍ خَلَسْنَا الْعُقُوْلَا

وہاں ہم نے اُن کے مقابلے میں تلواروں کی باڑ سے مدد لے کر ہر پینترے اور وار میں اُن کی ڈھالیں چھین لیں۔

نُخَبِّزُهُمْ بِصِلَابِ النُّسُوْ
رِخَبْزَ الْقَوِىِّ الْعَزِيْزَ الذَّلِيْلَا

اور ہم انھیں اپنے سخت گھوڑوں سے اس طرح ہانک رہے تھے جس طرح قوت وعزت والا ذلیلوں کو ہانکتا ہے۔

قَتَلْنَا خُزَاعَةَ فِىْ دَارِهَا
وَبَكْرًا قَتَلنَا وَجِيْلًا فَجِيْلَا

ہم نے بنوخزاعہ کو اُن کے گھر میں گھس کے قتل کیا اور ایک کے بعد دوسرے قبیلے بنوبکر کو قتل کیا۔

نَفَيْنَا هُمْ مِنْ بِلَادِ الْمَلِيْكِ
كَمَا لَا يَحُلُّوْنَ اَرْضًا سُهُوْلَا

اور اِن شاہی شہروں سے ہم نے اُن کو اس طرح جلا وطن کیا جیسے وہ کبھی یہاں کی نرم زمین میں اترے ہی نہ تھے۔

فَاصْبَحَ سَبِيُهُمْ فِى الْحَدِيْدِ
وَمِنْ كُلِّ حَيٍّ شَفَيْنَا الْغَلِيْلَا
جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے قیدی صبح صبح ہی لوہے میں جکڑے گئے اور اُن کے کینہ وروں کو کینہ کی بیماری نے مروادیا[90*]۔

اور یہ اشعار ثعلبہ بن عبداللہ کے ہیں۔

جَلَبْنَا الْخَيْلَ مُضْمَرَةً تَغَا لَى
مِنَ الْاَعْرَافِ اَعْرَافِ الْجِنَابِ
اور ہم قصی کی پہلی پکار پہ ہی مقام جناب کی سطح مرتفع کے قیمتی اور دبلے گھوڑے لے کر نکلے۔

اِلٰى غَوْرِىْ تِهَامَةَ فَالْتَقَيْنَا
مِنَ الْفَيْنَاءِ فِىْ قَاعٍ يَبَابِ
اور تہامہ کی نشیبی زمین کی طرف چلے اور ایک بے آب وگیاہ اور بنجر میدان میں پہنچے۔

فَاَمَّا صُوْفَةُ الْخُنْثٰى فَخَلُّوْا
مَنَازِلَهُمْ مُحَاذَرَةَ الضِّرَابِ
مگر جب ہم اُن کے مقابل اترے تو نامراد اہل صوفہ نے جنگ کے خوف سے اپنے گھر خالی چھوڑ دیئے اور بھاگ گئے۔

وَقَا مَ بَنُوْ عَلِيٍّ اِذْ رَأَوْنَا
اِلَىْ الْاَ سَيَافِ كَالْاَبِلِ الطِّرَابِ

اور بنی علی نے جب ہمیں دیکھا تو اپنی تلواروں کی طرف اس طرح لپکے جس طرح گھر کی طرف اونٹ تیزی سے جاتے ہیں [91*]۔

جب قصی کے بیٹے جوان ہو گئے تب حلیل بن حبشیہ جو کعبہ کا متولیٰ تھا اُس نے کعبہ کے مناصب اپنی بیٹی حبی کو سونپ دیئے تھے۔ حبّی سے نہ کعبہ کا دروازہ کھلتا تھا نہ بند ہوتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کعبہ کی خدمات اپنے بیٹے ابوغبشان کو سونپ دیں جس سے قصی نے کعبہ کی تولیت شراب کے ایک مشکیزے اور سارنگی کے عوض خرید لی اور خود کعبے کا متولی بن بیٹھا [92*] ۔

بعض لوگوں نے اس بات کو اس طرح بھی لکھا ہے کہ خود حلیل بن حبشیہ نے وصیت کی تھی کہ اب بیت اللہ کے مناصب قصی کو سونپ دیئے جائیں۔ چنانچہ اب کعبہ کا متولی قصی تھا اور بنوخزاعہ کو اس بات کا بہت دکھ تھا۔ چنانچہ انھوں نے قصی سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قصی کے ساتھ قریش اور بنوکنانہ بھی تھے اور بنوثعلبہ بھی تھے اس کے علاوہ قصی کا اخیافی بھائی رزاح بھی شام سے ایک لشکر لے کر اس کی مدد کو آ گیا تھا۔

دوسری طرف بنوبکر اور بنوخزاعہ کے قبائل تھے۔

ایک خونی جنگ بپا ہوئی۔

کئی دن تک اس جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اب دونوں طرف سے کوشش ہونے لگی کہ مصالحت کی کوئی راہ نکلے کیونکہ گذشتہ کئی روز کی جنگ میں عربوں کا بہت خون بہہ چکا تھا آخر باہم مشاورت سے یعمر بن عوف بن کعب کو حکم چن لیا گیا۔ یعمر بن عوف نے جنگ روک دینے کا حکم دیا اور کہا کہ کل وہ صحن کعبہ میں اس معاملے کا تصفیہ کرانے کی کوشش کرے گا[93*]۔

دوسرے دن لوگ بیت اللہ میں جمع ہوئے۔

یعمر بن عوف کھڑا ہوا اور اس نے کہا!

فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا قَامَ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ وَقَالَ اِنِّیْ قَدْ شَدَخْتُ مَا کَانَ بَیْنَکُمْ مِّنْ دَمٍ تَحْتَ قَدَمِیَّ هَاتَیْنِ فَلَا تَبَاعَةَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ قُضِیَ لِقُصَیٍّ بِاَنَّهٗ اَوْلٰی بِوَلَایَةِ مَکَّةَ۔

ترجمہ؛

''عرب صحن کعبہ میں جمع تھے اور عمرو بن عوف کھڑا اُن سے کہہ رہا تھا میری بات کان کھول کر سن لو فریقین کے درمیان جو خونریزی ہوئی ہے میں نے اسے اپنے اِن دو قدموں تلے روند ڈالا ہے پس کسی فریق کے مقتولوں کا کوئی خون بہا دوسرے فریق پہ نہیں ہے اور بیت اللہ کی تولیت کے بارے میں میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قصی تم سب سے اس کا زیادہ حقدار ہے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربوں نے اپنے حکم کا فیصلہ مان لیا تھا اور اب قریش مکہ میں ایک مضبوط حیثیت سے ابھرے تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ قصی نے بنو خزاعہ سے بیت اللہ کی تولیت ۴۴۰ء میں چھینی تھی۔ قصی نے اپنے قبیلے کی بحالی کے لیے دن رات انتھک محنت کی تھی جس کی وجہ سے عربوں میں اس کی عزت بہت بڑھ گئی تھی۔ کعب بن لوئی کی اولاد کے بعد چار صدیوں تک قریش جو اصلاً اولاد اسماعیل تھے بیت اللہ کی تولیت سے محروم رہے تھے اور قصی کی جدوجہد نے قریش کو ایک بار پھر سے وہ منصب عطا کر دیا تھا جو عربوں میں عزت و وقار کے حوالے سے سب سے بڑا منصب تھا۔ قصی اب نہ صرف بیت اللہ کا متولی تھا بلکہ شہر مکہ کا حاکم بھی وہی تھا اور تاریخ میں پہلی بار حجابہ، رفادہ، سقایہ، ندوۃ اور لوا جیسے تمام عظیم مناصب ایک ہی شخص کی ذات میں مجتمع ہو گئے تھے۔ قصی سے پہلے قریش متفرق تھے قصی نے انھیں شہر مکہ میں لا بسایا تھا۔ قصی کے عہد سے پہلے مکہ کے عرب حرم کے ارد گرد مکان بنانا مناسب نہ جانتے تھے اس لیے خیموں میں رہا کرتے تھے۔ قصی ہی وہ عربوں کا پہلا شخص تھا جس نے شہر مکہ میں اپنا دو منزلہ

مکان بنایا اور لوگوں سے بھی کہا کہ وہ مکان بنا کے رہیں۔

اس نے دار الندوہ بھی بنایا[94*]۔

دارلندوہ حرم سے متصل ایک ایسی عمارت تھی جہاں عرب اکٹھے ہو کے اپنے معاملات حل کیا کرتے تھے اس کا ایک دروازہ بیت اللہ کے صحن میں کھلتا تھا اور قصی کی دانشمند اور جرأت مندانہ قیادت ہی کی وجہ سے اہل قریش کو اُن کا کھویا ہوا وقار ملا اس لیے اُن کا ایک شاعر کہتا ہے کہ:

اَبُوْکُمْ قُصَیٌّ کَانَ یَدْعٰی مُجَمِّعًا
بِہٖ جَمَعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرٖ

اے قوم قریش! تمھارا باپ قصی ہے جس کو مجمع کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فہر کی اولاد سے جتنے قبائل قریش تھے اُن سب کو اس نے قصی کے ذریعے حرم کے گرد جمع کر دیا ہے۔

وَاَنْتُمْ بَنُوْ زَیْدٍ وَزَیْدٌ اَبُوْکُمْ
بِہٖ زِیْدَاتِ الْبَطْحَاءُ فَخْرًا عَلٰی فَخْرٖ

تم زید کے بیٹے ہو اور زید تمھارا باپ ہے کہ اسی کے کارناموں کی وجہ سے تم کو وادیٔ بطحاء میں عزت وشرف حاصل ہوا ہے[95*]

جب قصی کو مکہ میں استحکام حاصل ہو گیا تو اس نے یہ اشعار کہے۔

اَنَا ابْنُ الْعَاصِمِیْنَ بَنِیْ لُؤَیٍّ
بِمَکَّۃَ مَنْزِلِیْ وَبِھَا رَبَیْتُ

میرا تعلق بنی لوی سے ہے! جو لوگوں کے محافظ ہیں مکہ میں میرا گھر ہے اور یہیں میری نشو نما ہو ئی ہے۔

اِلَی الْبَطْحَاءِ قَدْ عَلِمَتْ مَعَد
وَمَرْوَتُهَا رَضِیْتُ بِهَا رَضَیْتُ
اور وادئ بطحاء تک بنی معد نے مجھے خوب پہچان لیا ہے اور کوہ مروہ سے میں بہت راضی ہوں۔

فَلَسْتُ لِغَالِبٍ اِنْ لَّمْ تَاثَّلُ
بِهَا اَوْلَادُ قَیْذَرَوَالنَّبِیْتُ
اگر قیدار اور نبیت یعنی بنو اسماعیل کی اولاد یہاں مقیم نہ ہوتی تو مجھے کیونکہ غلبہ حاصل ہو سکتا تھا۔

رِزَاحٌ نَاصِرِیْ وَبِهٖ اُسَامِیْ
فَلَسْتُ اَخَافُ ضَیْمًا مَا حَیِیْتُ
میری مدد کرنے والا رزاح ہے اور میں اس پہ فخر کرتا رہوں گا جب تک کہ زندہ رہوں۔

اَلَا مَنْ مُبَلِّغٌ عَنِّی رِزَاحًا
فَاِنِّی قَدْ لَحَیْتُکَ فِی اثْنَتَیْنِ

کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو رزاح تک میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ میں دو باتوں میں اسے ملامت کرتا ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

لَحَیْتُکَ فِی بَنِی نَھْدِ بْنُ زَیْدٍ
کَمَا فَرَّقْتَ بَیْنَھُمْ وَ بَیْنِی

ایک تو بنو نہد یہ کے معاملے میں میں تجھے ملامت کرتا ہوں کہ تو نے اُن میں اور مجھ میں جدائی ڈال دی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَحَوتَکَۃُ بْنُ اَسْلُمَ اِنَّ قَوْمًا
عَنَوْھُمْ بِالْمَسَاءَۃِ قَدْ عَنَوْنِی

دوسرے حوتکہ بن اسلم کے بارے میں کہ جن لوگوں نے بنی حوتکہ سے برائی کا ارادہ کیا انھوں نے گویا مجھ سے برائی کا ارادہ کیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

عبد مناف بن قصی

قصی کے چار بیٹے تھے۔جن میں سے عبد مناف سب سے بڑے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں نبی اکرم ﷺ کے آباء میں شامل کیا۔لوگوں نے کہا کہ عبد مناف بہت خوبصورت تھے اور نورِ نبوت کی جھلک اُن کے ماتھے سے جھانکتی تھی۔اس لیے جو بھی انھیں دیکھتا مبہوت رہ جاتا۔ویسے تو اُن کا نام مغیرہ تھا لیکن ودائ مکہ کے لوگوں نے اِن کے حسن کی وجہ سے اُن کو قمر بطحاء کا خطاب عطا فرمایا۔اپنے دیگر آباء کی طرح عبد مناف بھی بہت دانشمند اور زیرک انسان تھے۔اپنے ایک خطبے میں وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ!

اے میری قوم!

میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ عزوجل سے ڈرتے رہا کرو اپنے عہد پورے کرو اور رشتہ داروں سے عمدہ سلوک کرو مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور ظلم سے بچو۔

عبد مناف شراب نہ پیتے تھے اور اُن کے بہت سے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عربوں کے بتوں سے بھی بے زار تھے اور کبھی کبھی وہ لوگوں کو بتوں کی پوجا سے روکتے بھی تھے۔

عبد مناف کو اللہ نے چار بیٹے عطا فرمائے تھے یعنی ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔

عبد مناف اپنے باپ کے دور میں ہی بہت مضبوط ہو گیا تھا عبد مناف بے پناہ سیاسی بصیرت کے مالک تھے جس کی وجہ سے اہل مکہ اپنے معاملات میں اِن سے مشاورت کیا کرتے تھے قصی کے بعد عبد مناف ہی اپنی قوم کے سردار بنے تھے۔اگر چہ بیت اللہ کے سارے مناصب قصی نے اپنے بڑے بیٹے عبد لدار کے حوالے کر دیئے تھے۔عبد مناف کی ایک وجہ شہرت اُن کی سخاوت بھی بیان کی گئی ہے عبد مناف بہت

رحم دل اور نرم مزاج تھے جس کی وجہ سے لوگ اُن کی محفل کو پسند کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے دیگر آباء کی طرح اُن کے چہرے پہ بھی نورِ نبوت کی جھلک دیکھی جا سکتی تھی۔ اُن کے بارے میں عربوں کے مشہور مورخ علامہ محمود شکری آلوسی نے بلوغ الارب میں لکھا ہے۔

فَقَد كَانَ يُقَالُ لَهُ قَمَرَ البَطْحَا ءِ لِحُسْنِهِ وَجَمَالِهِ وَعَنِ الزُّبَيْرِ رَضِىَ اللهُ عَنهُ وَجَدَ حَجَراً مَنْقُوْشًا عَلَيْهِ اَنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ قُصَيٍّ اُوْصِى قُرَيْشًا بِتَقْوَى اللّٰهِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَكَانَ يَبْغُضُ الْاَصْنَامَ وَكَانَ يَلُوحُ عَلَيْهِ نُوْرُ النَّبِىِّ ﷺ۔

ترجمہ؛

”اُن کو اُن کے حسن و جمال کی وجہ سے بطحاء کا چاند کہا جاتا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُن کو ایک پتھر ملا جس پہ یہ عبارت کندہ تھی۔ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کریں۔ آپ بتوں سے بغض رکھتے تھے اور چونکہ آپ ﷺ نبی اکرم ﷺ کے تیسرے دادا تھے اس لیے نبی اکرم ﷺ کا نور اُن کے چہرے کو جھانکتا تھا“۔

کسی عرب نے اُن کے بارے میں کیا خوب شعر کہا ہے کہ:

كَانَتْ قُرَيْشُ بَيْضَةً فَتَفَلَّقَتْ
فَالْمُحُّ خَالِصَةٌ لِعَبْدِ مَنَافِ

قریش ایک انڈے کی مانند ہیں کہ جب اسے پھوڑا گیا تو اس کا مغز اور جوہر عبد مناف تھا۔

اشاریہ

*1

اجداد العرب کا احوال بیان کرتے ہوئے دیگر کتب تواریخ کے ساتھ سیرت ابن ہشام بھی میرے مدنظر رہی۔

علامہ ابن ہشام (سیرت ابن ہشام۔ جلد اول)

*2

عرب بائدہ حضرت حضرت نوح کے بیٹوں کی اولاد تھے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۱۳۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص۱۳۳)

*3

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ قوم عاد حضرت نوح کے بیٹے عاد بن عوص سے چلی جنھوں نے ملک عرب میں مستحکم حکومتیں قائم کیں۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۰۵)

♦♦

*4

حضرت ہودؑ کا نسب ہم نے تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۵۰)

♦♦

*5

شدید قحط کے بعد قوم عاد کا جو وفد دُعا کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوا اس وفد کے ارکان کے نام ہم نے تاریخ طبری سے تحریر کئے ہیں۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۴۹)

♦♦

*6

قوم عاد کے ایک عرب سردار کے یہ اشعار ہم نے تاریخ طبری سے تحریر کئے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۵۴)

*7

پرندوں کے ایک قبیلے نے علاقے کو قوم کی عاد کی نعشوں سے پاک کر دیا اور انھیں اپنی چونچ میں اٹھا کر سمندر میں جا پھینکا۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۵۸)

*8

حضرت ہودؑ کے دین کو قبول کرنے والوں میں مرثد بن سعد بھی شامل تھے جنھوں نے اپنی قوم کی تباہی پہ خوبصورت نوحہ کہا۔ اشعار طبری سے تحریر کیے گئے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۵۶)

*9

اس انگریز سیاح کی یادشتوں سے یہ انتخاب بلوغ الارب سے تحریر کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی بلوغ الارب (جلد اول ؛ ص ۱۴۶)

*10

قوم ثمود کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں اس لیے ایک آدمی کو اپنی زندگی میں کئی بار مکان تعمیر کرنا پڑتا تھا چنانچہ انھوں نے پہاڑوں کو کھود کر نہایت مضبوط مکان بنانا سیکھ لیے تھے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۶۰)

♦♦

*11

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر حضرت صالحؑ کو مبعوث کیا حضرت صالحؑ کا نسب تاریخ طبری سے تحریر کیا گیا۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۵۹)

♦♦

*12

قوم ثمود کے سردار جندو بن عمرو نے حضرت صالح کی نشانی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۶۱)

♦♦

*13

حضرت صالح کے واقعات کے تناظر میں سورہ ہود اور سورۃ الاعراف کی آیات کا ترجمہ تفہیم القرآن سے تحریر کیا گیا۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ تفہیم القرآن (جلد سوم)

♦♦

*14

تبع الحرث کے احوال اگرچہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں موجود ہیں مگر ہم نے یہ پیراگراف اور اشعار ''ضیاالنبی'' سے تحریر کئے ہیں۔

جسٹس محمد کرم شاہ صاحب ؒ (ضیاالنبیؐ جلد دوم)

♦♦

*15

علامہ ہمدانی نے لکھا ہے کہ حیرہ پر عربوں کی حکومت حادثاتی طور پہ قائم ہوئی تھی کیونکہ تبع کی شکست کے بعد اس کے ساتھ آئے عرب اپنے وطن کو واپس نہ لوٹنا چاہتے تھے رفتہ رفتہ جب اردگرد کے علاقوں پر اِن کا اقتدار مستحکم ہوا تو سلطنت حیرہ کی بنا پڑی۔

علامہ ہمدانی (جزیرۃ العرب)

♦♦

*16

امراؤالقیس کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد اول ۔ ص 491)

♦♦

*17

عدی بن زید کا سلیط بن نعمان کے فراق میں کہے گئے مرثیہ کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلداول ۔ ص 491)

♦♦♦

*18

اسود بن یعفر کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلداول ۔ ص 493)

♦♦♦

*19

یزدگرد کے بڑے بیٹے بہرام گور نے ایک عرب بادشاہ منذر بن نعمان کے ہاں صحراوں میں پرورش پائی۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلداول ۔ ص۱۵۶)

♦♦♦

*20

سلطنت حیرہ کے حالات تحریر کرتے ہوئے تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، ابن کثیر کی الہدایہ کے علاوہ شاہ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام بھی میرے پیش نظر رہی۔

شاہ معین الدین ندوی۔

تاریخ اسلام (جلداول ۔ ص 515)

♦♦♦

*21

آل غسان کی رومی سرحدوں پر مستحکم عرب ریاستوں کے حالات تحریر کرتے ہوئے تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، ابن کثیر کی الہدایہ کے علاوہ شاہ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام بھی میرے پیش نظر رہی۔

شاہ معین الدین ندوی۔

(تاریخ اسلام ۔جلداول)

*22

بابلیوں اوراشوریوں کے یہ احوال سیّدعلی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کئے گئے۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۳۴)

*23

پوری دنیا پر حکومت کرنے والے اِن بادشاہوں کے نام تاریخ طبری سے تحریر کئے گئے

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلداول ۔ ص۱۶۵)

*24

بابلیوں اور اشوریوں کے فن مجسمہ سازی کے متعلق یہ معلومات سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کی گئیں۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۲۶)

*25

اہل بابل کے معبدوں کی یہ تفصیلات سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کی گئیں۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۳۳)

*26

بابلیوں اور اشوریوں کے فن مجسمہ سازی کے متعلق یہ معلومات سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کی گئیں۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۲۶)

*27

بابل کے جاہلی معاشرے کی طبقاتی تقسیم کے احوال تاریخ طبری سے تحریر کئے گئے

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۷۱)

*28

حمورابی ضابطہ حیات کے بارے میں یہ تخیل ہم نے سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کیا۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۳۵)

*29

حضرت ابراہیم علیہ السلام غار میں پیدا ہوئے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۶۹)

*30

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی کے ابتدائی پندرہ سال غار میں گذارے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۱۶۵)

*31

حضرت ابراہیمؑ کا والد آذر حکومت وقت کا اہم عہدیدار تھا

تفسیر سورۃ الانبیاء ''تفہیم القرآن''۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ تفہیم القرآن (جلد سوم ۔ ص : ۱۶۸)

*32

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فلسطین سے مکہ کو مراجعت کے احوال ہم نے ''الروض الانف'' سے تحریر کئے۔

امام محمد بن عبداللہ سہیلی (جلد اول)

*33

سیّدہ ہاجرہ کے یہ درجات قاضی سلیمان سلمان منصور پوری کی کتاب ”رحمت للعالمین“ سے تحریر کئے گئے۔

قاضی سلیمان سلمان منصور پوری۔ (رحمت للعالمینؐ ۔ جلددوم ص۴۰)

*34

سیّدہ ہاجرہ نے یہ الفاظ وادیٔ مکہ کی ویرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہے تاہم حضرت ابراہیمؑ کے جواب سے مطمئن ہوگئیں۔

قاضی سلیمان سلمان منصور پوری۔ (رحمت للعالمینؐ ۔ جلددوم ص۴۲)

*35

بیت اللہ کی تعمیر کے احوال درج کرتے ہوئے تاریخ طبری مدنظر رہی۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلداول ۔ ص۱۸۱)

*36

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو مناسک حج کی تربیت دی۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلداول ۔ ص۱۸۶)

*37

ذبیح کی اس تحقیق میں سیّد مودودیؒ کی تفسیر قرآن ''تفہیم القرآن'' سے مدد لی گئی۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ تفہیم القرآن (جلد چہارم۔ ص : ۲۹۹)

*38

رسول اللہ ﷺ کو بعض صحابہ ابن ذبیحین کہہ کے بھی پکارتے تھے۔ہم نے یہ روایت ابن ہشام سے تحریر کی ہے۔

علامہ ابن ہشام ۔ (سیرت ابن ہشام ۔جلد اول ص ۴۳)

*39

مسلمانوں کے ہاں بھی بعض صاحب علم کا یہ خیال تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں۔تحقیق ''تفہیم القرآن'' سے تحریر کی گئی۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ تفہیم القرآن (جلد چہارم۔ ص : ۳۰۱)

*40

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں نے بہت ترقی کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اقتدار و قوت سے نوازا۔

قاضی سلیمان سلمان منصور پوری۔ (رحمت للعالمینؐ ۔ جلد اول ص ۲۴)

*41

حضرت ابراہیم کی عرب بیوی قطورہ کے بیٹوں کے نام تاریخ طبری سے تحریر کئے گئے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۲۱۲)

♦♦♦

*42

حضرت اسماعیل کے بیٹوں کے نام تاریخ طبری سے تحریر کئے گئے۔
علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص ۲۱۶)

♦♦♦

*43

وادئ کنعان کے حالات سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب ''روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کئے گئے۔
سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٦٢)

♦♦♦

*44

وادئ کنعان کے لوگوں کی عقائدی پستی کے حالات سیّد علی عباس جلالپوری کی کتاب '' روایاتِ تمدنِ قدیم'' سے تحریر کئے گئے۔
سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٦٤)

♦♦♦

*45

اہل کنعان کے عقائد شرکیہ تھے انھوں نے بلبک شہر میں بعل دیوتا کا بہت بڑا معبد تعمیر کیا تھا۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٦٩)

♦♦

*46

معصوم بچوں کی قربانی کا رواج صرف اہل کنعان ہی کے ہاں نظر آتا ہے۔تاریخ کے صفحات میں صرف یہی قوم بہیمت کی اس حد تک گئی۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٧٠)

♦♦

*47

بعض اوقات وہ بچوں کی اجتماعی قربانی بھی کرتے جس کا تصور ہی انسان کو لرزا دینے کے لیے کافی ہے۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٧٠)

♦♦

*48

مذہب کے نام پہ یہ مقدس عصمت فروشی اہل کنعان کے ساتھ دیگر ماعصر معاشروں میں بھی مروج تھی۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ٧٢)

♦♦

*49

اہل کنعان ہم جنسی پرستی کی عادت بد میں بھی ملوث تھی۔اُن کے معاشرے میں ہم جنس پرستی جرم تصور نہ کیا جاتا تھا۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۷۴)

♦♦♦

*50

بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے ہی فن تحریر ایجاد کیا اور علامات وضع کیں۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۷۴)

♦♦♦

*51

اہل کنعان جہاز رانی کے فن سے بھی آگاہ تھے۔اُن کے تجارتی کارواں دور دور تک جاتے تھے۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۷۸)

♦♦♦

*52

بنی اسرائیل کے ہاں اپنے انبیاء کے احکامات سے انحراف معمول کی بات تھی۔

سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔

تفہیم القرآن (جلدسوم۔ ص : ۳۰۵)

♦♦♦

*53

غزل الغزات کا جو مجموعہ حضرت سلیمانؑ سے منسوب کیا جاتا ہے۔یہ انتخاب اُس سے پیش کیا گیا ہے۔

سیّدعلی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص : ۱۱۰)

*54

اہل بابل کی اسیری کے مابین بنو اسرائیل کے ہاں جس ادب نے جنم لیا یہ انتخاب اُس سے پیش کیا گیا ہے۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۱۱۱)

♦♦

*55

صحیفہ ایوبؑ سے یہ انتخاب سید علی عباس جلالپوری کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۱۱۱)

♦♦

*56

بنی اسرائیل کے صحائف سے یہ شہ پارے روایات تمدن قدیم سے تحریر کئے گئے۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۱۱۱)

♦♦

*57

بنی اسرائیل سے منسوب یہ اشعار بھی روایات تمدن قدیم سے تحریر کئے گئے اگرچہ دیگر کئی کتابوں میں بھی یہ اشعار موجود ہیں۔

سیّد علی عباس جلالپوری ۔ روایاتِ تمدنِ قدیم (ص ؛ ۱۱۳)

♦♦

*58

حضرت اسماعیلؑ کے بیٹوں کے نام تاریخ طبری سے تحریر کئے گئے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ۔ ص312)

*59

حضرت کعب بن مالک سے منسوب یہ اشعار ہم برہان الدین حلبی کی تاریخ، تاریخ حلبی جلد اول سے درج کیے ہیں۔

برہان الدین حلبی (تاریخ حلبیہ جلد اول ص ۱۸۱)

*60

علامہ برہان الدین حلبی نے سیرۃ حلبیہ میں لکھا ہے کہ قریش کا مورث اعلیٰ فہر بن مالک تھا جب کہ دوسرے مورخین نے کہا کہ وہ نضر بن کنانہ ہیں

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۷٦)

*61

علامہ طبری نے کہا ہے کہ قریش کا جدِامجد فہر بن مالک تھا اور انھیں کو قریش کہا گیا،،،

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ طبری تاریخ الامم والملوک جلد دوم

*62

اس معروف شاعر کا اصل نام عبداللہ بن محمد ناشی تھا۔ جو شیشرم کے نام سے معروف تھا اس نے نبی اکرم ﷺ کے نسب پہ چار ہزار اشعار پہ مشتمل ایک قصیدہ کہا جس کا قافیہ اخیر تک نہ بدلا ۔امام ابن عبدالبر اور شیخ حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے ۔تاریخ بغداد میں بھی یہ قصیدہ نقل کیا گیا ہے۔ ابوالعباس عبداللہ عرف شیشرم انبار میں پیدا ہوا۔ پڑھنے کے لیے بغداد آئے اور وہاں سے مصر منتقل ہو گئے اور مصر ہی میں اس نے ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ وہ معتزلی تھے اور علم کلام کا ماہر تھے، مقالات میں شیخ ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کے اقوال اس سے نقل کئے ہیں وہ قادر الکلام شاعر تھے اور جب شعرا سے اس کا مقابلہ ہوتا تو وہ اِن کے معنی اور مطالب کے برعکس اشعار منظوم کرتے اور نئے انداز میں فصیح وبلیغ معنی پیدا کرتے یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ اس کو کوئی دماغی بیماری ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ ان کی انتہائی ذہانت تھی امام ابن کثیر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے نسب پاک پہ اس کے اشعار اور قصیدہ اس کی قادر الکلامی فصاحت وبلاغت، علم وفہم، حفظ ویاداشت کا بین ثبوت ہے اور اُن لوگوں پہ طعن ہے جنھوں نے کہا کہ اسے دماغی خلل ہے،،،،

امام حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر

البدایہ والنہایہ

*63

معد بن عدنان کی اولاد کی یہ مدح کس شاعر نے کی یہ تو معلوم نہیں ہو سکا تاہم نام لکھے بغیر اِن شعروں کو ابن ہشام نے بیان کیا ہے۔

سیرت ابن ہشام ازابن ہشام

(جلداول)

*64

کنانہ بن خزیمہ کے متعلق مورخین نے بہت کم لکھا ہے جس کی وجہ اُن کی ذات کے متعلق معلومات محدود ہیں البتہ امام محمد بن یوسف الصالحی نے اُن پہ ایک مضمون لکھا جس میں اُن کے حالات بیان کئے ہیں

محمدبن یوسف الصالحی

(سبل الہدی والرشاد)

♦♦

*65

کنانہ بن خزیمہ کا یہ خواب بھی ہم نے محمد بن یوسف الصالحی کے حوالے سے بیان کیا ہے قدماء نے البتہ اس کا تذکرہ نہیں کیا،،،

محمدبن یوسف الصالحی

(سبل الہدی والرشاد)

♦♦

*66

امام عبداللہ سہیلی نے نضر بن کنانہ کی اولاد اور والدہ کے متعلق تفصیلات فراہم کی ہیں

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص؛227)

♦♦

*67

امام ابو القاسم عبدالرحمان عبداللہ سہیلی نے اس شاعر کا نام لکھا ہے جس نے اولاد نضر کی مدح میں یہ اشعار کہے اس کا نام کثیر بن عبدالرحمان تھا اور اس کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص؛230)

♦♦♦

*68

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ نضر بن مالک کے تیسرے بیٹے کا نام صلت تھا اور یہ ابو مدنی کا قول ہے،،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ؛ 229)

♦♦♦

*69

امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ مستشرقین نے جو غلط فہمی پیدا کرنا چاہتے تھے مسلمان مورخین نے اس کا کچا چٹھا کھول دیا ہے اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ کنانہ بن مالک کی ماں کے بارے میں اُن کا خیال غلط ہے،،،،،

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ طبری تاریخ الامم والملوك جلداول

♦♦♦

*70

مالک بن نضر کی والدہ کا نام عاتکہ تھا یا عکرشہ اس بارے میں تحقیق علامہ ابن جریر طبری کی تاریخ سے پیش کی گئی ہے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ الامم والملوك جلداول

*71

مالک بن نضر کی والدہ عاتکہ کا نسب یہاں ابن جریر طبری کے حوالے سے درج کیا جارہا ہے۔

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ الامم والملوك جلداول

*72

بیت اللہ کے حسد میں مبتلا یمنی قبائل نے جب بیت اللہ پہ حملہ کیا تو فہر بن مالک نے ہی اہل قریش اور حلیف قبائل کو ساتھ ملا کر اُن کے عزائم کو خاک میں ملایا تھا

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ الامم والملوك جلداول

*73

ابن اسحاق نے محمد بن ہشام کے حوالے سے روض الانف میں اس شاعر کا نام لکھا ہے جس نے لیلی بنت سعد کی مدح کی تھی۔اس کا نام جریر بن عطیہ الخطفی تھا۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 232)

*74

امام عبداللہ سہیلی کے علاوہ محمد بن جعفر ابن جریر طبری اور مشہور مورخ ابن خلدون نے بھی یہی

لکھا ہے کہ بنو تیم قریش کے بطاح میں سے نہ تھے۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول)

♦♦♦

*75

امام عبداللہ سہیلی نے لکھا ہے کہ غالب کے تین بیٹے تھے تیم لؤی اور قیس اور قیس کی ماں الگ تھی اس کا نام سلمی بنت کعب تھا۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 232)

♦♦♦

*76

لؤی بن غالب کے بارے میں یہ الفاظ محمد یوسف الصالحی نے سبل الہدیٰ والارشاد میں لکھے تھے جن میں بیان کیا گیا کہ وہ حلیم اور صاحب حکمت تھے۔

محمدبن یوسف الصالحی

(سبل الہدی والرشاد)

♦♦♦

*77

لؤی بن غالب کی ماں اور اس کے بھائیوں کے بارے میں یہ تفصیلات علامہ طبری کی تاریخ سے نقل کی گئی ہیں،،،،

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاريخ الامم والملوك جلداول

♦♦♦

*78

محمدبن سعدؒ

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛ ۱۱۴)

♦♦♦

*79

لؤی بن غالب کے بیٹے حارث جس سے بنوجشم پیدا ہوئے کی مدح میں کہے گئے یہ اشعار الروض الانف سے درج کئے گئے۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 233)

♦♦♦

*80

جب لؤی بن غالب کے بیٹے سعد کی اولاد سے ایک بار پھر قریش کی پہچان چھین لی گئی تب اُن کے کسی فرد نے یہ اشعار کہے،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 234)

♦♦♦

*81

امام عبداللہ سہیلیؒ کے علاوہ دیگر کئی مورخین نے بھی لؤی بن غالب کی اولادوں کے حالات میں

یہ واقعہ بیان کیا ہے،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 235)

*82

سامہ بن لوی نے اپنی موت کے جو اشعار کہے تھے وہ ہم الروض الانف سے آپ کے لیے درج کئے ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 237)

*83

لوی بن غالب کی اولاد سے کعب کے علاقی بھائی کا ذکر ابن جریر طبری نے کیا ہے اس کی ماں بنو غطفان میں سے تھی،،،،

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

تاریخ الامم والملوک (جلد اول ؛ ص 37)

*84

لوی بن غالب کے بیٹے عوف کے بارے میں یہ روایت امام عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں درج کی ہے،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 239)

*85

امام عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں اس شاعر کا نام حصین بن حمام المری لکھا ہے جس نے عوف بن لوی بن غالب کی ہجو کہی تھی۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف

(جلد اول ؛ ص 241)

*86

عوف بن لوی کے یہ اشعار ہم نے علامہ عبداللہ سہیلی کی کتاب الروض الانف سے تحریر کئے ہیں

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 242)

*87

کعب بن لوی بن غالب جو اجدادِ قریش تھے اُن کے بارے میں یہ اشعار بلوغ الارب سے درج کئے گئے ہیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلددوم ؛ ص ۱۸۹)

*88

الجدرۃ کی مدح میں کہے گئے یہ اشعار ہم نے الروض الانف سے درج کئے

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف

(جلد اول ؛ ص 249)

*89

اہل صوفہ کا تعلق بنو جرہم سے تھا اُن کے بارے میں یہ اشعار غوث بن مر کے بھائی مر بن اد نے کہے۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 277)

*90

رزاحبن ربعیہ جو قصی بن کلاب کا اخیافی بھائی تھا اس کے یہ اشعار سیرت ابن ہشام سے درج کئے گئے ہیں۔

علامہ ابن ھشامؒ

سیرت النبی الکامل (جلد اول ص ؛ ۱۵۳)

*91

جب قصی کا قاصد بنو ثعلبہ کے ہاں پہنچا تب بنو ثعلبہ کا سردار ثعلبہ بن عبداللہ تھا اور اسی نے یہ اشعار کہے تھے۔

علامہ ابن ھشامؒ سیرت النبی الکامل

(جلد اول ص ؛ ۱۵۴)

*92

عبداللہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ شراب کے مٹکے اور سارنگی کے عوض بیت اللہ کی تولیت خریدنے والی روایت بے سروپا ہے بلکہ حلیل بن حبشیہ نے خود قصی کو بیت اللہ کا متولی مقرر کیا تھا

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول)

*93

بعض لوگوں نے یہ جو بیان کیا ہے کہ یعمر نے قصی کے ہاتھوں قتل کئے گئے لوگوں کا خون تو معاف کر دیا مگر بنو خزاعہ نے جن لوگوں کو قتل کیا اس کے بدلے اُن سے دیت طلب کی گئی غلط لگتا ہے،،،،

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول)

*94

یہ عربوں کی پارلیمنٹ تھی جہاں قصی کی قیادت میں لوگ اپنے قومی معاملات کے فیصلے کیا کرتے تھے اس عمارت کا ایک دروازہ حرم پاک میں کھلتا تھا قصی کے بعد یہ عمارت عبدالدار کے حصے میں آئی اور اُن کے بعد حکیم بن خزام کی ملکیت میں آئی جنھوں نے اسے امیر معاویہ کے زمانے میں ایک لاکھ درم کے عوض فروخت کر دیا تو امیر معایہ نے اُن پہ طعن کیا تُو نے

اپنے آباء واجداد کے شرف وعزت کو فروخ کر دیا ہے اس لیے تم نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے

اس پہ حکیم بن خزام نے جواب دیا!

عزتوں کے سارے معیار ختم ہو گئے بجز تقوی کے اب کچھ بھی نہیں

بخدا میں نے اس عمارت کو شراب کے ایک مشکیزے کے عوض خریدا تھا اور آج اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے اور تم گواہ رہنا کہ میں نے یہ ایک لاکھ درہم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیئے ہیں اب بتاؤ کیا واقعہ میں نے کھاٹے کا سودا کیا ہے تو حضرت امیر معاویہ مسکرا کر وہاں سے ہٹ گئے۔

تاریخ طبری (جلداول ص:۳)

◆◆

*95

قصی بن کلاب کی مدح میں یہ اشعار ہم نے الروض الانف سے تحریر کئے ہیں جہاں شاعر کا نام یقظہ بن حارثہ بیان کیا گیا ہے۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف

(جلد اول)

◆◆

ماخذ و مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکوٰۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی ***** امام ترمذیؒ

تاریخ ابن خلدون ***** علامہ ابن خلدونؒ

تاریخ الامم والملوک ***** امام ابن جریر طبریؒ

تاریخ اسلام ***** اکبر شاہ نجیب آبادیؒ

تاریخ اسلام ***** معین الدین شاہ ندویؒ

انسان کامل ***** محمد منیر قریشیؒ

مسلمان امتیں ***** ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سیرت ابن ہشام ***** ابن ہشامؒ

نقوش (رسول نمبر) ***** ادارہ

مجموعہ مضامین ***** پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر ***** مولانا وحید الدین خانؒ

ضیا القرآن ***** جسٹس محمد کرم شاہؒ

تفہیم القرآن ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

خلافت وملوکیت ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سنت کی آئینی حیثیت ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الجہاد فی الاسلام ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

خطبات ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سیرت سرور کونین ﷺ ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پردہ ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلام کے بنیادی تصورات ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زربار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبد ربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ ***** محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

کائنات اور انسان ***** علی عباس جلالپوریؒ

حجۃ البالغہ ***** شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تمدن ہند ***** علی بلگرامیؒ

سیرت عائشہؓ ***** سیّد سلمان ندویؒ

تحقیق ماللہند ***** علامہ البیرونیؒ

کرم کی برسات ***** ڈاکٹر محمد خالد عاربی

ابوسفیانؓ ***** الطاف حسن گیلانی

تاریخ اسلام ***** شیخ محمد رفیق

تاریخ مدینہ ***** محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسیداحمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹر حسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبدالملکؒ
العرب قبل از اسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسیداحمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السلطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغۃ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان ***** حضرت حسان بن ثابتؓ

الشفاء ***** قاضی عیاضؒ

طبقات الکبری ***** ابن سعدؒ

سیرت حلبیہ ***** امام حلبیؒ

مدارج النبوۃ ***** محدث دہلویؒ

جمع الوسائل ***** ملا علی قاریؒ

المواہب اللدنیہ ***** امام قسطلانیؒ

جواہر البحار ***** امام بیہقیؒ

السیرۃ النبویہ ***** ابن عساکرؒ

شعب الایمان ***** امام بیہقیؒ

المعجم الصغیر	*****	امام طبرانیؒ
فتح الباری	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
اخبار مکہ	*****	امام فاکہیؒ
الکفایہ فی العلم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
التمہید	*****	ابن عبدالبرؒ
الثقات	*****	ابن حبانؒ
سبل الہدیٰ والرشاد	*****	امام صالحیؒ
المنصف	*****	ابن ابی شیبہؒ
شرح مسلم	*****	امام نوویؒ
شمائل الرسول	*****	امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحاد ولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحاد ولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابوعوانہ ؒ
مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار	*****	پروفیسر ارشد جاوید
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہ ؒ
قرآن اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
رسول عربی اور عصر جدید	*****	سیّد محمد اسماعیل ؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشید احمد ندیم
میزان	*****	جاوید احمد غامدی
شرح الشفا	*****	ملا علی قاری ؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیار بکری ؒ
الایمان	*****	ابن مندہ ؒ

السنن	*****	ابن ماجہ ؒ
ترکۃ النبیؐ	*****	ابو اسماعیل بغدادیؒ
الرسولؐ	*****	عبدالحلیم محمود ؒ
روح المعانی	*****	علامہ محمود شکری آلوسی ؒ
قیامت اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
الدیباج	*****	امام سیوطی ؒ
مکارم اخلاق	*****	ابن ابی الدنیاؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام بیہقی ؒ
الخصائص الکبریٰ	*****	امام سیوطی ؒ
المسند	*****	امام احمد بن حنبل ؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	مناویؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران	*****	ابن جریر طبریؒ
مشکواۃ المصابیح	*****	الخطیبؒ
الجوامع السیاسیہ	*****	امام ابن تیمیہؒ
بیان العلم وفضلی	*****	ابن عبدالبرؒ
تاریخ السلامی السیاسی	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
النظم الاسلامیہ	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
کتاب الخراج	*****	الامام ابویوسفؒ
تحفۃ الاشراف	*****	المزیؒ
حسن المحاضرۃ	*****	امام سیوطیؒ
مقائس اللغۃ	*****	ابن فارسؒ

اعلام الموقین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزھد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفاالوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدرالطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر درمنشور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المھشرہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

انساب الاشراف	*****	امام بلاذری ؒ
ہدیۃ العارفین	*****	اسماعیل باشا ؒ
مناہل الصفاء	*****	امام سیوطی ؒ
مقاصد الحسنہ	*****	امام سخاوی ؒ
المنصف	*****	عبد الرزاق ؒ
جامع الصغیر للمناوی	*****	امام سیوطی ؒ
مفاتیح الغیب	*****	امام رازی ؒ
مسند احمد	*****	امام احمد ؒ
الشعر والشعرا	*****	ابن قتیبہ ؒ
العبقریات الاسلامیہ	*****	العقاد عباس محمود ؒ

حدیث دفاع ***** میجر جنرل اکبر خان ؒ

اسلامی طریق جنگ ***** میجر جنرل اکبر خان ؒ

الفیض القدیر ***** المناوی ؒ

الکامل فی الضعفاء ***** ابن عدی ؒ

محاسن التاویل ***** قاسمی جمال الدین ؒ

مسلمانوں کا نظم مملکت ***** حسن ابراہیم ؒ

سود ***** سیّد مودودی ؒ

حیات محمدؐ ***** محمد حسنین ہیکل ؒ

الوثائق الساسیہ ***** ڈاکٹر حمید اللہ ؒ

تجدید احیائے دین ***** سیّد مودودی ؒ

الاحکام القرآن ***** محمد بن احمد قرطبیؒ

مسلم نشاۃ ثانیہ ***** ڈاکٹر محمد امین

مسلمان اور سائنس کی تحقیق ***** حبیب احمد صدیقیؒ

نامور مسلمان سائنس دان ***** حمید عسکریؒ

نظام الحکومت نبویہ ***** شیخ عبدالحیؒ

الاسلام والحضاوۃ العربیہ ***** کرد علیؒ

سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج ***** حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ

فیض الباری ***** محمد انور شاہؒ

سو مسلم سائنس دان ***** رفیق انجمؒ

شاندار سائنسی کارنامے ***** زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبدالواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبد الرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین ***** طالب ہاشمیؒ

ارشادات دانائے کونین ***** طالب ہاشمیؒ

منصب امامت ***** طالب ہاشمیؒ

اخلاق پیغمبری ***** طالب ہاشمیؒ

معارف الحدیث ***** محمد منظور نعمانیؒ

فصاحت نبوی ***** ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ

رہبر کامل ***** مولانا عبدالمجید خادمؒ

اسوہ رسول اکرمؐ ***** ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ

اخلاق نبوی ***** سیّد محمد اسحاقؒ

نبی رحمت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسول اللہؐ ***** شیخ محمد رضا مصریؒ

محمد رسول اللہ ﷺ ***** توفیق الحکمؒ

پیغمبر انقلاب ***** مولانا وحید الدین خانؒ

عبقریت محمدؐ ***** عباس محمود العقادؒ

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی ***** ڈاکٹر نور محمد غفاریؒ

خاندان نبوت ***** محمد ادریسؒ

معرکہ اسلام اور جاہلیت ***** صدر الدین اصلاحیؒ

مغازی رسولؐ ***** حضرت عروہ بن زبیرؓ

تاریخ مکہ ***** منظور احمد شاہؒ

منصب نبوت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

شمائل کبری	*****	عبدالحکیم خانؒ
سیرۃ اکبریٰ	*****	مولانا ابوالقاسمؒ
راہ عمل	*****	مولانا جلیل احسنؒ
زادراہ	*****	مولانا جلیل احسنؒ
وفود عرب	*****	طالب ہاشمیؒ
سیرت سیّدہ فاطمہؓ	*****	طالب ہاشمی
معارف القرآن	*****	مفتی محمد شفیعؒ
ترجمہ قرآن	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
البستان	*****	واثق باللہ
کتاب السماء ولغات	*****	امام نووی

محمد رسول اللہؐ ***** محمد صادق ابراہیمؒ

رسول مبینؐ ***** محمد احسان الحق سلیمانیؒ

سیرت محمدیؐ ***** سرسید احمد خانؒ

سیرت سرور کونینؒ ***** سیّد ابوالاعلی مودودیؒ

Westren Authors.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.